اسلام میں توہین رسالت ﷺ
کرنے والے کی سزا!
قرآن وسنّت وحدیث
اور اسوۂ رسولؐ
کی روشنی
میں

تصنیف
برہان احمد ظفر درانی

فہرست مضامین

تعارف

1۔پیش لفظ

2۔ابتدائیہ

3۔آمد انبیاء اور ناموس رسالت

4۔قرآن کریم کی تعلیم عدل اور انصاف پر مبنی ہے

5۔اختلافات بین المذاہب

6۔دور حاضر میں مخالفین انبیاء اور ان کی بدگوئیاں

7۔تعزیرات ہند میں توہین رسالت کے سلسلہ میں قانونی ضرورت اور وجوہات

8 حق آزادئ رائے

9۔سخت گوئی اور قرآنی تعلیم

10۔توہین رسالت کیا ہے؟

11 توہین رسالت پر علماء کرام کا مؤقف

12۔شاتمِ رسول اور توہین رسالت کرنے والے کی سزا

13۔قرآن کریم اور توہین رسالت

14۔کیا قرآن کریم میں شاتمِ رسول اور توہین رسالت کرنے والے کی سزا قتل ہے؟

15۔کیا شاتمِ رسول کافر ہو جاتا ہے اور اس کی سزا قتل ہے؟

16 ارتداد کیا ہے؟

17۔مرتد کون؟

18۔قرآن کریم اور مرتد کی سزا

19۔ذمّی

20۔ذمّی کون؟

21۔جزیہ

22۔کیا ذمّی شاتمِ رسول واجب القتل ہے؟

23۔پہلی دلیل

24۔دوسری دلیل

25۔تیسری دلیل

26۔چوتھی دلیل

27۔پانچویں دلیل

28۔اسلامی تعلیمات کے ماخذ اور ذرائع

29۔درایت کے متعلق بعض ابتدائی مثالیں

30۔درایت کے کمزور پہلو

31۔روایت کا قلمبند ہونا

32۔ایک بنیادی اصول

33۔احادیث اور توہین رسالت کی سزا

34۔مہاجرین وانصار اور یہود کا تاریخی معاہدہ

35۔احادیث سے دوسری دلیل

36۔تیسری دلیل

37۔ چوتھی دلیل

38۔ پانچویں دلیل

39۔چھٹی دلیل

40۔ساتویں دلیل

41۔آٹھویں دلیل

42۔نویں دلیل

43۔دسویں دلیل

44۔ گیارہویں دلیل

45۔ بارہویں دلیل

46۔تیرہویں دلیل

47۔ چودھویں دلیل

48۔ پندرویں دلیل

49۔خلاصہ کلام

50۔اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے استدلال

51۔توہین رسالت کے مواقع پیدا کرنے کے ذمہ دار کون؟

52۔دورِ حاضر اور اسلام پر حملے

53۔حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کی جانب سے
ناموسِ رسالت پر حملوں کا جواب

54۔ پنڈت لیکھرام

55۔ چشمہ معرفت کی تصنیف

56۔ نسیم دعوت اور سناتن دھرم کتابوں کی تصنیف

57۔ قادیان کے آریہ اور ہم کی تصنیف

58۔ عیسائیوں کی طرف سے توہین رسالت اور اس کا جواب

ڈاکٹر جان الیگزنڈر ڈوئی

59۔ پادری جارج الفریڈ لیفرائے کے اعتراضات کا جواب

60۔ کتاب ینابیع الاسلام کا جواب

61۔ نور الحق کی تصنیف

62۔ نور القرآن 2 کی تصنیف

63۔ الحاج حضرت حکیم مولوی نور الدین بھیروی خلیفۃ المسیح الاوّل

رضی اللہ عنہ کا توہینِ رسالت پر حملوں کا جواب

64۔ عیسائیت کے جواب میں فصل الخطاب کی تصنیف

65۔ تصدیق براہین احمدیہ کی تصنیف و اشاعت

66۔ انجمن دیانند کھنڈن سبھا دہلی کی معاونت

67۔ کتاب نور الدین کی تصنیف

68۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی ناموسِ رسالت کے لئے کاوشیں

69۔ رنگیلا رسول اور ورتمان میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تضحیک

پر جماعت احمدیہ کا دفاع
70۔ کتاب ستیارتھ پرکاش کا جواب
71۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی ناموسِ رسالت کی حفاظت کے لئے کاوشیں
72 حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے دور خلافت میں ناموس رسالت پر حملوں کا جواب
73۔ رسوائے زمانہ سلمان رشدی کی کتاب Satanic Verses پر تبصرہ اور کتاب کا پسِ منظر
74۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے مبارک دورِ خلافت میں ناموسِ رسالت کے حملوں کا دفاع
75۔ جرمنی میں پوپ کا قرآن کریم اسلام اور بانیء اسلام کے خلاف ایک لیکچر اور جماعت احمدیہ کی طرف سے اس کا دفاع
76۔ ہالینڈ میں توہین رسالت کی ناپاک حرکت کا جواب
77۔ امریکہ میں قرآن کریم کو جلانے کی مذموم کوشش پر جماعت احمدیہ کا ردعمل
78۔ امریکہ میں اسلام اور محمدؐ کے خلاف بنائی جانے والی فلم پر دفاع

تعارف

اسلام دین فطرت ہے اور قرآن کریم عین انسانی فطرت کے مطابق تعلیم دیتا ہے رسول کریم ﷺ کا اسوہ اس پر شاہد ہے آپؐ نے کوئی ایک حکم بھی ایسا نہیں دیا جسے انسانی فطرت قبول نہ کرتی ہو۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ دشمنانِ اسلام ہمیشہ ہی اسلام کی حسین تعلیم پر اعتراض کرتے چلے آئے ہیں اور ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہے ہیں کہ کسی نا کسی ضعیف یا محرف و مبدل روایت کا سہارا لے کر اسلام پر حملہ آور ہوں اور اسلام کو بدنام کریں۔ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ بعض علماء اسلام نے بھی بعض ضعیف روایات کو لیکر اسے اسلامی تعلیمات کے رنگ میں پیش کیا اور بعض مستشرقین کے خیالات سے متأثر ہو کر ان کی بیان کردار وایات اور واقعات کو اپنی کتب اور تفاسیر میں جگہ دی پھر وہی روایات اور واقعات اسلامی تاریخ کا حصہ بن گئے۔ آگے چل کر یہی واقعات دور حاضر میں علماء اسلام کی جانب سے لکھی جانے والی کتب کا حصہ بن گئے۔ اور اسلام کی حسین تعلیم پر اپنے بدنما داغ چھوڑ گئے۔ جس سے دشمنانِ اسلام کو اسلام کی حسین تعلیم پر اعتراض کرنے کا خوب موقعہ حاصل ہوا۔

دیکھا جائے تو پاکستان میں توہین رسالت کی سزا کے لئے دفعہ 295-C کا اضافہ بھی ایسی ہی بے بنیاد اور وضعی ورایات کا نتیجہ ہے جس کی اصل قرآن مجید میں موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ توہینِ رسالت کرنے والے اور شاتمِ رسول کی سزا قتل کے نظریہ کے پیش نظر بہت سی کتب لکھی گئی ہیں۔ سب سے اہم کتاب جس کے حوالے اکثر علماء اپنی کتب میں پیش کرتے ہیں وہ امام ابن تیمیہؒ کی کتاب ''الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول'' ہے ایک کتاب ''شاتمِ رسول ﷺ کی شرعی سزا'' تالیف پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ الدّراوی صاحب کی ہے۔ ایک کتاب ''تحفّظ ناموسِ رسالت'' کے عنوان سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کی طرف سے

لکھی ہوئی ہے اسی طرح ایک کتاب ''شانِ مصطفٰی ﷺ اور گستاخِ رسول کی سزا'' کے عنوان سے جناب قادری محمد یعقوب شیخ صاحب کی طرف سے تصنیف شدہ ہے۔ انکے علاوہ اور بھی بہت سی کتب اس مضمون کی شائع شدہ ہیں ان کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام مصنفین کا مؤقف ایک ہی ہے اور ایک ہی طرح کے حوالے انہوں نے پیش کئے ہیں اور ایک ہی نظریہ کو پیش کیا ہے اور ان تمام مصنفین نے امام ابن تیمیہ کی کتاب کو بنیاد بنایا ہے۔ اس عنوان پر لکھنے والوں نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ شاتمِ رسول ﷺ اور توہین رسالت کرنے والوں کی سزا لازمی طور پر قتل ہے۔ اسی لئے غالباً انہیں کتب کو بنیاد بنا کر اور ایسے علماء کے فتوؤں کا سہارا لیکر حکومتِ پاکستان نے تعزیرات پاکستان میں توہین رسالت کرنے والے اور شاتمِ رسول کے لئے قتل کی سزا رکھی ہے اور دفعہ 295-C کا اضافہ کیا گیا۔

ان کتب کا مطالعہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام علماء نے اپنے مؤقف کی تائید میں امام ابن تیمیہؒ کی طرف منسوب ہونے والی کتاب کو ہی بنیاد بنایا ہے اس لئے خاکسار نے یہ کوشش کی ہے کہ امام ابن تیمیہؒ ہی کی کتاب کو سامنے رکھ کر اس پر قرآن کریم، سنت اور احادیث کے حوالہ سے جواب دیا جائے اگرچہ دور حاضر کے تینوں مصنفین کی کتب کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ نیز یہ کوشش کی گئی ہے کہ جو بھی حوالہ پیش کیا جائے وہ اصل کتاب سے ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفاء احمدیت نے توہین رسالت کرنے والوں کا جس طرح سے دفاع کیا ہے اسے بھی اس کتاب کے آخر میں پیش کیا گیا ہے۔ خاکسار مکرم حنیف محمود صاحب مربی سلسلہ کا بھی نہایت درجہ شکر گزار ہے کہ آپ نے ''ناموس رسالتؐ پر حملوں کا دفاع'' کے عنوان سے سارا مواد ایک جگہ جمع کر دیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا کرے۔ خاکسار نے ان کی کتاب سے بھی اس سلسلہ میں مدد لی ہے۔ میری قارئین سے

درخواست ہے کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے بہترین نتائج پیدا کرے اور اسلام کی حقیقی اور سچی تعلیم سے لوگوں کو روشناس کرے اور جو لوگ قرآن کریم کی عدل و انصاف اور حقیقی تعلیم سے واقف نہیں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو کھولے تا وہ بھی دین کی صحیح راہنمائی کرنے والے ہوں، اور دین حق کا چہرہ اور روشن ہو کر مخالفین اسلام کے دلوں کو بھی روشن کرے۔ آمین

طالب دعا

برہان احمد ظفر درانی قادیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

ابتدائیہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات پیدا کیا ہے اور اسے وہ وہ استعدادیں اور قوتیں عطا کی ہیں جو کسی اور مخلوق میں نہیں پائی جاتیں۔ اس کے ساتھ ہی اسے اپنا عرفان پہنچانے کے لئے سلسلہ انبیاء جاری فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق بنی نوانسان کی اصلاح کی خاطر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو مبعوث کیا جن میں سے چند انبیاء کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے۔ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی مبعوث نہیں کئے۔ اسی بات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بیان فرماتا۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝ (فاطر آیت ۲۵)

یعنی اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں خدا کی طرف سے کوئی ہوشیار کرنے والا نہ آیا ہو۔

نیز فرمایا

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ (الرّعد آیت ۸)

یعنی اور ہر ایک قوم کے لئے (خدا کی طرف سے) ایک (راہنما بھیجا جاچکا) ہے۔

چونکہ انبیاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتے ہیں اس لئے ہر نبی کو ماننا اور اس کی عزّت وتکریم کرنا ہر شخص پر لازم ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو ایک مومن اور مسلمان کے لئے بلا تفریق ہر نبی پر ایمان لانا لازمی قرار دیا ہے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ (البقرہ آیت ۲۸۶)

یعنی(کہتے ہیں کہ) ہم اس کے رسولوں میں سے ایک (دوسرے) کے درمیان (کوئی) فرق نہیں کرتے اور یہ (بھی) کہتے ہیں کہ ہم نے (اللہ کا حکم) سن لیا ہے اور اسکے دل سے فرمانبردار ہو چکے ہیں۔

مذاہب کی تاریخ پر غور کیا جائے تو ہمیں کوئی بھی دور وجود انبیاء سے خالی دکھائی نہیں دیتا ان انبیاء کا آنا بھی ایک بہت بڑے مقصد کے لئے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ان کی عقل اور سمجھ بوجھ کے مطابق ہی اپنے نبیوں کے ذریعہ اپنا عرفان پہنچایا اور وہ تعلیم جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دینا چاہتا تھا انہیں انبیاء کے ذریعہ ہی تھوڑی تھوڑی کر کے اپنے بندوں کو دی۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی کامل معرفت دینا چاہی تو اس نے کامل واتم اور اکمل نبی کو ایک کامل اور مکمل تعلیم دیکر دنیا میں مبعوث کیا۔ وہ نبی جس پر اکمال دین ہوا اور ایک کامل کتاب جس نبی کو عطا کی گئی وہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفٰے ﷺ ہیں اور وہ کامل کتاب قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم ایک ایسی کامل اور اتم اور اکمل شریعت ہے جس میں قیامت تک پیش آنے والے واقعات اور مسائل کا حل موجود ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ نے اس شریعت پر عمل کر کے ہمیشہ ہمیش کے لئے دنیا والوں کے سامنے ایک لائحہ عمل پیش کر دیا۔

قرآن کریم میں تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے اور کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی ایک نبی کا بھی انکار کرے۔ اسی طرح کسی نبی کے درمیان اس پر ایمان لانے اور اس کی تکریم کرنے کے لحاظ سے تفریق نہیں کی جاسکتی۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ ہے کہ انبیاء کو ان کے مرتبہ اور مقام کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض نبی تشریعی ہیں اور بعض غیر تشریعی۔ بعض آزاد نبی ہیں بعض تابع لیکن ان پر ایمان

لانے اوران کے خدا کی طرف سے آنے اوران کی عزّت وتکریم کرنے کے لحاظ سے کسی میں امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔اسی بات کا ذکر قرآن کریم کی سورت بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۶ میں گزرا ہے۔ جہاں تک ایک دوسرے پر فضیلت کی بات ہےتو اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بیان فرماتا ہے

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۝ (البقرہ آیت ۲۵۴)

یعنی ۔ یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی تھی اوران میں سے بعض ایسے ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اوراس میں سے بعض کے درجات بلند کئے۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انبیاء باوجود اس کے کہ درجات کے لحاظ سے بعض بعض پر فضیلت تو رکھتے ہیں لیکن عزّت وتکریم کے لحاظ سے ناموس کے لحاظ سے سب برابر ہیں۔اور جب بھی ناموس رسالت کی بات آئے گی تو قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق کسی ایک نبی کے ناموس کی بات نہیں آئے گی بلکہ تمام انبیاء کی ناموس کا خیال رکھنا ہوگا یہی قرآن کریم ہمیں حکم دیتا ہےاوریہی قرآن کریم کی کاملیت اور افضلیت کا ثبوت ہے۔

آمد انبیاء اور ناموس رسالت

قرآن کریم اور تاریخ مذاہب پر غور کرنے سے یہ امر صاف دکھائی دیتا ہے کہ جب بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی بنی مبعوث ہوا تو ہمیشہ اس زمانہ کے لوگوں نے اس کی مخالفت کی اور اس نبی کو ہر لحاظ سے نقصان پہچانے اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا اور قرآن کریم اس بات کی گواہی دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ (الزخرف آیت ۸)

یعنی۔ جب کبھی بھی ان کے پاس کوئی نبی آتا ہے وہ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگ جاتے ہیں (اور تمسخر کرنے لگ جاتے ہیں)

نیز فرماتا ہے

يَٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ (یٰس آیت ۳۱)

یعنی۔ ہائے افسوس (انکار کی طرف مائل) بندوں پر جب کبھی بھی ان کے پاس کوئی رسول آتا ہے وہ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگ جاتے ہیں (اور تمسخر کرنے لگتے ہیں)

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جب بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی اور رسول دنیا میں آتے ہیں ان کے ساتھ اس زمانہ کے لوگ ہمیشہ ہی ہنسی ٹھٹھہ اور مذاق کرتے ہیں اور ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو ان انبیاء پر ایمان نہیں لاتے وہ ہمیشہ ہی ان سے ایسا ہی سلوک کرتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے انبیاء کبھی بھی ایسے لوگوں پر تیش میں نہیں آتے اور انہیں برا بھلا نہیں کہتے بلکہ وہ اس کام میں ہمیشہ لگے رہتے ہیں جس کا ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے۔ جن انبیاء کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے ان کے مخالفین

نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا اس کا ذکر انبیاء کے ذکر کے ساتھ ہی ملتا ہے۔لیکن ہر نبی نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے نرمی اور احسان کا ہی سلوک کیا۔ اگر دکھا جائے تو آنحضرت ﷺ سے پہلے کے انبیاء کو اپنی قوم کے لوگوں سے جن جن تکالیف سے گزرنا پڑا وہ تمام قسم کی تکالیف سے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو گزرنا پڑا۔ باوجود ہر قسم کی تکالیف اٹھانے کے آپ ہی نے تمام انبیاء سے بڑھ کر اپنی قوم سے رحمت و شفقت اور احسان کا سلوک فرمایا۔اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْمَغْفِرَةٍ وَّذُوْعِقَابٍ اَلِيْمٍ o (حٰمٓ السجدۃ آیت ۴۴)

یعنی۔ تجھ سے صرف وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو تجھ سے پہلے رسولوں سے کہی گئی تھیں۔تیرا رب بڑی بخشش والا ہے اور اس کا عذاب بھی دردناک ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت سے ایک تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جو جو باتیں آنحضرت ﷺ سے مخالفین کرتے رہتے تھے ایسی ہی باتیں تمام انبیاء کے مخالفین اپنے زمانہ کے نبیوں سے کرتے رہے۔ دوسری بات یہ بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ان مخالفانہ اور تمسخرانہ باتوں کے بالمقابل نبی ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک نہیں کرتے بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتے ہیں کہ چاہے تو وہ انہیں بخش دے اور چاہے تو وہ انہیں دردناک عذاب میں مبتلاء کردے۔اور یہی کام ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ کیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ o (الانبیاء آیت ۴۲)

یعنی۔ اور تجھ سے پہلے جو رسول گزرے ہیں ان سے بھی ہنسی کی گئی تھی، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ جنہوں نے ان رسولوں سے ہنسی کی تھی ان کو اُنہی باتوں نے آ کر گھیر لیا جن کے ذریعہ سے وہ نبیوں کی ہنسی اڑاتے تھے۔

اسی طرح ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ○ (الانعام آیت ۱۱۳)

یعنی۔ اور ہم نے انسانوں اور جنّوں میں سے سرکشوں کو اسی طرح ہر نبی کا دشمن بنا دیا تھا اُن میں سے بعض بعض کو دھوکا دینے کے لئے (ان کے دل میں) بُرے خیال ڈالتے ہیں جو محض ملمع کی بات ہوتی ہے اور اگر تیرا رب چاہتا وہ ایسا نہ کرتے پس تو ان کو بھی اور ان کے جھوٹ کو بھی نظر انداز کر دے۔

ان ہر دو آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس قدر بھی نبی دنیا میں گزرے ہیں ان کے ساتھ ہنسی کرنے اور ان کی رسالت کی توہین کرنے کا سلسلہ ہمیشہ سے ہی چلتا رہا ہے۔ اسی طرح ہر نبی کے دور میں جنّوں اور انسانوں میں نبی کے دشمن بھی پیدا ہوتے رہے ہیں لیکن کسی بھی نبی نے ان کی ہنسی اور دشمنی کا بدلہ ہنسی اور دشمنی کر کے نہیں دیا بلکہ ان کو انجام تک پہنچانے کے لئے اللہ کے آگے ہی چھوڑ دیا کہ وہ خود ہی ان لوگوں سے نپٹ لے اور ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے والوں کو خود ہی پکڑ لیا اور وہ لوگ عبرتناک انجام تک پہنچے۔ خدائی ارشاد کے مطابق ایسا ہی عمل ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے سے مذاق کرنے والوں، توہین کرنے والوں اور دشمنی کرنے والوں سے کیا۔ اور دنیا نے دیکھا کہ ان سب کو اللہ

تعالیٰ نے خود ہی پکڑ لیا۔

قرآن کریم کی تعلیم عدل وانصاف پر مبنی ہے

قرآن کریم کی جملہ تعلیمات عدل اور انصاف پر مبنی ہیں اور اسلام اسی بات پر زور دیتا ہے کہ دنیا میں انصاف قائم کیا جائے اور اگر دنیا میں انصاف قائم ہو جائے تو آج کے دور میں پائے جانے والے تمام قسم کے مذہبی اور سیاسی اختلافات کو دور کیا جا سکتا ہے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی (النّحل آیت۹۱)

یعنی۔ اللہ یقیناً عدل اور احسان کا اور (غیر رشتہ داروں کو بھی) قرابت والے (شخص) کی طرح (جاننے اور اسی طرح مدد) دینے کا حکم دیتا ہے

اسی طرح فرماتا ہے

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (النّسآء آیت۵۹)

یعنی۔ اللہ تمہیں یقیناً (اس بات کا) حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے مستحقوں کے سپرد کرو۔ اور (یہ کہ) جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے فیصلہ کرو۔

قرآن کریم نے اسی بات پر بس نہیں کیا بلکہ ہر چھوٹی اور بڑی بات کی وضاحت فرما دی ہے کہ عدل کیا ہوتا ہے فرمایا۔

وَ کَتَبْنَا عَلَیْھِمْ فِیْھَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِہٖ فَھُوَ کَفَّارَۃٌ لَّہٗ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

(المائدۃ آیت۴۶)

یعنی۔اور ہم نے ان پر فرض کیا تھا کہ جان کے بدلہ میں جان اور آنکھ کی بدلہ میں آنکھ اور ناک کے بدلہ میں ناک اور کان کے بدلہ میں کان اور دانت کے بدلہ میں دانت۔اور نیز (زخموں کے بدلہ میں) زخم برابر کا بدلہ ہیں۔مگر جو شخص (اپنے) اس (حق) کو چھوڑ دے تو (اس کا یہ فعل) اس کے لئے گناہ کی معافی کا ذریعہ ہو جائے گا اور جو (لوگ) اس (کلام) کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی (حقیقی) ظالم ہیں۔

قرآن کریم کی یہ وہ آیت ہے جو کسی سے بدلہ لینے میں بھی انصاف سے کام لینے کا حکم دیتی ہے۔اسلام دنیا میں انصاف قائم کرنے ہی آیا ہے۔آگے چل کر توہین رسالت کے تعلق سے جو بیان ہوگا وہ اسی انصاف والی آیت کو مدنظر رکھ کر ہی بیان کیا جائے گا کیونکہ یہ بنیاد ہے۔پھر اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ جو محسن انسانیت ہو اور جسے اس دنیا میں بھیجا ہی انصاف قائم کرنے کے لئے ہو اس کی طرف کسی بھی قسم کی ناانصافی کا اشارہ بھی کیا جا سکے۔اس سلسلہ میں اس بات کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ قرآن کریم نازل ہو رہا تھا جن جن امور کے متعلق قرآن کریم میں احکامات نازل ہو چکے ہوتے آپ فیصلہ کرتے وقت ہمیشہ انہی احکامات کے مطابق فیصلہ فرمایا کرتے اور اگر کوئی ایسا امر پیش آتا جس کے بارے میں قرآن کریم میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا ہوتا تھا تو آپ سابقہ شریعت کے مطابق فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔انصاف سے فیصلہ کرنے کی بات اس جگہ پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِصَاصُ فِى الۡقَتۡلٰى ؕ اَلۡحُرُّ بِالۡحُـرِّ وَالۡعَبۡدُ بِالۡعَبۡدِ وَالۡاُنۡثٰى بِالۡاُنۡثٰى ؕ فَمَنۡ عُفِىَ لَهٗ مِنۡ اَخِيۡهِ شَىۡءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَاَدَآءٌ اِلَيۡهِ بِاِحۡسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخۡفِيۡفٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَرَحۡمَةٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰى

بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ o (البقرہ آیت ۱۷۹)

یعنی ۔اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر مقتولوں کے بارے میں برابر کا بدلہ لینا فرض کیا گیا ہے اگر (قاتل) آزاد (مرد) ہو تو اس آزاد (قاتل) سے اور اگر (قاتل) غلام ہو تو اس غلام (قاتل) سے اور اگر (قاتل) عورت ہو تو اسی عورت (قاتل) سے ۔مگر جس (قاتل) کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ (تاوان لیکر) معاف کر دیا جائے تو (مقتولوں کا وارث بقیہ تاوان کو صرف) مناسب طور پر وصول کر سکتا ہے ۔اور (قاتل پر) عمدگی کے ساتھ (بقیہ تاوان) اس کو ادا کرنا (واجب) ہے یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے ۔پھر جو شخص اس (حکم) کے بعد بھی زیادتی کرے اس کے لئے دردناک عذاب (مقدر) ہے ۔

قرآن کریم کے یہ وہ ارشادات اور احکامات ہیں جن پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے ۔اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کرو۔ بلکہ یہی حکم دیتا ہے کہ جس قدر دوسرے نے زیادتی کی ہے اسی قدر ہی تم اس سے بدلہ لے سکتے ہو اور زیادتی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (البقرہ آیت ۱۹۱۔المائدہ آیت ۸۸)

یعنی ۔اور (مقررہ) حدود سے آگے نہ نکلو ۔اللہ (مقررہ) حدود سے آگے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔

پس اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حدیں مقرر فرمادی ہیں ان سے آگے نکلنا خدا تعالیٰ کی ناراضگی کو مول لینے والی بات ہے ۔ایک آدمی قلم سے کام لیتا ہے تو دوسرے کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس کے مقابلہ کے لئے تلوار اٹھالے ایک آدمی زبان سے کام لیتا ہے تو دوسرے کا یہ کام نہیں

کہ اس کے مقابلہ پر بندوق تان لے۔قرآنی تعلیم یہ کہتی ہے کہ اگر کوئی کسی پر زیادتی کر بیٹھا ہے تو اوّل تو وہ اسے معاف کردے اور اگر معاف نہیں کرتا تو اسے اسی قدر بدلہ لینے کا حق ہے جس قدر اس نے زیادتی کی ہے۔

اس وقت دنیا میں جس قدر بھی فساد برپا ہے اس کا اصل سبب ہی یہ ہے کہ دنیا سے انصاف اٹھ چکا ہے اور اسلام اسی انصاف کو قائم کرنے آیا ہے اگر آج ہر جگہ انصاف قائم ہو جائے اور لوگوں کے حقوق حق اور انصاف کے ساتھ ادا کئے جائیں تو یہ فتنہ وفساد کی فضاء امن میں تبدیل ہو سکتی ہے اور یہی اسلام اور قرآن کا حکم ہے۔

ایک بات عام طور پر یہ بھی دیکھی جاتی ہے کہ جب اپنی بات آتی ہے تو انصاف کے تقاضے پورے کرنے پر زور دیا جاتا ہے لیکن جب دوسروں کی یا کمزوروں کی باری آتی ہے تو اپنی مرضی سے فیصلے کئے جاتے ہیں اور اسی کا نام انصاف رکھ لیا جاتا ہے یہ اسلام کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر مخالف قوم کے درمیان بھی اور دشمنوں کے درمیان بھی تمہیں انصاف کرنا ہو تو تمہاری دشمنی بھی انصاف کے آڑے نہیں آنی چاہئے اسی بات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ۚ ٱعْدِلُوا۟ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ (المائدہ آیت۹)

یعنی۔اے ایماندارو! تم انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے اللہ کے لئے استادہ ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر امادہ نہ کردے کہ تم انصاف نہ کرو۔تم انصاف کرو وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے

یقیناً آ گاہ ہے۔

انصاف کو قائم کرنے اور کسی کو انصاف دینے کے لحاظ سے اس سے صاف اور سیدھی بات کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ فرمایا انصاف کرو اور سب کے ساتھ انصاف کرو کسی قوم کی دشمنی بھی تم کو نا انصافی کرنے پر آمادہ نہ کرے۔ تو جہاں بھی انصاف کرنے کی بات آئے گی تو قرآن کریم کے اسی اصول کو مدنظر رکھا جائے گا اور رکھنا چاہئے۔ جہاں تک کسی کو سزا دینے کسی سے بدلہ لینے کی بات ہو گی تو وہاں قرآن کریم ہی کی تعلیم کو مدنظر رکھا جائے گا یہ نہیں ہو گا کہ اپنوں کی باری میں تو قرآن پیش کیا جائے اور جب دوسرے کی باری ہو تو اپنی مرضی کی تشریحات کر کے اپنی مرضی کے فیصلے کر دئے جائیں چاہے اس کی قرآن اجازت دیتا ہو یا نہ دیتا ہو یہ انصاف کے خلاف ہے اور اسلام اسی سے منع کرتا ہے۔

اختلافات بین المذاہب

جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے اللہ تعالیٰ سے بنی نوع انسان کی ھدایت کے لئے ہر زمانہ میں انبیاء کو مبعوث کیا۔اور جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی اللہ کا پیغام لیکر آیا تو ہمیشہ ہی اس کی مخالفت کی گئی اور کچھ لوگوں کے ایمان لے آنے اور کچھ کے انکار کرنے کے باعث اختلافات کا سلسلہ شروع ہوتا رہا۔اگر غور کیا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کے دور تک بھی اور آپ کے زمانہ کے بعد سے آج تک بھی یہ سلسلہ اختلافات دکھائی دیتا ہے۔اور یہ اختلافات کا سلسلہ بین المذاہب بھی موجود ہے اور اندرون المذہب بھی دکھائی دیتا ہے۔

قرآن کریم میں دیکھ لیں حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ ہی شیطان کا ذکر ملتا ہے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کو دیکھ لیں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، الغرض کسی ایک نبی کا زمانہ بھی دیکھیں ہر ایک کے دور میں اختلافات اور مخالفت کا سلسلہ دکھائی دیتا ہے۔اور پھر اختلاف بھی معمولی نہیں بلکہ ہمیشہ ہی ایمان لانے والوں پر انکار کرنے والے ظلم کا بازار گرم کرتے چلے آئے ہیں۔جب بھی کسی قوم میں کوئی نبی آیا تو اس پر ایمان لانے والوں کو پہلے دین پر قائم لوگوں نے انہیں بے دین اور مرتد ہی کا خطاب دیا۔اور آنے والے نبی کی ہمیشہ توہین کی اور اس کی ہجو کرنے پر کمر بستہ رہے۔کسی نے آنے والے نبی کا نام جادوگر ڈال دیا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ (الاعراف آیت ۱۱۰)

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہہ کر ان کی توہین کی گئی۔اسی طرح ایک جگہ پہلی قوموں کا

ذکر کیااور فرمایا۔

وَ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝
(صٓ آیت ۵)

یعنی ۔اور وہ تعجب کرتے ہیں کہ ان کے پاس انہی کی قوم میں سے ہوشیار کرنے والا آ گیا۔اور کافر کہتے ہیں کہ یہ تو ایک فریبی (اور) جھوٹا ہے۔اس جگہ پر بھی دیکھ لیں کہ نبی کو فریب اور جھوٹا کہہ کر اس کی توہین کی گئی۔

ایک جگہ فرمایا۔

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (یونس آیت ۳)

اس آیت میں کافروں نے اللہ کے نبی کو کھلا کھلا دھوکہ باز کہہ کر اس کی توہین کی ہے۔

اسی پر بس نہیں کیا گیا ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ (البقرہ آیت ۸۸)

یعنی۔(ہر زمانہ کے لوگوں سے خطاب ہے کہ) جب بھی کبھی تمہارے پاس رسول آیا اسے تمہارے نفس پسند نہیں کرتے تھے تم نے تکبر کیا پس بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کے قتل کے درپے تھے۔

لازمی بات ہے کہ جب ایک انسان کسی کو پسند نہیں کرتا تو ہمیشہ اس کے لئے اپنے دل میں بغض اور کینہ رکھتا ہے اور اسے برا خیال کرتا ہے اور تکبر کے نتیجہ میں انبیاء سے ایسی ایسی باتیں کرتا ہے جو انہیں لوگوں کی نظروں سے گرا دے۔اسے جھٹلانے کے ساتھ ساتھ اسے قتل کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔یہ وہ تمام باتیں ہیں جو ایک نبی کی توہین کا باعث بنتی ہیں۔دیکھا

جائے جیسا سلوک باقی نبیوں کے ساتھ ہوتا رہا اسی طرح کا سلوک مخالفوں نے ہمارے پیارے رسول کے ساتھ بھی اختیار کیا اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَاِنۡ یُّکَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ ۔ (فاطر آیت ۲۶)

یعنی۔ اور اگر یہ جھٹلاتے ہیں تو اُن لوگوں نے بھی جو اُن سے پہلے گزرے تھے (اپنے وقت کے رسولوں کو) جھٹلایا تھا۔

اسی طرح ایک اور جگہ فرماتا ہے

وَاِذۡ یَمۡکُرُ بِكَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِیُثۡبِتُوۡكَ اَوۡ یَقۡتُلُوۡكَ اَوۡ یُخۡرِجُوۡكَ وَ یَمۡکُرُوۡنَ وَیَمۡکُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ ۝ (الانفال آیت ۳۱)

یعنی۔ اور (اے رسول اس وقت کو یاد کر) جب کہ کفار تیرے متعلق تدبیر کررہے تھے تا کہ تجھے (ایک جگہ) محصور کردیں یا تجھ کو قتل کردیں یا تجھ کو نکال دیں اور وہ بھی تدبیر کررہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کررہا تھا اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

الغرض جس نبی کے دور کو بھی دیکھیں ہمیں وہاں انبیاء اور ان کے ماننے والوں کے خلاف پہلے نبی کے ماننے والوں نے ہمیشہ ہی ریشہ دوانیاں کی ہیں۔ یہ ہوتا اس وجہ سے تھا کہ وہ لوگ آنے والے نبی کو جھوٹا خیال کرتے تھے اور اس پر ایمان لانے والوں کو اپنے دین سے ہٹے ہوئے اور مرتد خیال کرتے تھے۔ بالکل اسی طرح بین المذہب بھی اختلافات دکھائی دیتے ہیں۔ ایک ہی نبی کے ماننے والے ایک ہی کتاب کے پیروکار ہیں لیکن بعض ذیلی امور میں اختلافات کے باعث ایک دوسرے کے شدید دشمن ہیں اور ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو دین سے برگشتہ خیال کرتا ہے۔ اور بالکل اسی طرح کے فتوے جاری کرتا ہے جیسے پہلی قوموں کے ماننے

والے کرتے آئے ہیں۔ جب بھی کسی نے آنے والے نبی کو مانا تو اس کے مخالفوں نے یہی اعلان کیا کہ۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِرُسُلِہِمۡ لَنُخۡرِجَنَّکُمۡ مِّنۡ اَرۡضِنَاۤ اَوۡ لَتَعُوۡدُنَّ فِیۡ مِلَّتِنَا ۔(ابراھیم آیت ۱۴)

یعنی۔اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا انہوں نے اپنے پیغمبروں سے کہا ہم تمہیں ضرور اپنے ملک سے نکال دیں گے یا تم (مجبور ہو کر) ہمارے دین میں واپس آجاؤ گے۔یہی مضمون سورۃ الاعراف آیت نمبر ۸۹ میں بھی بیان ہوا ہے۔

قرآن کریم کا مطالعہ کرنے پر ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ نبی کے منکرین ہی کی طرف سے ایسی باتیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ پورے قرآن کا مطالعہ کر لیں ایسی بات کسی جگہ بھی نبی کی طرف منسوب ہوئی دکھائی نہیں دیگی بلکہ اس کے مقابل نبی کی تعلیم محبت پیار صبر و تحمّل سے پر تعلیم دکھائی دے گی اور یہی ایک نبی کی تعلیم کا خاصہ ہوتا ہے۔

غور کیا جائے تو مذاہب کے درمیان اور پھر ایک ہی مذہب میں پائے جانے والے فرقوں کے درمیان یہ بات صاف دکھائی دیتی ہے کہ ہمیشہ ہی ہر نبی کی آمد پر دو نظریات ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ ایک یہ کہ نبی پر ایمان لانے والے اپنے آپ کو مومن خیال کرتے ہیں کیونکہ وہ ایمان لا چکے ہوتے ہیں۔ اور جن مذاہب سے نکل کر لوگ آنے والے نبی پر ایمان لاتے ہیں ان مذاہب پر قائم لوگ ان کو مرتد خیال کرتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے دین سے پلٹ گئے ہیں۔ اسی طرح یہ نظریہ بھی ابھر کر سامنے آجاتا ہے کہ ایمان لانے والے آنے والے نبی کو مان کر اس کی عزّت و تکریم کرتے ہیں لیکن انکار کرنے والے ہمیشہ ہی آنے والے انبیاء کی توہین کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اور توہین رسالت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ توہین رسالت اور ارتداد یہ دونوں

الگ الگ باتیں ہیں ان دونوں نظریات کی جب وضاحت کی جائے گی تو ساری بات کھل جائے گی اور کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے گا جسے ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

دورِ حاضر میں مخالفین انبیاء اوران کی بدگوئیاں

جیسا کہ اس مضمون کے شروع ہی میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ھدایت کے لئے انبیاء کے سلسلہ کو شروع کیا اور یہ سلسلہ ہر قوم ہر ملک اور ہر زمانہ میں جاری رہا۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی مبعوث ہوا کسی نے اس کو مانا اور کسی نے اس کا انکار کیا ایمان لانے والے ہمیشہ ہی اُس نبی اور سابقہ نبیوں کی عزت اور احترام کرتے چلے آئے کیونکہ وہ انہیں بھی سچا مانتے تھے اور اس نئے آنے والے نبی کو بھی سابقہ انبیاء کی پیشگوئیوں پر پورا اترتے ہوئے اور سچا مان کر قبول کرلیا۔ لیکن وہ لوگ جو نبی کا انکار کرتے ہیں تو عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ انکار کے ساتھ ساتھ وہ لوگ اس نبی سے ہنسی ٹھٹھا اور مذاق بھی کرتے ہیں اس کے لئے توہین آمیز الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں اور اس پر الزام تراشیاں بھی کرتے ہیں ان تمام باتوں سے مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ایسی باتوں کے ذریعہ اس نبی اور اس کے ماننے والوں کو ایذاء پہنچائی جائے اور دکھ دیا جائے ان کے غیض و غضب کو بھڑکایا جائے تا کہ اس کے ذریعہ وہ اپنے مقاصد حاصل کرسکیں اور لوگوں کو اس نبی پر ایمان لانے سے روک سکیں۔ اس سلسلہ میں مخالفین انبیاء نے کیسے کیسے حربے استعمال کئے ان کا کچھ ذکر میں شروع میں ہی کر آیا ہوں جس سے مخالفین کی شرارتوں کا بخوبی علم ہوسکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے بعثت ایسے زمانہ میں ہوئی جب دنیا ایک گھر کی حیثیت اختیار کرچکی تھی آپ کی بعثت کے ساتھ ہی دین کی بھی تکمیل ہوئی اور وہ تعلیم جسے اللہ تعالیٰ انسان کو دینا چاہتا تھا وہ بھی قرآن کریم کی صورت میں پائے تکمیل کو پہنچی۔ اسی بات کا ذکر قرآن کریم میں اس صورت میں ہوا کہ

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ

اَلۡاِسۡلَامَ دِیۡناً (المائدۃ آیت ۴)

یعنی۔آج میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنے احسان کو پورا کر دیا ہے۔اور تمہارے لئے دین کے طور پر اسلام کو پسند کیا ہے۔

تکمیل دین کی بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ھدایت کے لئے قیامت تک جن جن احکامات کی ضرورت تھی وہ سب کے سب قرآن کریم میں بیان کر دئے ہیں اسی لئے ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہر مسئلہ کا حل موجود ہے اور قیامت تک کے لئے ہمارا راہنما ہے۔

آنحضرت ﷺ کے مبارک دور میں اسلام نے بہت ترقی کی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلام ساری دنیا میں پھیل گیا۔اس کے ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے یہ بھی پیشگوئی فرمائی تھی کہ ایک دور اسلام پر ایسا بھی آنے والا ہے کہ اسلام بہت کمزور ہو جائے گا اور مسلمان قرآن پر عمل چھوڑ دیں گے۔سو آنحضرت ﷺ کی اس پیشگوئی کے مطابق ایسا ہی وقوع میں آیا۔جہاں ایک طرف دنیا نے بے شمار ترقی کی اس کے ساتھ ہی اسلام کی کمزوری کی حالت کو دیکھتے ہوتے دیگر ادیان والوں نے اسلام پر چوطرفہ حملے شروع کر دئے۔اسلام اور بانی اسلام پر ایسے ایسے بیہودہ الزامات لگائے کہ جن کا اسلام اور بانی اسلام کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔اگر ایک طرف سے اسلام پر عیسائی حملہ آور تھے تو دوسری طرف آریہ سماج اور برہموں سماج بھی ان سے پیچھے نہ تھا اگر ایک طرف سوامی دیانند نے قرآن اور بانی اسلام کو اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں نشانہ بنایا تھا تو دوسری طرف پنڈت لیکھرام نے بھی اسی قسم کا بیڑا اٹھا رکھا تھا ایک طرف سے فتح مسیح زہر افشانی کر رہا تھا تو دوسری طرف پادری عمادالدین اور پادری سراج الدین اسلام اور آنحضرت ﷺ پر نہایت درجہ غلط انداز میں حملے کر رہے

تھے۔ یہ دور ایسا تھا کہ اس میں ایک دوسرے کے خلاف ایک دوڑ لگی ہوئی تھی اس کے نتیجہ میں جہاں قلم اور زبان کی جنگ جاری تھی اس کے ساتھ ہی مذہبی جنون رکھنے والے بعض لوگوں نے فتنہ وفساد برپا کرتے ہوئے ایک دوسرے پر حملے بھی شروع کر دئے تھے حکومت کے لئے اس کے بنا اور کوئی چارہ نہ رہا تھا کہ وہ ان مذہبی جنون رکھنے والوں کے خلاف کوئی قانون بنائے جس سے ایسے خون ریز حملہ کرنے والوں کو قانون کے دائرہ میں لا کر انہیں ایسا کرنے سے روکا جاسکے چنانچہ جب ہندوستان میں حکومتی نظام کو بہتر رنگ میں چلانے کے لئے ۱۸۶۰ء میں قانون بنائے گئے تو اس مذہبی جنون کو دبانے اور مذہب کے نام پر ایک دوسرے پر حملہ کرنے والوں کے خلاف بھی قانون میں ایک دفعہ شامل کی گئی۔ انڈین پینل کوڈ میں دفعہ ۲۹۵ '۲۹۶ اور ۲۹۸ ایک دوسرے کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی سے روکنے کے لئے تھیں۔ ان دفعات میں جن باتوں کو شامل کیا گیا تھا وہ ایک دوسرے کی عبادت گاہوں میں اور ان کے مذہبی پروگراموں میں بے جا دخل اندازی کو سزا اور جرمانہ کے طور پر کھا گیا تھا۔ لیکن دیگر مذاہب والے آنحضرت ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات پر جس طرح کے حملے کر کے مسلمانوں کی دل آزاری کرر ہے تھے ان سے مخالفین کو باز رکھنے کے لئے کوئی شق قانون میں شامل نہ کی گئی تھی۔ بالکل یہی حال دیگر مذاہب کا بھی تھا اگر چہ کچھ کم۔ ایک دوسرے کے مذاہب پر یہ حملے ایسے تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے اور یہ ضرورت دکھائی دیتی تھی کہ اس قسم کے اوچھے حملوں سے لوگوں کو باز رکھنے کے لئے کچھ ایسے اصول مرتب کئے جائیں جس سے انبیاء کی عصمت کو تحفظ مل سکے اور لوگوں کو ایسے انگیخت کرنے والے خیالات سے روکا جاسکے جس کے نتیجہ میں آئے دن فرقہ وارانہ فسادات کی بنیاد پڑتی ہے۔

موجودہ دور میں جسے امن قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مبعوث کیا ان مذہبی نزاعوں

سے لوگوں کو باز رکھنے کی خاطر حکومت وقت کو توجہ دلائی۔ اور توہین انبیاء سے روکنے اور عصمت انبیاء کو قائم کرنے کے لئے اسلام کی تاریخ میں جبکہ اسلام نہایت درجہ کمزوری کی حالت میں پہنچ چکا تھا یہ پہلی آواز تھی جو امن کے شہزادے کی طرف سے بلند ہوئی آنحضرت ﷺ اور آپ کی ازواجِ مطہرات پر حملہ کرنے والوں کے سامنے جس میں عیسائی اور آریہ پیش پیش تھے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے مباحثات اور مناظرات کے لئے کچھ اصول بیان کئے اور جہاں ان قوموں کو توجہ دلائی وہاں حکومت وقت کو بھی ان اصولوں پر عمل درآمد کروانے کے لئے توجہ دلاتے ہوئے ایک نوٹس جاری فرمایا جو حسب ذیل ہے۔

"نوٹس

بنام آریہ صاحبان و دیگر صاحبان مذاہب مخالفہ

ان مسلمانوں کی طرف سے جن کے نام نیچے درج ہیں و نیز ایک التماس گورنمنٹ عالیہ کی توجہ کے لائق

اے صاحبان مندرجہ عنوان نہایت ادب اور تہذیب سے آپ صاحبوں کی خدمت میں عرض ہے کہ ہم سب فرقے مسلمان اور ہندو اور عیسائی وغیرہ ایک ہی سرکار کے جو سرکار انگریزی ہے، رعایا ہیں لہذا ہم سب لوگوں کا فرض ہے کہ ایسے امور سے دستکش رہیں جن سے وقتاً فوقتاً ہمارے حکام کو دقتیں پیش آویں یا بیہودہ نزاعیں باہمی ہو کر کثرت سے مقدمات دائر ہوتے رہیں اور نیز جب کہ ہمسائیگی اور قرب و جوار کے حقوق درمیان ہیں۔ تو یہ بھی مناسب نہیں کہ مذہبی مباحثات میں ناحق ایک فریق دوسرے فریق پر بے اصل افتراء کر کے اس کا دل

دکھاوے اور ایسی کتابوں کے حوالے پیش کرے جو اس فریق کے نزدیک مسلّم نہیں ہیں۔ یا ایسے اعتراض کرے جو خود اپنے دین کی تعلیم پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ چونکہ اب تک مناظرات و مباحثات کے لئے کوئی ایسا قاعدہ باہم قرار یافتہ نہیں تھا جس کی پابندی یاوہ گو لوگوں کو ان کی فضول گوئی سے روکتی لہذا پادریوں میں سے ایک پادری عمادالدین و پادری ٹھاکرداس و پادری فنڈل صاحب وغیرہ صاحبان اور آریہ صاحبوں میں سے منشی کنہیہ لال الکھ دھاری اور منشی اندر من مرادآبادی اور لیکھرام پیشاوری نے اپنا یہی اصول مقرر کرلیا کہ ناحق کے افتراؤں اور بے جا روایتوں اور بے بنیاد قصوں کو واجبی اعتراضات کی مدافعت میں پیش کیا۔ مگر اصل قصور تو اس میں پادری صاحبان کا ہے۔ کیونکہ ہندوؤں نے اپنے ذاتی تعصب اور کینہ کی وجہ سے جوش تو بہت دکھایا مگر براہ راست اسلام کی کتابوں کو وہ دیکھ نہ سکے۔ وجہ یہ کہ بباعث جہالت اور کم استعدادی دیکھنے کا مادہ نہیں تھا۔ سو انہوں نے اپنی کتابوں میں پادریوں کے اقوال کا نقل کر دینا غنیمت سمجھا۔ غرض ان تمام لوگوں نے بے قیدی اور آزادی کی گنجائش پاکر افتراؤں کو انتہاء تک پہنچا دیا۔ اور ناحق بیوجہ اہل اسلام کا دل دکھایا اور بہتوں نے اپنی بدذاتی اور مادری بد گوہری سے ہمارے نبی ﷺ پر بہتان لگائے یہاں تک کہ کمال خباثت اور اس پلیدی سے جو ان کے اصل میں تھی اس سید المعصومین پر سراسر دروغ گوئی کی راہ سے زنا کی تہمت لگائی۔ اگر غیرت مند مسلمانوں کو اپنی محسن گورنمنٹ کا پاس نہ ہوتا تو ایسے شریروں کو جن کے افتراء میں یہاں تک نوبت پہنچی وہ جواب دیتے جو ان کی بداصلی کے مناسب حال ہوتا۔ مگر شریف انسانوں کو گورنمنٹ کی پاسداریاں ہر وقت روکتی ہیں۔ اور وہ طمانچہ جو ایک گال کے بعد دوسرے گال پر عیسائیوں کو کھانا چاہئے تھا ہم لوگ گورنمنٹ کی اطاعت میں محو ہو کر پادریوں اور ان کے ہاتھ کے اکسائے ہوئے آریوں سے کھا رہے ہیں۔ یہ سب بردباریاں ہم

اپنی محسن گورنمنٹ کے لحاظ سے کرتے ہیں اور کریں گے۔ کیونکہ ان احسانات کا ہم پر شکر کرنا واجب ہے جو سکھوں کے زوال کے بعد ہی خدا تعالیٰ کے فضل نے اس مہربان گورنمنٹ کے ہاتھ سے ہمیں نصیب کئے۔ اور نہایت بدذاتی ہوگی اگر ایک لحظہ کے لئے بھی کوئی ہم میں سے ان نعمتوں کو فراموش کردے جو اس گورنمنٹ کے ذریعہ سے مسلمانوں کو ملی ہیں۔ بلاشبہ ہمارا جان و مال گورنمنٹ انگریزی کی خیرخواہی میں فدا ہے اور ہوگا۔ اور ہم غائبانہ اس کے اقبال کے لئے دعا گو ہیں۔ اور اگرچہ گورنمنٹ کی عنایات سے ہر ایک کو اشاعت مذہب کے لئے آزادی ملی ہے۔ لیکن اگر سوچ کر دیکھا جائے تو اس آزادی کا پورا پورا فائدہ محض مسلمان اٹھا سکتے ہیں۔ اور اگر عمداً آپ نہ اٹھاویں تو ان کی بدقسمتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ گورنمنٹ کی اپنی عام مہربانیوں کی وجہ سے مذہبی آزادی کا ہر ایک قوم کو عام فائدہ دیا ہے اور کسی کو اپنے اصولوں کی اشاعت سے نہیں روکا۔ لیکن جن مذاہب میں سچائی کی قوت اور طاقت نہیں اور ان کے اصول صرف انسانی بناوٹ ہیں اور ایسے قابل مضحکہ ہیں جو ایک محقق کو ان کی بیہودہ کتھا اور کہانیاں سن کر بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ کیونکر ان مذاہب کے واعظ اپنی ایسی باتوں کو وعظ کے وقت دلوں میں جما سکتے ہیں اور کیونکر ایک پادری مسیح کو خدا کہتے ہوئے ایک دانشمند شخص کو اس حقیقی خدا پر ایمان رکھنے سے برگشتہ کرسکتا ہے جس کی ذات مرنے اور مصیبتوں کے اٹھانے اور دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہونے اور پھر مصلوب ہوجانے سے پاک ہے اور جس کا جلالی نام قانون قدرت کے ہر یک صفحہ میں چمکتا ہوا نظر آتا ہے ہم نے خود محض منصف مزاج عیسائیوں سے خلوت میں سنا ہے کہ جب ہم مسیح کی خدائی کا بازاروں میں وعظ کرتے ہیں تو بعض وقت مسیح کے عجز اور اضطراب کی سوانح پیش نظر آجانے سے بات کرتے کرتے ایسا انفعال دل کو پکڑتا ہے کہ بس ہم ندامت میں غرق ہی ہوجاتے ہیں۔ غرض انسان کو خدا بنانے والا کیا وعظ کرے گا

اور کیونکر اس عاجز انسان میں اس قادر خدا کی عظمت کا نمونہ دکھائے گا جس کے حکم سے ایک ذرہ بھی زمین و آسمان سے باہر نہیں اور جس کا جلال دکھانے کے لئے سورج چمکتا اور زمین طرح طرح کے پھول نکالتی ہے۔ ایسا ہی ایک آریہ کیا وعظ کرے گا۔ کیا وہ دانش مندوں کے سامنے یہ کہہ سکتا ہے کہ تمام روحیں اور اس کی قوتیں اور طاقتیں اپنے وجود کی آپ ہی خدا ہیں اور کسی کے سہارے سے ان کا وجود اور بقاء نہیں اور یا یہ کہہ سکتا ہے کہ ویدکی یہ تعلیم عمدہ ہے کہ خاوند والی عورتیں اولاد کی غرض سے دوسروں سے ہم بستر ہو جایا کریں۔ ابھی ہمیں تجربہ ہوا ہے کہ جب ہماری بعض جماعت کے لوگوں نے کسی آریہ یا پنڈت سے نیوگ کی حقیقت بازار میں پوچھی جہاں بہت سے آدمی موجود تھے تو وہ آریہ یا پنڈت شرمندہ ہوا۔ اور چپکے سے کہا آپ اندر چل کر مجھ سے یہ گفتگو کریں۔ بازار میں لوگ سن کر ہنسی کرتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جن لوگوں کا اپنا ہی یہ حال ہے کہ ایسے عقائد اور اعمال کی نسبت اپنا ہی کانشنس اُن کا اُن کے عقیدہ کو دھکے دیتا ہے اور قبول نہیں کرتا تو پھر وہ غیروں کو کیا وعظ کریں گے۔ اس لئے مسلمانوں کو نہایت ہی گورنمنٹ کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ گورنمنٹ کے اس قانون کا وہی اکیلے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ بیچارے پادری صدہا روپیہ خرچ کر کے ایک ہندو کو قابو میں لاتے ہیں اور وہ آخر بعد آزمائش مسلمانوں کی طرف آجاتا ہے اور یا صرف پیٹ کا بندہ ہو کر محض دنیاوی لالچ سے انہی میں گزارہ کرتا ہے۔ لیکن ہمیں اپنے دلآزار ہمسائیوں مخالفوں سے ایک اور شکایت ہے۔ اگر ہم اس شکایت کے رفع کے لئے اپنی محسن اور مہربان گورنمنٹ کو اس طرف توجہ نہ دلاویں تو کس کو دلاویں اور وہ یہ ہے کہ ہمارے مذہبی مخالف صرف بے اصل روایات اور بے بنیاد قصّوں پر بھروسہ کر کے جو ہماری کتب مسلمہ اور مقبولہ کی رو سے ہرگز ثابت نہیں ہیں بلکہ مخالفوں کی مفتریات ہیں ہمارا دل دکھاتے ہیں۔ اور ایسی باتوں سے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک

کرتے ہیں اور گالیوں تک نوبت پہنچاتے ہیں جن کا ہماری معتبر کتابوں میں نام و نشان نہیں۔ اس سے زیادہ ہمارے دل دکھانے کا اور کیا موجب ہوگا کہ چند بے بنیاد افتراؤں کو پیش کر کے ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ پر زنا اور بدکاری کا الزام لگانا چاہتے ہیں جس کو ہم اپنی پوری تحقیق کی رو سے سید المعصومین اور ان تمام پاکوں کا سردار سمجھتے ہیں جو عورت کے پیٹ سے نکلے اور ان کو خاتم الانبیاء جانتے ہیں کیونکہ ان پر **تمام نبوتیں** اور تمام پاکیزگیاں اور تمام **کمالات ختم** ہو گئے۔ اس صورت میں صرف یہی ظلم نہیں کہ ناحق اور بے وجہ ہمارا دل دکھایا جاتا ہے اور اس **انصاف پسند گورنمنٹ کے ملک میں ہمارے پیغمبر** ﷺ کو گالیاں دی جاتی ہیں اور بڑے بُرے پیرایوں میں ہمارے اس **مقدس مذہب** کی توہین کی جاتی ہے۔ بلکہ یہ ظلم بھی ہوتا ہے کہ ایک حق اور راست امر کو محض یاوہ گوئی کے ذخیرہ سے مشتبہ اور کمزور کرنے کے لئے کوشش کی جاتی ہے۔ اگر گورنمنٹ کے بعض اعلیٰ درجہ کے حکام دو تین روز اس بات پر بھی خرچ کریں کہ ہم میں سے کسی منتخب کے روبرو ایسے بے جا الزامات کی وجہ ثبوت ہمارے مذکورہ بالا منکروں سے دریافت فرماویں تو زیرک طبع حکاّم کو فی الفور معلوم ہو جائے گا کہ کس قدر یہ لوگ بے ثبوت بہتانوں سے سرکار انگریزی کی وفادار رعایا اہل اسلام پر ظلم کر رہے ہیں۔

ہم نہایت ادب سے **گورنمنٹ عالیہ کی جناب میں یہ عاجزانہ** التماس کرتے ہیں کہ ہماری محسن گورنمنٹ ان احسانوں کو یاد کر کے جو اب تک ہم پر کئے ہیں ایک یہ بھی ہماری جانوں اور آبروؤں اور ہمارے ٹوٹے ہوئے دلوں پر احسان کرے کہ اس مضمون کا ایک

قانون پاس کر دیوے یا کوئی سرکلر جاری کرے کہ آئیندہ جو مناظرات اور مجادلات اور مباحثات مذہبی امور میں ہوں ان کی نسبت ہر یک قوم مسلمانوں اور عیسائیوں اور آریہ وغیرہ میں سے دو امر کے ضرور پابند ہوں۔

(۱) اوّل یہ کہ ایسا اعتراض جو خود معترض کی ہی الہامی کتاب یا کتابوں پر جن کے الہامی ہونے پر وہ ایمان رکھتا ہے‘ وارد ہوسکتا ہو۔ یعنی وہ امر جو بناء اعتراض کی ہے اور کتابوں میں بھی پایا جاتا ہو جن پر معترض کا ایمان ہے۔ ایسے اعتراض سے چاہئے کہ ہر یک ایسا معترض پرہیز کرے۔

(۲) دوم اگر بعض کتابوں کے نام بذریعہ چھپے ہوئے اشتہار کے کسی فریق کی طرف سے اس غرض سے شائع ہو گئے ہوں کہ درحقیقت وہی کتابیں اُن کی مسلّم اور مقبول ہیں تو چاہئے کہ کوئی معترض ان کتابوں سے باہر نہ جائے۔ اور ہر ایک اعتراض جو اس مذہب پر کرنا ہو انہیں کی کتابوں کے حوالے سے کرے اور ہرگز کسی ایسی کتاب کا نام نہ لیوے جس کے مسلّم اور مقبول ہونے کے بارے میں اشتہار میں ذکر نہیں۔ اور اگر اس قانون کی خلاف ورزی کرے تو بلا تامّل اس سزا کا مستوجب ہو جو دفعہ ۲۹۸ تعزیرات ہند میں مندرج ہے۔ **یہ التماس ہے جس کا پاس ہونا** ہم بذریعہ کسی ایکٹ یا سرکلر کے گورنمنٹ عالیہ سے چاہتے ہیں۔ اور ہماری زیرک گورنمنٹ اس بات کو سمجھتی ہے کہ اس قانون کے پاس کرنے میں کسی خاص قوم کی رعایت نہیں بلکہ ہر قوم پر اس کا اثر مساوی ہے۔ اور اس قانون کے پاس کرنے میں بے شمار برکتیں ہیں جن سے عام خلائق کے لئے امن اور عافیت کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور صدہا بیہودہ نزاعوں اور جھگڑوں کی صف لپٹتی جاتی ہے اور آخیر نتیجہ صلحکاری اور ان شرارتوں کا دور ہونا ہے

جو فتنوں اور بغاوتوں کی جڑ ہوتے ہیں۔ اور دن بدن مفاسد کو ترقی دیتے ہیں۔ اور ہماری قلم جو ہر یک وقت اس گورنمنٹ عالیہ کی مدح وثناء میں چل رہی ہے اس قانون کے پاس ہونے سے اپنی گورنمنٹ کو دوسروں پر ترجیح دینے کے لئے ایک ایسا وسیع مضمون پائے گی جو آفتاب کی طرح چمکے گا۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو خدا معلوم کہ روز کی لڑائیوں اور بیہودہ جھگڑوں کی کہاں تک نوبت پہنچے گی۔ بیشک اس سے پہلے توہین کے لئے دفعہ ۲۹۸ تعزیرات میں موجود ہے لیکن وہ ان مراتب کے تصفیہ پا جانے سے پہلے فضول اور نکمی ہے اور خیانت پیشہ لوگوں کے لئے گریزگاہ وسیع ہے۔

اور پھر ہم اپنے مخالف فریقوں کی طرف متوجہ ہو کر کہتے ہیں کہ آپ لوگ بھی برائے خدا ایسی تدبیر کو منظور کریں جس کا نتیجہ سراسرا امن اور عافیت ہے۔ اور اگر یہ احسن انتظام نہ ہوا تو علاوہ اور فساد اور فتنوں کے ہمیشہ سچائی کا خون ہوتا رہے گا۔ اور صادقوں اور راستبازوں کی کوششوں کا کوئی عمدہ نتیجہ نہیں نکلے گا۔ اور نیز رعایا کی باہمی نااتفاقی سے گورنمنٹ کے اوقات بھی ضائع ہونگے۔ اس لئے ہم مراتب مذکورہ بالا کو آپ سب صاحبوں کی خدمت میں پیش کر کے یہ نوٹس آپ صاحبوں کے نام جاری کرتے ہیں۔ اور آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ ہماری کتب مسلّمہ مقبولہ جن پر ہم اعتقاد رکھتے ہیں اور جن کو ہم معتبر سمجھتے ہیں' بہ تفصیل ذیل ہیں۔

اوّل قرآن شریف مگر یاد رہے کہ کسی قرآنی آیت کے معنے ہمارے نزدیک وہی معتبر اور صحیح ہیں جس پر قرآن کریم کے دوسرے مقامات بھی شہادت دیتے ہوں۔ کیونکہ قرآن کی بعض آیات بعض کی تفسیر ہیں۔ اور نیز قرآن کے کامل اور یقینی معنوں کے لئے اگر وہ یقینی مرتبہ قرآن کے دوسرے مقامات سے میسّر نہ آسکے یہ بھی شرط ہے کہ کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل بھی اس کی تفسیر ہو۔ غرض ہمارے مذہب میں تفسیر بالرّائے ہرگز جائز نہیں۔ پس ہر یک معترض پر لازم

ہوگا کہ کسی اعتراض کے وقت اس طریق سے باہر نہ جائے۔

دوم دوسری کتابیں جو ہماری مسلّم کتابیں ہیں ان میں سے اوّل درجہ پر صحیح بخاری ہے اور اسکی وہ تمام احادیث ہمارے نزدیک حجّت ہیں جو قرآن شریف سے مخالف نہیں۔اور ان میں سے دوسری کتاب صحیح مسلم ہے اور اس کو ہم اس شرط سے مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیح بخاری سے مخالف نہ ہو۔اور تیسرے درجہ پر صحیح ترمذی' ابن ماجہ' مؤطا' نسائی' ابن داؤد' دار قطنی کتب احادیث ہیں۔جن کی حدیثوں کو ہم اس شرط سے مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیحین سے مخالف نہ ہوں۔یہ کتابیں ہمارے دین کی کتابیں ہیں اور یہ شرائط ہیں جن کی رو سے ہمارا عمل ہے۔

اب ہم قانونی طور پر آپ لوگوں کو ایسے اعتراضوں سے روکتے ہیں جو خود آپ کی کتابوں اور آپ کے مذہب پر وارد ہوتے ہیں، کیونکہ انصاف جن پر قوانین مبنی ہیں ایسی کاروائی کو صحت نیّت میں داخل نہیں کرتا۔اور ہم ایسے اعتراضوں سے بھی لوگوں کو منع کرتے ہیں جو ان کتابوں اور ان شرائط پر مبنی نہیں جن کا ہم اشتہار میں ذکر کرتے ہیں۔کیونکہ ایسی کاروائی بھی تحقیق حق کے برخلاف ہے۔پس ہر یک معترض پر واجب ہوگا کہ کسی اعتراض کے وقت ان کتابوں اور ان شرائط سے باہر نہ جائے۔اور ضروری ہوگا کہ آئیندہ آپ صاحبوں میں سے کوئی صاحب ہماری کسی تالیف کا رد لکھے یا رد کے طور پر کوئی اشتہار شائع کریں یا کسی مجلس میں تقریری مباحثہ کرنا چاہیں تو اس شرط مذکورہ بالا کی پابندی سے باہر قدم نہ رکھیں۔یعنی ایسی باتوں کو بطور اعتراض پیش نہ کریں جو آپ لوگوں کی الہامی کتابوں میں بھی موجود ہوں۔ اور ایسے اعتراض بھی نہ کریں جو ان کتابوں کی پابندی اور اس طریق کی پابندی سے نہیں ہیں جو ہم اشتہار میں شائع کر چکے ہیں۔

غرض اس طریق مذکورہ بالا سے تجاوز کر کے ایسی بیہودہ روایتوں اور بے سرو پا قصوّں کو

ہمارے سامنے ہرگز پیش نہ کریں اور نہ شائع کریں۔جیسا کہ یہ خائنانہ کاروائیاں پہلے اس سے ہندوؤں میں سے اندرمن مرادآبادی نے اپنی کتابوں تحفہ اسلام و پاداش اسلام وغیرہ میں دکھلائیں۔اور پھر بعد اس کے یہ ناپاک حرکتیں مسمی لیکھرام پیشاوری نے جو محض نادان اور بے علم ہے' اپنی کتاب تکذیب براہین اور رسالہ جہاد اسلام میں کیں ۔اور جیسا کہ یہی بیہودہ کاروائیاں پادری عمادالدین نے اپنی کتابوں میں اور پادری ٹھاکرداس نے اپنے رسائل میں اور صفدرعلی وغیرہ نے اپنی تحریروں میں لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے کیں ۔اور سخت دھوکہ دیدے کر ایک دنیا کو گندگی اور کیچڑ میں ڈال دیا۔اور اگر آپ لوگ اب بھی یعنی اس نوٹس کے جاری ہونے کے بعد بھی اپنی خیانت پیشہ طبیعت اور عادت سے باز نہیں آئیں گے تو دیکھو ہم آپ کو ہلاہلا کر متنبّہ کرتے ہیں کہ اب یہ حرکت آپ کی صحت نیت کے خلاف سمجھی جائے گی اور محض دلآزاری اور توہین کی مد میں متصور ہوگی۔ اور اس صورت میں ہمیں استحقاق ہوگا کہ عدالت سے اس افتراء اور توہین اور دلآزاری کی چارہ جوئی کریں اور دفعہ ۲۹۸ تعزیرات ہند کی رو سے آپ کو ماخوذ کرائیں اور قانون کی حد تک سزا دلائیں۔کیونکہ اس نوٹس کے بعد آپ اپنی ناواقفی اور صحت نیّت کا عذر پیش نہیں کرسکتے۔اور آپ سب صاحبوں کو بھی اختیار ہوگا کہ اپنی مقبولہ مسلمہ کتابوں کا اشتہار دے دیں ۔اور بعد اس کے اگر کوئی مسلمان معترض اپنے اشتہار میں آپ کے اشتہار کا پابند نہ ہو' اور کوئی ایسا اعتراض کرے کہ جو ان کتابوں کی بنا پر نہ ہو جن کے مقبول ہونے کی نسبت آپ اشتہار دے چکے ہیں۔یا کوئی ایسا امر مورد اعتراض ٹھہراوے جو خود اسلامی تعلیم میں موجود ہے تو بے شک ایسا معترض مسلمان بھی آپ لوگوں کے اشتہار کے بعد اسی دفعہ ۲۹۸ کی رو سے سزا پانے کے لائق ہوگا جس دفعہ سے ہم فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔اب ذیل میں اس نوٹس دینے والوں کے دستخط اور مواہیر ہیں۔فقط

راقم خاکسار خادم دین مصطفٰے غلام احمد قادیانی

۲۲ ستمبر ۱۸۹۵ء

(مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ ۱۵۰ تا ۱۶۰ مطبوعہ لندن اپریل ۱۹۸۶ء)

اس نوٹس کے صفحہ نمبر ۱۵۰ تا ۱۵۴ پر حاشیہ درج ہے کہ

"پادری صاحبان اگر ہماری نصیحت کو غور سے سنیں تو بیشک اپنی بزرگی اور شرافت ہم پر ثابت کریں اور اس حق پسندی اور صلحکاری کے موجب ہونگے جس سے ایک پاک دل اور راستباز شناخت کیا جاتا ہے اور وہ نصیحت صرف دو باتیں ہیں جو ہم پادری صاحبوں کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

اوّل ۔ یہ کہ وہ اسلام کے مقابل پر بیہودہ روایات اور بے اصل حکایات سے مجتنب رہیں جو ہماری مسلّم اور مقبول کتابوں میں موجود نہیں اور ہمارے عقیدہ میں داخل نہیں اور نیز قرآن کے معنٰی اپنی طرف سے نہ گھڑ لیا کریں۔ بلکہ وہی معنٰی کریں جو تواتر آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں اور پادری صاحبان اگرچہ انجیل کے معنٰی کرنے کے وقت ہر یک بے قیدی کے مجاز ہوں مگر ہم مجاز نہیں ہیں۔ اور انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے مذہب میں تفسیر بالرائے معصیت عظیمہ ہے۔ قرآن کی کسی آیت کے معنی اگر کریں تو اس طور سے کرنے چاہئے کہ دوسری قرآنی آیتیں ان معنوں کی مؤیّد اور تفسیر ہوں، اختلاف اور تناقض پیدا نہ ہو کیونکہ قرآن کی بعض آیتیں بعض کے لئے بطور تفسیر کے ہیں۔ اور پھر ساتھ اس کے یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل رسول اللہ ﷺ کی بھی انہیں معنوں کی مفسّر ہو۔ کیونکہ جس پاک اور کامل نبی پر قرآن نازل ہوا وہ سب سے بہتر قرآن شریف کے معنی جانتا ہے۔ غرض اتم

اور اکمل طریق معنے کرنے کا تو یہ ہے لیکن اگر کسی آیت کے بارے میں حدیث صحیحہ مرفوع متصل نہ مل سکے تو ادنیٰ درجہ استدلال کا یہ ہے کہ قرآن کی ایک آیت کے معنی دوسری آیات بیّنات سے کئے جاویں۔ لیکن ہرگز یہ درست نہیں ہوگا کہ بغیر ان دونوں قسم کے التزام کے اپنے ہی خیال اور رائے سے معنی کریں۔ کاش اگر پادری عماد الدین وغیرہ اس طریق کا التزام کرتے تو نہ آپ ہلاک ہوتے اور نہ دوسروں کی ہلاکت کا موجب ٹھہرتے۔

دوسری نصیحت اگر پادری صاحبان سنیں تو یہ ہے کہ وہ ایسے اعتراض سے پرہیز کریں جو خود ان کی کتب مقدسہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک بڑا اعتراض جس سے بڑھ کر شاید اُن کی نظر میں اور کوئی اعتراض ہمارے نبی ﷺ پر نہیں ہے وہ لڑائیاں ہیں جو آنحضرت ﷺ کو باذن اللہ اُن کفار سے کرنی پڑیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ پر تیرہ برس تک انواع اقسام کے ظُلم کئے اور ہر یک طرق سے ستایا اور دکھ دیا اور قتل کا اردہ کیا جس سے آنحضرت ﷺ کو معہ اپنے اصحاب کے مکہ چھوڑنا پڑا۔ اور پھر بھی باز نہ آئے اور تعاقب کیا اور ہر یک بے ادبی اور تکذیب کا حصہ لیا اور جو مکہ میں ضعفاء مسلمانوں میں سے رہ گئے تھے ان کو غایت درجہ دکھ دینا شروع کیا۔ لہذا وہ لوگ خدا تعالیٰ کی نظر میں اپنے ظالمانہ کاموں کی وجہ سے اس لائق ٹھہر گئے کہ اُن پر موافق سنّت قدیمہ الٰہیہ کے کوئی عذاب نازل ہو اور اس عذاب کی وہ قومیں بھی سزاوار تھیں جنہوں نے مکہ والوں کو مدد دی۔ اور وہ قومیں بھی جنہوں نے اپنے طور پر ایذاء اور تکذیب کو انتہاء تک پہنچایا اور اپنی طاقتوں سے اسلام کی اشاعت سے مانع آئے۔ سو جنہوں نے اسلام پر تلواریں اٹھائیں وہ اپنی شوخیوں کی وجہ سے تلواروں سے ہی ہلاک کئے گئے۔ اب اس صورت کی لڑائیوں پر اعتراض کرنا اور حضرت موسیٰ اور دوسرے اسرائیلی نبیوں کی ان لڑائیوں کو بھلا دینا جن میں لاکھوں شیر خوار بچے قتل کئے گئے۔ کیا یہ دیانت کا طریق ہے

یا ناحق کی شرارت اور خیانت اور فساد انگیزی ہے۔اس کے جواب میں حضرات عیسائی یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی لڑائیوں میں بہت ہی نرمی پائی جاتی ہے کہ اسلام لانے پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور شیر خوار بچوں کو قتل نہیں کیا اور نہ عورتوں اور نہ بوڑھوں کو اور نہ فقیروں کو اور مسافروں کو مارا اور نہ عیسائیوں اور یہودیوں کے گرجاؤں کو مسمار کیا۔لیکن اسرائیلی نبیوں نے ان سب باتوں کو کیا۔ یہاں تک کہ تین لاکھ سے بھی کچھ زیادہ شیر خوار بچے قتل کئے گئے۔گویا حضرات پادریوں کی نظر میں اس نرمی کی وجہ سے اسلام کی لڑائیاں قابل اعتراض ٹھہریں کہ ان میں وہ سختی نہیں جو حضرت موسیٰ اور دوسرے اسرئیلی نبیوں کی لڑائیوں میں تھی۔اگر اس درجہ کی سختی پر یہ لڑائیاں بھی ہوتیں تو قبول کر لیتے کہ درحقیقت یہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔اب ہر یک عقل مند کے سوچنے کے لائق ہے کہ کیا یہ جواب ایمانداری کا جواب ہے۔حالانکہ آپ ہی کہتے ہیں کہ خدا رحیم ہے اور اس کی سزا رحم سے خالی نہیں۔پھر جب موسیٰ کی لڑائیاں باوجود اس سختی کے قبول کی گئیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے لڑیں تو کیوں اور کیا وجہ کہ یہ لڑائیاں جو ابھی رحم کی خوشبو ساتھ رکھتی ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوئیں۔اور ایسے لوگ کہ ان باتوں کو بھی خدا تعالیٰ کے احکام سمجھتے ہیں کہ شیر خوار بچے ان کی ماؤں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کئے جائیں اور ماؤں کو ان کے بچوں کے سامنے بیرحمی سے مارا جاوے وہ کیوں ان لڑائیوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ سمجھیں جن میں یہ شرط ہے کہ پہلے مظلوم ہو کر پھر ظالم کا مقابلہ کرو۔منہ‘‘

(حاشیہ صفحہ ۱۵۰ تا ۱۵۴ مجموعہ اشتہارات جلد دوم)

اس کے بعد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اور اشتہار بھی شائع فرمایا تا حکومت اس پر غور کرتے ہوئے آئے دن مذہبی دل آزاریوں کی بنا پر جو فضاء مکدر ہوتی ہے اسے روکا جاسکے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا

”یہ وہ درخواست ہے جو برائے منظوری گورنمنٹ میں بعد تکمیل دستخطوں کے بھیجی جائے گی

درخواست

یہ درخواست مسلمانانِ برٹش انڈیا کی طرف سے جن کے نام ذیل میں درج ہیں بحضور جناب **گورنر جنرل** ہند دام اقبالہ اس غرض سے بھیجی گئی ہے کہ مذہبی مباحثات اور مناظرات کو اُن ناجائز جھگڑوں سے بچانے کے لئے جو طرح طرح کے فتنوں کے قریب پہنچ گئے ہیں اور خطرناک حالت پیدا کرتے جاتے ہیں اور ایک وسیع بے قیدی ان میں طوفان کی طرح نمودار ہو گئی ہے۔ دو ۲ مندرجہ ذیل شرطوں سے مشروط فرما دیا جاوے اور اسی طرح اس وسعت اور بے قیدی کو روک کر ان خرابیوں سے رعایا کو بچایا جاوے جو دن بدن ایک مہیب صورت پیدا کرتی جاتی ہیں جن کا ضروری نتیجہ قوموں میں سخت دشمنی اور خطرناک مقدمات ہیں۔ ان دو شرطوں میں سے **پہلی شرط** یہ ہے کہ برٹش ٥ انڈیا کے تمام وہ فرقے جو ایک دوسرے سے مذہب اور عقیدہ میں اختلاف رکھتے ہیں اپنے فریق مخالف پر کوئی ایسا اعتراض نہ کریں جو خود اپنے پر وارد ہوتا ہو۔ یعنی اگر ایک فریق دوسرے فریق پر مذہبی نکتہ چینی کے طور پر کوئی ایسا اعتراض کرنا چاہے جس کا ضروری نتیجہ اس مذہب کے پیشوا یا کتاب کی کسرِ شان ہو جس کو اس فریق کے لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے مانتے ہوں تو اس کو اس امر کے بارے میں قانونی ممانعت ہو جائے کہ ایسا اعتراض اپنے فریق مخالف پر اس صورت میں ہرگز نہ کرے

جبکہ خوداس کی کتاب یااس کے پیشواپر وہی اعتراض ہوسکتا ہو۔ **دوسری شرط** یہ ہے کہ ایسے اعتراض سے بھی ممانعت فرمادی جائے جوان کتابوں کی بناپر نہ ہوجن کوکسی فریق نے اپنے مسلّم اورمقبول کتابیں ٹھہرا کران کی ایک چھپی ہوئی فہرست اپنے ایک کھلے کھلے اعلان کے ساتھ شائع کر دی ہو۔اورصاف اشتہار دیدیا ہو کہ یہی وہ کتابیں ہیں جن پر میرا عقیدہ ہےاور جو میری مذہبی کتابیں ہیں۔سوہم تمام درخواست کنندوں کی التماس ہے کہ ان دونوں شرطوں کے بارے میں ایک قانون پاس ہوکراس کی خلاف ورزی کوایک مجرمانہ حرکت قراردیاجاوےاور ایسے تمام مجرم دفعہ ۲۹۸ تعزیرات ہندیاجس دفعہ کی روسے سرکار مناسب سمجھے سزایاب ہوتے رہیں اور جن ضرورتوں کی بناپر ہم رعایا سرکار انگریزی کی اس درخواست کے لئے مجبور ہوئے ہیں وہ بتفصیل ذیل ہیں۔

اوّل یہ کہ ان دنوں میں مذہبی مباحثوں کے متعلق سلسلہ تقریروں اورتحریروں کا اس قدر ترقی پزیر ہو گیا ہےاور ساتھ ہی اس کے اس قدر سخت بدزبانیوں نے ترقی کی ہے کہ دن بدن باہمی کینے بڑھتے جاتے ہیں اور ایک زور کے ساتھ فحش گوئی اور ٹھٹھے اور ہنسی کا دریا بہہ رہا ہے۔اور چونکہ اہل اسلام اپنی برگزیدہ نبی اوراس مقدس کتاب کے لئے جواس پاک بنی کی معرفت اُن کوملی نہایت ہی غیرت مندہیں۔لہذا جو کچھ دوسری قومیں طرح طرح کے مفتریانہ الفاظ اوررنگارنگ کی پُرخیانت تحریراورتقریر سے ان کے نبی اوران کی آسمانی کتاب کی توہین سے اُن کے دل دکھارہے ہیں یہ ایک ایسا زخم ان کے دلوں پر ہے کہ شاید اُن کے لئے اس تکلیف کے برابر دُنیا میں اور کوئی بھی تکلیف ہو۔اوراسلامی اصول ایسے مہذبانہ ہیں کہ یاوہ گوئی کے مقابل پرمسلمانوں کو یاوہ گوئی سے روکتے ہیں۔مثلاً ایک معترض جب ایک بے جا الزام مسلمانوں کے نبی علیہ السلام پر کرتا اور ٹھٹھے اور ہنسی اور ایسے الفاظ سے پیش آتا ہے جو بسا

اوقات گالیوں کی حد تک پہنچ جاتے ہیں تو اہل اسلام اس کے مقابل پر اس کے پیغمبر اور مقتداء کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اگر وہ پیغمبر اسرائیلی نبیوں میں سے ہے تو ہر ایک مسلمان اس نبی سے ایسا ہی پیار کرتا ہے جیسا کہ اس کا فریق مخالف۔ وجہ یہ کہ مسلمان تمام اسرائیلی نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور دوسری قوموں کی نسبت بھی وہ جلدی نہیں کرتے کیونکہ انہیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ کوئی ایسا آباد ملک نہیں جس میں کوئی مصلح نہیں گزرا۔ اس لئے گزشتہ نبیوں کی نسبت خاص کر اگر وہ اسرائیلی ہوں۔ ایک مسلمان ہر گز بد دیانتی نہیں کر سکتا۔ بلکہ اسرائیلی نبیوں پر تو وہ ایسا ہی ایمان رکھتا ہے جیسا کہ نبی آخر الزمان کی نبوّت پر‘ تو اس صورت میں وہ گالی کا گالی کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہاں جب بہت دکھ اٹھاتا ہے تو قانون کی رو سے چارہ جوئی کرنا چاہتا ہے۔ مگر قانونی تدارک بدنیتی کے ثابت کرنے پر موقوف ہے جس کا ثابت کرنا موجودہ قانون کی رو سے بہت مشکل امر ہے۔ لہذا ایسا مستغیث اکثر ناکام رہتا ہیں اور مخالف فتحیاب کو اور بھی توہین اور تحقیر کا موقعہ ملتا ہے۔ اس لئے یہ بات بالکل سچی ہے کہ جس قدر تقریروں اور تحریروں کی رو سے مذہب اسلام کی توہین ہوتی ہے ابھی تک اس کا کوئی کافی تدارک قانون میں موجود نہیں۔ اور دفعہ ۲۹۸ حق الامر کے ثابت کرنے کے لئے کوئی ایسا معیار اپنے ساتھ نہیں رکھتی جس سے صفائی کے ساتھ نیک نیتی اور بدنیتی میں تمیز ہو جائے یہی سبب ہے کہ نیک نیتی کے بہانہ سے ایسی دلآزار کتابوں کی **کروڑوں تک نوبت پہنچ** گئی ہے۔ لہذا ان شرائط کا ہونا ضروری ہے جو واقعی حقیقت کی کھلنے کے لئے بطور مؤیّد ہوں۔ اور صحتِ نیت اور عدم صحت کے پرکھنے کے لئے بطور معیار کے ہوسکیں۔ سو وہ معیار وہ دونوں شرطیں ہیں جو اُوپر گزارش کر دی گئی ہیں۔ کیونکہ کچھ شک نہیں کہ جو شخص کوئی ایسا اعتراض کسی فریق پر کرتا ہے جو وہی اعتراض اس پر بھی اس کی الہامی کتابوں کی رو سے ہوتا ہے۔ یا ایسا اعتراض کرتا ہے جو ان کتابوں میں

نہیں پایا جاتا جن کو فریق معترض علیہ سے اپنی مسلّمہ مقبولہ کتابیں قرار دے کران کے بارے میں اپنے مذہبی مخالفوں کو بذریعہ کسی چھپے ہوئے اشتہار کے مطلع کر دیا ہے تو بلا شبہ ثابت ہو جاتا ہے کہ شخص معترض نے صحتِ نیّت کو چھوڑ دیا ہے۔ تو اس صورت میں ایسے مکاّر اور فریبی لوگ جن حیلوں اور تاویلوں سے اپنی بدنیّتی کو چھپانا چاہتے ہیں وہ تمام حیلے نکمّے ہو جاتے ہیں اور بڑی سہولت سے حکام پر اصل حقیقت کھل جاتی ہے۔ اور اگرچہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یاوہ گو لوگوں کی زبانیں روکنے کے لئے یہ ایک کامل علاج ہے مگر اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ بہت کچھ یاوہ گوئیوں اور ناحق کے الزاموں کا اس سے علاج ہو جائے گا۔

دوسری ضرورت اس قانون کے پاس کرنے کے لئے یہ ہے کہ اس بے قیدی سے ملک کی اخلاقی حالت روز بروز بگڑتی جاتی ہے۔ ایک شخص سچی بات کو سن کر پھر اِس فکر میں پڑ جاتا ہے کہ کسی طرح جھوٹ اور افتراء سے مدد لے کر اس سچ کو پوشیدہ کر دیوے اور فریق ثانی کو خواہ نخواہ ذلّت پہنچاوے۔ سو ملک کو تہذیب اور راست روی میں ترقی دینے کے لئے اور بہتان طرازی کی عادت سے روکنے کے لئے یہ ایک ایسی عمدہ تدبیر ہے جس سے بہت جلد دلوں میں سچی پرہیزگاری پیدا ہو جائے گی۔

تیسری ضرورت اس قانون کے پاس کرنے کی یہ ہے کہ اس بے قیدی سے ہماری محسن گورنمنٹ کی قانون پر عقل اور کانشنس کا اعتراض ہے۔ چونکہ یہ دانا گورنمنٹ ہر یک نیک کام میں اوّل درجہ پر ہے تو کیوں اس قدر الزام اپنے ذمہ رکھے کہ کسی کو یہ بات کہنے کا موقعہ ملے کہ مذہبی مباحثات میں اس کے قانون میں احسن انتظام نہیں، ظاہر ہے کہ ایسی بے قیدی سے صلحکاری اور باہمی محبت دن بدن کم ہوتی جاتی ہے۔ اور ایک فریق دوسرے فریق کی نسبت

ایسا اشتعال رکھتا ہے کہ اگر ممکن ہو تو اس کو نابود کر دیوے اور اس تمام نا اتفاقی کی جڑ مذہبی مباحثات کی بے اعتدالی ہے۔ گورنمنٹ اپنی رعایا کے لئے بطور معلم کے ہے۔ پھر اگر رعایا ایک دوسرے سے درندہ کا حکم رکھتی ہو تو گورنمنٹ کا فرض ہے کہ قانونی حکمت عملی سے اس درندگی کو دور کر دے۔

چوتھی یہ کہ اہل اسلام گورنمنٹ کی وہ وفادار رعایہ ہے جن کی دلی خیر خواہی روز بروز ترقی پر ہے اور اپنے جان و مال سے گورنمنٹ کی اطاعت کے لئے حاضر ہے۔ اور اس کی مہربانیوں پر بھروسہ رکھتے ہیں اور۔ کوئی بات خلاف مرضی گورنمنٹ کرنا نہایت بیجا خیال کرتے ہیں اور دل سے گورنمنٹ کے مطیع ہیں۔ پس اس صورت میں اِن کا حق بھی ہے کہ دردناک فریاد کی طرف گورنمنٹ عالیہ توجہ کرے۔ پھر یہ درخواست بھی کوئی ایسی درخواست نہیں جس کا صرف مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور دوسروں کو نہیں۔ بلکہ ہر یک قوم اس فائدہ میں شریک ہے۔ اور یہ کام ایسا ہے جس سے ملک میں صلحکاری اور امن پیدا ہوگا اور مقدمات کم ہوتے ہیں اور بد نیّت لوگوں کا منہ بند ہو جاتا ہے۔ اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے اس کا اثر مسلمانوں سے خاص نہیں ہر یک قوم پر اس کا برابر اثر ہے۔ آخر ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہماری اس گورنمنٹ کو ہمیشہ کے اقبال کے ساتھ ہمارے سروں پر خوش و خرم رکھے اور ہمیں سچی شکر گزاری کی توفیق دے۔ اور ہماری محسن گورنمنٹ کو اس مخلصانہ اور عاجزانہ درخواست کی طرف توجہ دے کہ ہر یک توفیق اسی کے ارادہ اور حکم سے ہے۔ آمین

الملتمسین

اہل اسلام رعایا گورنمنٹ جن کے نام علیحدہ نقشوں میں درج ہیں۔

مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۸۹۵ء

(مطبوعہ ضیاء الاسلام قادیان)

(یہ اشتہار آریہ دھرم طبع اوّل کے صفحہ ۶۹ لغایت ۷۲ پر ہے)

(بحوالہ مجموعہ اشتہارات جلد دوم مطبوعہ لندن اپریل ۱۹۸۶ء صفحہ ۱۶۶ تا ۱۷۱)

تعزیرات ہند میں توہین رسالت کے سلسلہ میں قانونی ضرورت اور وجوہات

یہ ایک فطرتی عمل ہے کہ کوئی بھی انسان اس بات کو برداشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے باپ کو گالی دے یا اسے برا بھلا کہے تو یہ بات کس طرح ممکن ہوسکتی ہے کہ کوئی انسان اس وجود کو گالی دے برا بھلا کہے جو لاکھوں اور کروڑوں لوگوں کا پیارا اور محبوب ہو۔ ہر زمانہ میں ہی اللہ کی طرف سے نبی مبعوث ہوتے رہے ہیں اور ان نبیوں پر ایمان لانے والے ہمیشہ ہی ان کی خاطر اپنی جان، مال، اولاد اور اپنی عزتوں کی قربانی دیتے آئے ہیں اور ہمیشہ ہی دیتے چلے جائیں گے۔ دنیا میں کئی مذاہب پائے جاتے ہیں ہر مذہب والا کسی نا کسی کو اپنا پیارا اور محبوب مان کر اس پر ایمان لاتا ہے اور اس سے پیار کرتا ہے۔ اگر دیگر مذہب والا اس کے کسی پیارے کو گالی دیگا یا برے ناموں سے یاد کرے گا تو لازمی بات ہے سامنے والا بھی اس کا اسی طرح جواب دیگا اگرچہ یہ بات اسلامی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے قرآن کریم میں یہ تعلیم دی ہے کہ ''تم انہیں جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں گالی نہ دے نہیں تو وہ دشمن ہو کر جہالت کی وجہ سے تمہارے خدا کو گالی دینگے''۔ (الانعام آیت ۱۰۹)

عجیب بات یہ ہے کہ جیسے ہی اسلام پر کمزوری کا زمانہ آن پہنچا اس کے ساتھ ہی تمام مذاہب والوں نے اسلام پر حملے تیز کر دئے اور ان حملوں میں سب سے زیادہ تیز اور خطرناک حملے عیسائیوں کی طرف سے ہوئے اور ہمارے پیارے اور محبوب نبی ﷺ کی اس قدر توہین کی گئی کہ جسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلنا تھا کہ کشت وخون کا بازار گرم ہوتا۔ جب اللہ تعالیٰ کی مشیّت نے یہ چاہا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی عزت وتکریم کو قائم کرے

اورتمام ادیان باطلہ پر اسلام کو غالب کرے تو اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث کیا۔جب آپ نے ان اسلام کے اشد ترین دشمنوں کے حملوں کا جواب دیا تو یہ سب آپ کے مخالف ہو گئے لیکن آپ نے مخالفت کی کچھ بھی پرواہ نہ کی اور ان مخالفین کے حملوں کا منہ توڑ جواب دیتے رہے۔مخالفین آپ کے جوابوں کی تاب نہ لا کر حکومت کو آپ کی شکایات کرتے اور الٹا یہ الزام دھرتے کہ نعوذ باللہ آپ ان کے انبیاء کی نسبت سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں اسی بنا پر مخالفین نے آپ کے خلاف عدالت میں نالش بھی کی اور قتل تک کے مقدمات بھی کئے۔اسلام کی تعلیم اس بات سے منع کرتی ہے کہ گالی کا جواب گالی سے دیا جائے لیکن دوسرے اس سے باز نہ آتے تھے اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حکومت وقت کو اس طرف توجہ دلائی کہ اگر مخالفین اسلام کی طرف سے یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا اور اس کے سدّ باب کے لئے کوئی قانون نہ بنایا گیا تو ملک بدامنی کا شکار ہو جائے گا۔اور آپ نے مخالفین کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں کی جانے والی بے ادبی اور توہین آمیز الفاظ اور جملے بھی حکومت وقت کے علم میں لانے کے لئے نمونہ کے طور پر پیش کئے تا اسے دیکھتے ہوئے ہی کوئی قانون وضع کیا جا سکے۔اس سلسلہ میں آپ نے لکھا۔

”نہایت ضروری عرضداشت قابل توجہ گورنمنٹ

چونکہ ہماری گورنمنٹ برطانیہ اپنی رعایا کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتی ہے اور اس کی شفقت اور رحمت ہر ایک قوم کے شامل حال ہے لہذا ہمارا حق ہے کہ ہم ہر ایک درد اور دکھ اس کے سامنے بیان کریں اور اپنی تکالیف کی چارہ جوئی اس سے ڈھونڈیں۔سو ان دنوں میں بہت تکلیف جو ہمیں پیش آئی وہ یہ ہے کہ پادری صاحبان یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہر ایک طرح سے ہمارے نبی ﷺ کی بے ادبی کریں گالیاں نکالیں بیجا تہمتیں لگائیں اور ہر ایک طور سے توہین

کر کے ہمیں دکھ دیں اور ہم ان کے مقابل پر بالکل زبان بند رکھیں اور ہمیں اس قدر بھی اختیار نہ رہے کہ ان کے حملوں کے جواب میں کچھ بولیں۔لہذا وہ ہماری ہر ایک تقریر کو گو کیسی ہی نرم ہو سختی پر حمل کر کے حکاّم تک شکایت پہنچاتے ہیں حالانکہ ہزارہا درجہ بڑھ کر ان کی طرف سے سختی ہوتی ہے

ہم لوگ جس حالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا نبی اور نیک اور راست باز مانتے ہیں تو پھر کیونکر ہماری قلم سے اُن کی شان میں سخت الفاظ نکل سکتے ہیں لیکن پادری صاحبان ہمارے نبی ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے اس لئے جو چاہتے ہیں منہ پر لاتے ہیں۔یہ ہمارا حق تھا کہ ہم ان کے دل آزار کلمات کی اپنی گورنمنٹ عالیہ میں شکایت پیش کرتے اور دادرسی چاہتے۔لیکن انہوں نے اوّل تو خود ہی ہزاروں سخت کلمات سے ہمارے دل کو دکھایا اور پھر ہم پر ہی الٹی عدالت میں شکایت کی کہ گویا سخت کلمات اور توہین ہماری طرف سے ہے اور اسی بنا پر وہ خون کا مقدمہ اٹھایا گیا تھا جو ڈگلس صاحب ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے محکمہ سے خارج ہو چکا ہے۔

اس لئے قرین مصلحت ہے کہ ہم اپنی عادل گورنمنٹ کو اس بات سے آگاہ کریں کہ جس قدر سختی اور دل آزاری پادری صاحبان کی قلم اور زبان سے اور پھر ان کی تقلید اور پیروی سے آریہ صاحبان کی طرف سے ہمیں پہنچ رہی ہے ہمارے پاس الفاظ نہیں کہ جو ہم بیان کرسکیں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنے مقتدا اور پیغمبر کی نسبت اس قدر بھی سننا نہیں چاہتے کہ وہ جھوٹا اور مفتری ہے اور ایک باغیرت مسلمان بار بار کی توہین کو سن کر پھر اپنی زندگی کو بے شرمی کی زندگی خیال کرتا ہے تو پھر کیونکر کوئی ایماندار اپنے ہادیٔ پاک نبی کی نسبت سخت گالیاں سن سکتا ہے۔بہت سے پادری اس وقت برٹش انڈیا میں ایسے ہیں جن کا دن رات پیشہ ہی یہ ہے کہ

ہمارے نبی اور ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتے رہیں۔سب سے زیادہ گالیاں دینے میں پادری عماد الدین امرتسری کا نمبر بڑھا ہوا ہے۔وہ اپنی کتابوں تحقیق الایمان وغیرہ میں کُھلی کُھلی آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتا ہےاوردغاباز' پرائی عورتوں کو لینے والا وغیرہ وغیرہ قرار دیتا ہےاورنہایت سخت اور اشتعال دینے والے لفظ استعمال کرتا ہے۔ایسا ہی پادری ٹھاکرداس سیرۃ المسیح اور ریویو براہین احمدیہ میں ہمارے نبی ﷺ کا نام شہوت کا مطیع اور غیر عورتوں کا عاشق' فریبی' لٹیرا' مکّار' جاہل' حیلہ باز' دھوکہ باز رکھتا ہے۔اور رسالہ دافع البہتان میں پادری انکلین نے ہمارے نبی ﷺ کی نسبت یہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔شہوت پرست تھا۔محمد کے اصحاب زنا کار' دغاباز' چور تھےاور ایسا ہی تفتیش الاسلام میں پادری راجرس لکھتا ہے کہ محمد شہوت پرست' نفس امّارہ کا ازحد مطیع' عشق باز' مکّار' خونریز' اور جھوٹا تھا۔اوررسالہ نبی معصوم مصنّفہ امریکن ٹریکٹ سوسائٹی میں لکھا ہے۔محمد گنہگار' عاشق حرام یعنی زنا کا مرتکب مکّار' ریاکار تھا۔اوررسالہ مسیح الدجاّل میں ماسٹر رام چندر ہمارے نبی ﷺ کی نسبت کہتاہے کہ محمد سرغنہ ڈکیتی تھا۔اورلٹیرا' ڈاکو' فریبی' عشقباز' شہوت پرست' خونریز' زانی اور کتاب سوانح عمری محمد صاحب مصنّفہ واشنگٹن اردنگ صاحب میں لکھا ہے کہ محمد کے اصحاب قزّاق اور لٹیرے تھے اور وہ خود طامع' جھوٹا' دھوکہ باز تھا۔اور اندرون بائیبل مصنّفہ آتھم عیسائی میں لکھا ہے کہ محمد دجاّل تھااوردھوکہ باز۔اورپھر کہتا ہے کہ محمدیوں کا خاتمہ بڑا خوفناک ہے یعنی جلد تباہ ہوجائیں گے۔اور پرچہ نورافشاں لدھیانہ میں لکھا ہے کہ محمد کو شیطانی وحی ہوتی تھی اور وہ ناجائز حرکات کرتا تھا اور نفسانی آدمی' گمراہ' مکّار' فریبی' زانی' چور' خونریز' لٹیرا' رہزن' رفیق شیطان اوراپنی بیٹی فاطمہ کو نظر شہوت سے دیکھنے والا تھا۔

اب یہ تمام الفاظ غور کرنے کے لائق ہیں جو ہماری نبی ﷺ کے حق میں پادری صاحبوں

کے منہ سے نکلے ہیں۔اور سوچنے کے لائق ہے کہ ان کے کیا کیا نتائج ہو سکتے ہیں۔ کیا اس قسم کے الفاظ کبھی کسی مسلمان کے منہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت نکل سکتے ہیں۔ کیا دنیا میں اس سے سخت تر الفاظ ممکن ہیں جو پادری صاحبوں نے اس پاک نبی کے حق میں استعمال کئے ہیں جس کی راہ میں کروڑ ہا خدا کے بندے فدا شدہ ہیں اور وہ اس نبی سے سچی محبت رکھتے ہیں جس کی نظیر دوسری قوموں میں تلاش کرنا لا حاصل ہے۔ پھر باوجود ان گستاخیوں ان بد زبانیوں اوران ناپاک کلمات کے پادری صاحبان ہم پر الزام سخت گوئی کا رکھتے ہیں۔ یہ کس قدر ظلم ہے۔ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ہرگز ممکن نہیں ہماری گورنمنٹ عالیہ ان کے اس طریق کو پسند کرتی ہو یا خبر پا کر پھر پسند کرے اور نہ ہم باور کر سکتے ہیں کہ آئندہ پادریوں کے کسی ایسے بے جا جوش کے وقت کہ جو کلارک کے مقدمہ میں ظہور میں آیا ہماری گورنمنٹ پادریوں کو ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمانوں پر ترجیح دیکر کوئی رعایت ان کی کرے گی۔اس وقت جو ہمیں پادریوں اورآریوں کی بدزبانی پر ایک لمبی فہرست دینی پڑی وہ صرف اس غرض سے ہے کہ تا آئندہ وہ فہرست کام آئے اور کسی وقت گورنمنٹ عالیہ اس فہرست پر نظر ڈال کر اسلام کی ستم رسیدہ رعایا کو رحم کی نظر سے دیکھے۔

اور ہم تمام مسلمانوں پر ظاہر کرتے ہیں کہ گورنمنٹ کو ان باتوں کی اب تک خبر نہیں ہے کہ کیونکر پادریوں کی بدزبانی نہایت تک پہنچ گئی ہے۔اور ہم دلی یقین سے جانتے ہیں کہ جس وقت گورنمنٹ عالیہ کو ایسی سخت زبانی کی خبر ہوئی تو وہ ضرور آیندہ کے لئے کوئی احسن انتظام کرے گی۔

(بحوالہ مجموعہ اشتہارات جلد سوم مطبوعہ لندن اپریل ۱۹۸۶ء صفحہ ۷۹ تا ۸۱)

یہ وہ وجوہات تھیں جس بنا پر تعزیرات ہند میں توہین رسالت پر قانون بنائے جانے کی

ضرورت تھی آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مخالفینِ اسلام نے کس قدر گندی زبان ہمارے پیارے آقا ﷺ کے بارے میں استعمال کی اور کیسی کیسی بدزبانیاں کی تھیں اس بات کا اندازہ صرف اس ایک ہی حوالہ سے کیا جاسکتا ہے۔ جو زبان آریہ اور عیسائی آنحضرت ﷺ کے متعلق استعمال کرتے تھے کوئی بھی مسلمان اس قسم کی زبان دیگر مذاہب کے بزرگوں کے خلاف استعمال نہیں کرسکتا کیونکہ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔اسی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مخالفین کی بدگوئیوں اور بدزبانیوں کا نمونہ بھی پیش فرمایا اور گورنمنٹ کو اس طرف توجہ دلائی کہ عصمت انبیاء کو قائم کرنے اور کتب مقدسہ کے تقدس کو قائم رکھنے کے لئے ایسا قانون بنایا جائے کہ کوئی بھی مذہب والا اگر کسی دوسرے مذہب کے پیشوا اوران کی کتب مقدسہ کے تقدس کو پامال کرتا ہے تو اسے حکومتی سطح پر ایک قرار واجبی سزا دی جائے۔دنیا کا کوئی بھی ملک ہو اس وقت مختلف مذاہب کے ماننے والے وہاں پائے جاتے ہیں۔جس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہندوستان کی حکومت کے سامنے یہ بات رکھی تھی اس وقت بھی ہندوستان تمام مذاہب کا اکھاڑا بن چکا تھا اسی لئے آپ نے گورنمنٹ کے سامنے تمام مذاہب کے تقدس کے قیام اور ملک میں امن قائم رکھنے کی خاطر تجاویز پیش کی تھیں لیکن افسوس کہ گورنمنٹ نے اس نہج پر قانون بنانے کی طرف توجہ نہ کی اگرچہ حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ تعزیرات کی دفعہ ۲۹۵ میں ۲۹۵A کا اضافہ سن ۱۹۲۷ء میں کیا گیا اور یہ کلاز اس طرح شامل کی گئی

[1] [295A,Deliberat and malicious acts, intended to outrage religious feelings of any class by insulting its religion or religious beliefs.--whoever,with deliberate

and malicious intention of outraging the religious feelings of any class of 2[citizen of india],3[by words either spoken or written,or by signs or by visible representations or otherwise],insults or attempts to insult the religion or the religious beliefs of that clacc ,shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to 4[three years],or with fine,or with both.]

(The indian penal code p -505 Universal new publishin co new delhi 2015 ad)

اس دفعہ کو ۱۹۲۷ء میں شامل کیا گیا اس میں نمبر ۲ کے الفاظ ۱۹۵۰ میں زائد کئے گئے اور نمبر ۳ کے الفاظ کا اضافہ ۱۹۶۱ء میں ہوا اسی طرح نمبر ۴ کے الفاظ بھی ۱۹۶۱ء میں ہی شامل کئے گئے تھے۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ ہندوستان میں ہر مذہب کے ماننے والے پائے جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے مذہب پر کسی نہ کسی طرح سے لوگ حملہ کرتے ہی رہتے ہیں جس سے مخالف کی ایذاء رسانی سے لوگ دکھ اٹھاتے ہی رہتے ہیں۔ اس لئے یہاں جو قانو بنایا گیا اس میں کسی خاص مذہب کو ملحوظ رکھ کر یہ قانون نہیں بنایا گیا تھا اور نہ ہی اس قانون کو بنانے میں کسی مذہب کے اصول اور قانون کو ہی مدنظر رکھا گیا۔ عمومی تأثر اکثر مذاہب والوں کے نظریات سے یہ دکھائی دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی نبی یا کسی مقدس کتاب کے لئے توہین آمیز الفاظ استعمال کرے تو بس ایک ہی مطالبہ ہوتا ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اور ہر کوئی مذہبی جنون

سے لبریز ہو کر اسی بات کا مطالبہ کرتا ہے اور اس سے کم پر راضی دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ اکثر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ لوگ حکومت وقت سے چارہ جوئی کرنے کی بجائے خود ہی حاکم بن کر قتل بھی کر دیتے ہیں اور ایسے شخص کو لوگ قوم کا ہیرو مان کر اس کی عزت وتکریم بھی شروع کر دیتے ہیں جبکہ ملکی قانون ایسا کرنے والے کو مجرم گردانتا ہے۔ آج مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے کوئی شخص قلم سے یا زبان سے توہین رسالت کرتا ہے تو بڑے بڑے علماء فوراً ایسے شخص کے خلاف قتل کا فتویٰ جاری کر دیتے ہیں اور یہ لوگ ایسے فتویٰ کو عین اسلام بیان کرتے ہیں۔ لیکن جائزہ لینے والی بات یہ ہے کہ کیا یہ اسلام کی تعلیم ہے؟ قرآن کریم اس کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ جبکہ قرآن کریم جا بجا انصاف اور عدل کی تعلیم دیتا ہے۔ کیا کسی کی تقریر اور تحریر کا جواب قتل کی صورت میں دیا جانا جائز ہے؟ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اس سلسلہ میں اُسوہ کیا تھا؟ یہ سب تحقیق طلب باتیں ہیں جس کا انشاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر جائزہ لیا جائے گا۔

حق آزادیٔ رائے

اس سلسلہ میں بھی جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہر شخص کو اپنی رائے پیش کرنے کا حق حاصل ہے اور یہ اس کا بنیادی حق ہے۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہر انسان کو اپنی بات رکھنے کا حق حاصل ہے۔اور ہر مذہب اس کی اجازت دیتا ہے اور ہر حکومت اور ہر ملک بھی آزادیٔ رائے کا حق دیتا ہے۔لیکن جائزہ لینے والی یہ بات ہے کہ آزادیٔ رائے کا حق کس حد تک ہے اور کس حد کے بعد حکومت اپنا بھی حق سمجھتی ہے۔؟ دوسری بات یہ بھی دیکھنی ہوگی کہ آزادیٔ رائے کو بنیاد بنا کرا گر کوئی کسی کے پیارے کی یا کسی کی مقدس کتاب کی تحریری طور پر یا تقریری طور پر یا عملی طور پر توہین کرتا ہے تو ایسی صورت میں اس سے بدلہ کس صورت میں اور کس حد تک لیا جاسکتا ہے۔؟ تیسری بات یہ بھی دیکھنے والی ہے کہ آزادیٔ رائے کی بات کرنے والے اپنے بارے میں تو اس حق کو تسلیم کرتے ہیں لیکن جب دوسرا بھی اس حق کو اپنے لئے استعمال کرنا چاہے تو اس پر کس حد تک پابندی لگانے کا حق حاصل ہے؟

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہر شخص کو آزادیٔ رائے کا حق حاصل ہے۔اور یہ حق اسے ہر مذہب اور ہر حکومت دیتی ہے۔اگر اس حق پر پابندی لگادی جائے تو کوئی بھی ملک وقوم ترقی نہیں کرسکتی۔اور یہی حال مذہب کا بھی ہے دیکھا یہ جاتا ہے کہ لوگ سیاست میں رہن سہن، ثقافت، تجارت، صنعت وحرفت الغرض دنیاداری کے ہر معاملہ میں آزادیٔ رائے کے حق کو تسلیم کرتے ہوئے پوری طرح اتفاق رائے اور اختلاف رائے کو برداشت کرتے ہیں۔لیکن جیسے ہی مذہب کا معاملہ آتا ہے تو سب کی تیوریاں چڑھ جاتی ہیں اور وہاں آزائی رائے پر تبر رکھ دی جاتی ہے اور اسے برداشت نہیں کیا جاتا۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہر معاملہ میں آزادیٔ رائے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے تو پھر مذہب کے معاملہ میں یہ حق

کیوں چھینا جاتا ہے؟ حالانکہ غایت نظر سے دیکھا جائے تو آزادئ رائے کا حق دراصل مذہب ہی نے انسان کو دیا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رہبر نہیں آیا تھا اس وقت تک انسان اور جانوریں کوئی فرق نہ تھا۔ دنیا میں زندگی گزارنے کے اصول اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے انبیاء ہی نے سکھائے ہیں۔ اور وہ بھی آہستہ آہستہ جیسے جیسے انسانی عقل پروان چڑھتی گئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مطابق انبیاء کے ذریعہ اس کی ھدایت کے سامان پیدا ہوتے رہے اور انسان آہستہ آہستہ ترقی کرتا رہا یہاں تک کے وہ اشرف المخلوقات ٹھہرا۔ دنیا میں انبیاء کا سلسلہ ابتداء آفرینش سے ہے اللہ تعالیٰ کے انبیاء نے اللہ سے حکم پا کر انسان کی راہنمائی کی۔ سلسلہ انبیاء کو دیکھا جائے تو جب بھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کوئی پیغام دنیا والوں کو دیا تو دنیا والوں نے ہمیشہ ہی ان سے اختلاف کیا اور انکار کیا۔ اس انکار کی بڑی وجہ ہی یہی رہی کہ وہ اپنے اباء واجداد ہی کے دین کو سچا مانتے تھے اور کسی نئے نبی کے آنے کا تصور بھی نہیں رکھتے۔ ہاں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ فراصت عطا کرتا ہے وہ آنے والے انبیاء کو قبول کرتے ہیں۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انکار کرنے والے ہمیشہ ہی ایمان لانے والوں کو بے دین اور مرتد کے خطابات سے نوازتے رہے ہیں۔ اور انہیں ہمیشہ ہی توہین انبیاء کے مرتکب گردانتے رہے۔

ہوتا یہ ہے کہ انبیاء پر ایمان لانے والے سابقہ انبیاء کے بارے میں اپنی زبان سے کوئی بھی ایسا جملہ نہیں نکالتے جس سے ان انبیاء کی توہین ہو کیونکہ وہ انہیں آنے والے نبی پر ایمان لانے سے قبل بھی سچا نبی ہی مانتے ہیں اور اس کی عزت کرتے ہیں اس لئے آنے والے بنی پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ سابقہ انبیاء کو بھی اسی طرح کا سچا اور قابل تعظیم نبی مانتے ہیں اس لئے ان کی طرف سے تو انبیاء کی توہین کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں آپ کو

ہمیشہ یہی دکھائی دیگا کہ انبیاء کاانکار کرنے والوں ہی نے ہمیشہ ایسے الزام ایمان لانے والوں پر لگائے ہیں۔اوران کے خلاف کفر کے فتوے بھی دیئے اور قتل کے فتوے بھی دئے۔ایسی ایک بھی مثال کسی بھی نبی کی زندگی سے پیش نہیں کی جاسکتی۔انبیاء کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے۔

بڑی عجیب بات ہے کہ جب بھی کوئی نبی آیا تو ہمیشہ اس کاانکار کرنے والوں ہی نے اس سے اوراس پر ایمان لانے والوں سے زیادتی کی اوران پر الزامات بھی لگائے۔اوران کے لئے توہین آمیز الفاظ بھی استعمال کئے ایمان لانے والوں کو دکھ بھی دیئے اوران کو مارا پیٹا بھی گیا اور قتل تک کیا گیااس کے مقابلہ پر انبیاء اوران پر ایمان لانے والوں نے انکار کرنے والوں سے کبھی بھی ایسا سلوک نہیں کیا بلکہ ہمیشہ ان سے درگذری کی اوران کی گستاخیوں کے باوجود انہیں معاف کیا۔اگر سابقہ انبیاء کا ذکر نہ بھی کیا جائے توبھی ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اُسوۂ اور نمونہ شہادت کے لئے کافی ہے۔

یہ حقیقت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ رسول کریم ﷺ کو تضحیک واستہزاء کا نشانہ بنانے والے ہر زمانے میں موجود رہے ہیں۔حتیٰ کہ سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی موجود تھے۔لیکن غور کرنے اور سمجھنے والی بات یہ ہے کہ ایسے گستاخان رسول کے ساتھ خود سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کا اپنا سلوک وطریق کیا تھا۔ایسے نازک وحساس اور جزباتی معاملہ پر مسلمانوں کو اسوۂ رسول کریم ﷺ پر ہی عمل کرنا چاہیئے۔کیونکہ اسی میں اسلام کی تعلیمات اور اخلاق کی سربلندی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں رسول کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (سورۃ القلم آیت 5)

اے محمدؐ آپ نہایت ہی علیٰ درجہ کے اخلاق پر قائم ہیں۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (سورة الانبیاء آیت 106)

یعنی ہم نے تجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت کے طور پر بھیجا۔

وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (سورة المائدہ آیت 68)

اللہ تجھے لوگوں کے حملوں سے محفوظ رکھے گا۔

پہلی آیت میں بیان ہوا ہے کہ محمد ﷺ نہایت ہی اعلیٰ اخلاق پر قائم ہیں۔رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ شاہد ہے کہ آپ ﷺ نے ہر نازک سے نازک موقعہ پر بھی اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ فرمایا۔حالات کے ہر موڑ پر اپنے اور بے گانوں نے آپ ؐ کے اعلیٰ اخلاق کو ہی دیکھا۔چند مثالیں پیش ہیں۔

امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس چند یہودی آئے۔اور اُنہوں نے السَّلَامُ عَلَيۡكُمۡ کی بجائے السَّامُ عَلَيۡكَ يَا اَبَا الۡقَاسِمِ کہا۔ یعنی تجھ پر ہلاکت ہو (نعوذ باللہ) رسول کریم ﷺ نے جواب میں صرف اتنا فرمایا عَلَيۡكُمۡ ،یعنی (جو کچھ تم نے مجھے کہا ہے وہ تمہیں پر ہو) حضرت عائشہ ؓ نے یہود کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔ ''عَلَيۡكُمُ السَّامُ الذَّامُ'' یعنی تم پر ہی ہلاکت ہو تمہاری مذّمت ہو آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔ ''يَا عَائِشَةُ لَا تَكُونِيۡ فَاحِشَةً'' اے عائشہ سخت کلامی سے پرہیز کرو۔حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا حضور آپ نے سنا نہیں کہ یہود نے کیا کہا ہے۔رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ سنا ہے۔اور کیا تم نے میرا جواب نہیں سنا۔قُلۡتُ عَلَيۡكُمۡ ۔جو تم نے کہا وہ تم پر لوٹے۔رسول کریم ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ کو فرمایا يَا عَائِشَةَ ۔اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الرِّفۡقَ فِي الۡاَمۡرِ كُلِّهٖ۔اے عائشہ یقینا اللہ ہر معاملہ میں نرمی پسند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب السلام)

حضرت مصلح موعودؓ اس حدیث کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی یہ عادت تھی کہ وہ رسول کریم ﷺ کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کرتے جو گستاخانہ بھی ہوتے اور عامیانہ بھی۔ اور اس سے انکا مقصد محض رسول کریم ﷺ کی تذلیل اور آپ ؐ کا استخفاف ہوتا۔'' (تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 90)

اس حدیث سے یہ علم ہوتا ہے کہ مخالفین اسلام آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں گستاخیاں کرتے رہیں مگر آپ نے ہر موقعہ پر اعلیٰ اخلاق کا نمونہ دکھلایا۔ مدینہ میں آپ صاحب اقتدار تھے۔ اگر آپ چاہتے تو ایسی توہین اور گستاخی کرنے والوں کو قتل کروا سکتے تھے یا کوئی اور سزا دلوا سکتے تھے۔ مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ حضرت ام المومنینؓ کے ذریعہ رہتی دنیا تک کے مسلمانوں کو یہ سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ بدزبان کو پسند نہیں کرتا۔ اس لئے کسی مسلمان کو بد زبانی نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

مدینہ میں سب سے بڑا گستاخ رسول عبداللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین تھا۔ اس کا تعلق مدینہ کے ایک عرب قبیلہ خزرج سے تھا۔ یہ شخص بظاہر تو مسلمان تھا مگر اندرونی اور باطنی طور پر آنحضرت ﷺ کا بدترین دشمن و مخالف تھا۔ وہ مسلمانوں کو باہم لڑوانے اور انہیں نقصان پہنچانے کا کوئی موقعہ ضائع نہیں ہونے دیتا تھا۔ خفیہ سازشیں کرنا اس کا معمول تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے غزوہ مصطلق پر سیدنا محمد ﷺ کی نسبت اعلان کیا تھا کہ

لَئِنْ رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ

(سورۃ المنافقون سورۃ آیت 9)

یعنی اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے تو جو مدینہ کا سب سے معزز آدمی ہے (یعنی وہ) مدینہ کے سب سے ذلیل آدمی کو اس سے نکال دے گا۔ معزز آدمی سے مراد اس کی اپنی ذات

تھی۔اور ذلیل سے مراد (العیاذ باللہ) نبی کریم ﷺ تھے۔

اُس کی مخالفانہ کاروائیوں سے تو تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔جن کا بیان محدود وقت میں ممکن نہیں۔بطور نمونہ چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔شوّال 3ھ بمطابق مارچ 624 میں کُفّار مکہ غزوہ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے ابوسفیان کی سر کردگی میں تین ہزار جنگجوؤں کے لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ کے لئے مدینہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔آنحضرت ﷺ کی سر کردگی میں مسلمانوں کا ایک ہزار افراد پر مشتمل لشکران کو مدینہ پر حملہ کرنے سے روکنے کے لئے احد کے میدان کی طرف روانہ ہوا۔ایسے خطرناک اور نازک وقت میں عبداللہ بن ابی بن سلول نے غداری کی اور راستے سے اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس مدینہ لوٹ گیا۔

دنیا کے ہر ایک ملک اور قوم میں غدّاری کی سزا موت ہے۔مگر اُس ''غدّار'' اور گستاخ کو رسول کریم ﷺ نے دنیا کے حکمران کی طرح موت کی سزا نہیں دی بلکہ اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔قرآن کریم کے بیان کے مطابق جس کا اوپر کی ایک آیت میں ذکر کیا ہے غزوہ بنو مصطلق کے موقعہ پر اسی نے یہ اعلان کیا تھا کہ ''مدینہ جا کر عزت والا شخص یا گروہ ذلیل شخص یا گروہ کو مدینہ سے باہر نکال دیگا۔'' عبداللہ بن ابی سلول کا بیٹا جو ایک مخلص صحابی تھا جب یہ بات اُس نے سنی تو گھبرایا ہوا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہؐ میں نے سنا ہے کہ آپ میرے باپ کی گستاخیوں کی وجہ سے اسکے قتل کا حکم دینا چاہتے ہیں۔اگر آپ کا یہی فیصلہ ہے تو آپ مجھے حکم فرمائیں میں ابھی اپنے باپ کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں لا ڈالتا ہوں۔مگر آپ کسی اور کو ایسا ارشاد نہ فرمائیں کیوں کہ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی جاہلیت کی رگ میرے بدن میں جوش مارے اور میں اپنے باپ کے قاتل کو کسی وقت کوئی نقصان پہنچا بیٹھوں اور خدا کی رضا چاہتا ہوا بھی جہنم میں جا گروں۔

سیدنا حضرت محمد مصطفٰے ﷺ نے اس موقعہ پر اسے تسلی دی اور فرمایا ہمارا ارادہ اُسے قتل کرنے کا ہرگز نہیں بلکہ ہم تمہارے والد کے ساتھ نرمی اور احسان کا معاملہ کریں گے۔ مگر اللہ تعالی نے عبداللہ بن ابی سلول کو گستاخی کی سزا خود اسکے بیٹے کے ذریعہ دلوادی وہ اس طرح کہ جب لشکر اسلامی مدینہ کی طرف لوٹا تو عبداللہ اپنے باپ کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا خدا کی قسم میں تمہیں مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تم اپنے منہ سے یہ اقرار نہ کرو کہ رسول اللہ ﷺ معزز ہیں اور تم ذلیل ہو۔ آخر عبداللہ ابن ابی سلول نے مجبور ہو کر یہ اقرار کیا کہ سیدنا محمد مصطفٰے ﷺ ہی معزز و مکرم ہیں اور میں ذلیل ہوں۔ اس واقعہ سے واضح ہے کہ اللہ تعالی نے گستاخ رسول کی گستاخی کی سزا خود ہی اس کے اپنے بیٹے کے ذریعہ دلوادی۔

عبداللہ ابن ابی سلول جب مرض الموت میں مبتلا تھا رسول کریمؐ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ عبداللہ بن ابی سلول نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ مجھے اپنی قمیص عطا فرمائیں جو آپ نے پہن رکھی ہے اور اسی میں میری تکفین فرمائیں میری نماز جنازہ پڑھائیں اور میرے لئے دعائے مغفرت بھی کریں۔ ماہ ذی قعدہ 9ھ ہجری یعنی 631 عیسوی کو عبداللہ بن ابی سلول کی وفات ہو گئی۔ جب رسول کریم اُس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو روک کر اس کی ساری گستاخیوں کا ذکر کر کے عرض کیا کہ کیا آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے جو رئیس المنافقین ہے کیا ایسے لوگوں کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے اللہ تعالی نے منع نہیں فرمایا ہے رسول کریم ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ

مجھے اللہ تعالی نے اختیار دیا ہے کہ اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ،

(التوبہ آیت 80)

تو اُن کے لئے استغفار کر یا نہ کر ان کے لئے برابر ہے۔ اگر تو ان کے لئے ستّر بار بھی استغفار کریگا تو اللہ ان کو کبھی معاف نہیں کریگا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ علم ہو جائے کہ ان کے لئے ستّر مرتبہ سے زیادہ مغفرت مانگنے سے اس کی مغفرت ہوجائے گی تو میں وہ بھی کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رَحْمَۃً لِلْعَالَمِیْن کے جذبہ رحمت کی تاب نہ لا سکے اور پیچھے ہٹ گئے۔ جنازہ کے بعد اسے قبر میں اتارا گیا تو آپ نے اسے واپس نکالنے کا حکم دیا۔ نکلوانے کے بعد آپ نے اس کا سر اپنی گود میں رکھا اور اپنا لعاب دہن اس کے منہ پر انڈیلا اور اسے قبر میں اتارنے کا حکم دیا۔ تدفین کے بعد آپ واپس لوٹے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ

(التوبہ آیت 84)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو عبد اللہ بن ابی بن سلول کا جنازہ پڑھانے سے قبل ہی رسول کریم ﷺ پر مذکورہ آیات نازل فرما سکتا تھا اور نماز جنازہ ادا کرنے سے روک سکتا تھا۔ مگر ایسا نہیں کیا غالباً اس میں حکمت یہ تھی اللہ تعالیٰ اپنوں اور بیگانوں کو یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ اے دنیا والو دیکھو جسے میں نے رَحْمَۃً لِلْعَالَمِیْن بنایا ہے اور اعلیٰ اخلاق سے ممیّز کیا ہے، اس کی رحمت اور اعلیٰ اخلاق کا اندازہ لگاؤ کہ اشد ترین گستاخ بھی اس کی رحمت سے محروم نہیں رہا۔ اگر عبد اللہ بن ابی سلول کے جنازہ ادا کرنے سے قبل یہ حکم نازل ہوجاتا تو سیدنا محمد مصطفےٰ ﷺ کی رحمت اور اعلیٰ اخلاق کا عظیم جلوہ دنیا کے سامنے نہ آتا۔

اسی طرح ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ انصاری سردار حضرت سعد بن عبادہ ؓ کے عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ راستہ میں یہود مشرکین اور مسلمانوں کی ایک مجلس میں یہی منافقوں کا سردار عبد اللہ بن ابی سلول بھی موجود تھا۔ رسول اللہ ؐ کی سواری کے آنے سے گرد اُٹھی تو اس نے

منہ ڈھانپ لیا اور رسول اللہؐ کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ نبی کریمؐ جب سعد بن عبادہؓ کے گھر پہنچے اور ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو انہوں نے عبداللہ بن ابی سلول سے درگذر کرنے کی درخواست کی۔ اور رسول کریم ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ (بخاری کتاب الاستیذان باب ۲)

دوسری روایت میں ہے کہ رسول کریم ﷺ سردار منافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس سے گزرے وہ ٹیلوں کے سایہ میں بیٹھا ہوا تھا، ناک بھوں چڑھا کر حقارت سے نبی کریم ﷺ کو ابن ابی کبشہ کے نام سے پکار کر کہنے لگا کہ اس نے اپنی ساری غبار ہم پر ڈالی ہے۔ اس کے بیٹے عبداللہؓ نے جو ایک مخلص صحابی اور عاشق رسول تھے عرض کیا یا رسول اللہؐ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو عزت عطا فرمائی ہے۔ اگر آپؐ ارشاد فرمائیں تو میں اس کا سر قلم کر کے آؤں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا نہیں وہ تمہارا باپ ہے اس سے نیکی اور احسان کا سلوک کرو۔ (مجمع الزوائد الھیشمی جلد ۳ صفحہ ۳۱۸)

ایک اندازے کے مطابق آنحضرت ﷺ پر قرآن مجید کا نزول 24 رمضان بمطابق 20 اگست 610ء کو ہوا اور آپ نے مکہ والوں کے مظالم سے تنگ آ کر مورخہ 28 صفر 1 ھجری بمطابق 622ء کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ کم و بیش بارہ تیرہ سال آنحضرت ﷺ نے کفّار مکہ کی گستاخیوں اور زیادتیوں کو بڑے صبر و تحمّل سے برداشت کیا۔ ان سے انتہائی گھٹیا اور تہذیب سے گرے ہوئے الفاظ سنے کسی نے کہا:

اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ (الحجر آیت۔ 7) اے محمد یقین تو ایک دیوانہ ہے۔ اور کسی نے کہا وَ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ (سورۃ ص آیت ۵) محمد ﷺ تو ایک ساحر اور جھوٹا ہے۔

کسی نے یہ کہا کہ محمد ﷺ تو ابتر ہیں اور کسی نے مقطوع النسل کہا آپ انتہائی تکلیف دہ

باتیں سنتے اور خاموش رہتے اور صبر کرتے۔ کفّارِ مکہ کے گستاخ رویّے کی تفصیل کے لئے بے شمار واقعات میں سے صرف دو بیان کرتا ہوں۔ تاریخ اسلام اور سیرت کی کتب میں ذکر ہے کہ سیدنا حضرت محمد مصطفٰے ﷺ ایک دن مکہ میں خانہ کعبہ کے قریب صفا پہاڑی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دوران وہاں سے ابوجہل گزر رہا تھا۔ اس نے حضور ﷺ کو بلاوجہ گالیاں دینی شروع کر دیں۔ وہ گالیاں دیتا رہا اور حضور ﷺ خاموشی سے سنتے رہے۔ کسی قسم کے ردّ عمل کا اظہار نہیں فرمایا۔

حضرت حمزہ کی ایک لونڈی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ رسول کریم ﷺ کی مظلومیت اور خاموشی سے بہت متاثر ہوئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جب جنگل سے شکار کھیل کر واپس آئے تو اس لونڈی نے حضرت حمزہ کو کہا کہ آپ کے بھتیجے کو ابوجہل نے بہت گالیاں دیں اور حضرت محمد مصطفٰے ﷺ سامنے سے بالکل خاموش رہے۔ حضرت حمزہ گو مسلمان نہ تھے مگر دل کے شریف تھے۔ جب حضرت حمزہ نے یہ واقعہ سنا اسی وقت سیدھے خانہ کعبہ کی طرف گئے وہاں ابوجہل بیٹھا تھا۔ آپؓ نے اسکے سر پر کمان ماری اور ابوجہل کو مخاطب کر کے کہا کہ میں ابھی محمد ﷺ کے مذہب کو اختیار کرتا ہوں تم نے صبح صبح اسے بلاوجہ گالیاں کیوں دیں؟ کیا اس لئے کہ وہ آگے سے جواب نہیں دیتا؟ اگر بہادر ہو تو اب میری مار کا جواب دو۔ ابوجہل نے اس خیال سے کہ اگر لڑائی شروع ہو گئی تو اس کا نتیجہ نہایت خطرناک نکلے گا اس لئے مصلحت سے کام لیتے ہوئے ان سے کہا کہ چلو جانے دو زیادتی میری طرف سے ہوئی تھی میں نے آپ کے بھتیجے کو بہت گالیاں دیں۔

(سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 311)

اگر غور کیا جائے تو اس واقعہ میں عصر حاضر کے مسلمانوں کے لئے بہت بڑی نصیحت ہے۔ اسلام

کا اشد ترین دشمن گالیاں دیتا رہا۔ آنحضرت ﷺ خاموش رہے آپ نے کبھی بھی اس سے بدلہ نہ لیا دوسری طرف اس مظلومانہ خاموشی کے باعث حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔

ایک صحابی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول کریم ﷺ کعبہ کے قریب کھڑے نماز ادا کر رہے تھے اور کفّار قریش کا ایک گروہ قریب ہی مجلس لگائے ہوئے بیٹھا تھا ان میں سے کسی نے کہا کہ کوئی ہے جو گند اور گوبر سے بھری ہوئی اونٹ کی اوجھری اس محمدؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان اس وقت رکھ دے جب کہ وہ سجدہ میں ہو۔ ایک کافر ظالم گیا اور اوجھری لے آیا اور آپؐ کے کندھوں پر رکھ دی۔ ہمارے آقا سجدے کی حالت میں ہی پڑے رہے اور کفّار مکہ ہنسنے لگے۔ ہنسی کے مارے وہ ایک دوسرے پر جھک جھک جاتے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر کسی نے جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کو خبر دی۔ وہ بھاگتی ہوئی آئیں۔ اور اس اوجھری کو آپ کے کندھوں سے ہٹایا۔ جب رسول کریم نماز مکمل کر چکے تو فرمایا
اللّٰھم علیك بقریش اللھم علیك بقریش: اے اللہ تو ہی قریش سے سمجھ اے اللہ تو ہی قریش سے سمجھ۔ پھر آپ نے نام لیا، اے اللہ! عمر بن ہشام، عتبہ بن ربیع، شیبہ بن ربیع، ولید بن عتبہ، امیہ بن حلف اور عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید سے سمجھ۔ حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کی اللہ کی قسم میں نے خود ان سب کو بدر کے میدان میں مقتول پایا۔ پھر ان کو بدر کے میدان میں ایک گڑھا کھود کر گھسیٹ کر پھینکا گیا۔ پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ کنویں والے لعنت کے نیچے ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الصلاۃ باب المراۃ تطرح عن المصلّی)

جب آنحضرت ﷺ کی بعثت مبارکہ پر دس سال گزر گئے اور مکہ والوں کی مخالفت

اور گستاخیوں میں روز بروز اضافہ ہونے لگا تو آپ نے تبلیغ اسلام کے لئے طائف جانے کا فیصلہ فرمایا یہ مقام مکہ سے جنوب مشرق کی طرف چالیس میل کے فاصلہ پر تھا۔ چنانچہ مئی یا جون ۶۱۹ء کو آپ وہاں تشریف لے گئے اور دس دن قیام فرمایا۔ اہل طائف نے بھی انتہائی گستاخانہ رویہ اختیار کیا۔ وہاں کے رئیس عبد یالیل (یا ابن عبد یالیل) نے شہر کے آوارہ آدمی آپ کے پیچھے لگا دیئے۔ جب آنحضرت ﷺ شہر سے نکلے تو ان گستاخ اور شر پسند لوگوں نے آپ پر اتنا پتھراؤ کیا کہ آپ کا سارا بدن خون سے تر بتر ہو گیا۔ تین میل تک یہ لوگ آپ کے ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور پتھر برساتے چلے آئے۔

ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ سے فرمایا ''عائشہ تیری قوم کی طرف سے مجھے بڑی بڑی سخت گھڑیاں دیکھنی پڑی ہیں۔ اور پھر آپ نے سفر طائف کے حالات سنائے اور فرمایا کہ اس سفر سے واپسی پر میرے پاس پہاڑوں کا فرشتہ آیا اور کہنے لگا ،یا محمدُ..... اِنْ شِئْتَ اَنْ اُطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْاَخْشَبَيْنِ (بخاری کتاب ،بدء الخلق باب اذا قال احد کم امین)

اے محمد اگر آپ چاہیں تو میں اس اخشبین کے دو پہاڑوں سے ان لوگوں کو کچل دوں۔ اگر اسلام میں ایسی گستاخی کی سزا قتل اور ہلاکت ہوتی اور رسول کریم ﷺ اہل طائف کو سزا دلوانا یا ہلاک کروانا چاہتے تو فوراً جواب دیتے ہاں انہیں کچل کر رکھ دیا جائے ان کی گستاخیاں معافی کے قابل نہیں۔

مگر اس کربناک حالت میں بھی رحمۃ اللعالمین حضرت اقدس محمد مصطفٰے ﷺ نے پہاڑوں کے فرشتوں کو جواب دیا کہ :- ''بَلْ اَرْجُوْا اَنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ اَصْلَابِهِمْ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا''

انہیں ان کی گستاخیوں کے باوجود ہلاک نہ کیا جائے، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالی ان کے اصلاب یعنی اولاد سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

یہ ہے آنحضرت ﷺ کا اُسوۂ اور دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قوموں کو اور ان کی نسلوں کو ھدایت نصیب کی اور وہ لوگ خدائے واحد کے پرستار ہو گئے

حضرت نبی کریم ﷺ کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کئے ہوئے ساتواں سال گزر رہا تھا کہ جمادی الثانی ہجری بمطابق اکتوبر نومبر 628 میں آپ کو اطلاع ملی کہ بمقام نجد میں قبیلہ عطفان اور بنو ثعلبہ مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں۔آپ چند سو صحابہ کے ساتھ اس کے ممکنہ حملہ کو روکنے کے لئے نجد کی طرف روانہ ہو گئے۔قبیلہ عطفان والے ڈر گئے اور راہِ فرار اختیار کی۔جب نبی کریمؐ مدینہ کی طرف واپس لوٹ رہے تھے تو راستے میں آپ ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام فرمانے کے لئے ٹھہر گئے اور تلوار درخت سے لٹکا دی۔صحابہ کرام بھی آرام کرنے کے لئے مختلف درختوں کے سایہ میں آرام کرنے لگے۔اسی حالت میں ایک دشمن آیا اور نبی کریم ﷺ کی تلوار ہاتھ میں پکڑ کر آپ کو نیند سے جگایا اور پوچھا ''مَن یَمنَعُكَ مِنِّی'' مجھ سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ رسول کریم ﷺ نے جواب دیا ''اللہ''۔ یہ سننا تھا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔حضور ﷺ نے تلوار اٹھائی اور اس گستاخ دشمن سے پوچھا' اب مجھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے۔اس پر وہ ڈر کر کہنے لگا آپ ہی ہیں جو مجھ پر رحم کریں۔آپ نے اس سے پوچھا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالی کا رسول ہوں۔اس گستاخ دشمن نے جواب دیا، نہیں لیکن میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ آپ سے کبھی نہیں لڑونگا۔رحمتہ اللعالمین نے اس بڑے گستاخ دشمن کو آزاد کر دیا۔وہ اپنے ساتھیوں

سے جاملا اوران کو بتایا کہ میں ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جو دنیا میں سب سے بہتر ہے۔

(بحوالہ بخاری کتاب المغاری باب غزوۃ ذات الرقاع)

اب دیکھیں دنیا کے ہر قانون کے مطابق قاتلانہ حملہ کرنے والوں کی سزا موت ہے مگر سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایسے سنگین جرم کے ارتکاب کرنے والے گستاخ کو بھی معاف فرمایا اور کوئی بھی سزا نہ دیکر ایک مثال اور نمونہ قائم فرمادیا۔

عہد رسولِ خدا ﷺ میں بڑے بڑے گستاخانِ رسول میں سے ایک شخص **ثُمَامَۃُ بْنِ اُثَال** تھا۔ یہ شخص یمامہ کا رہنے والا تھا۔ قبیلہ بنو حنیفہ کا ایک بااثر رئیس تھا۔ ہمیشہ بے گناہ مسلمانوں کو قتل کرنے کے درپے رہتا تھا۔ ایک دفعہ مسلمان اُس کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ نبی کریمؐ نے اس زمانہ کے رواج کے مطابق مسجد نبوی کے صحن میں ہی کسی ستون کے ساتھ باندھ کر قید کردیا۔

آنحضرت ﷺ ہر روز صبح کے وقت ثمامہ کے قریب تشریف لے جاتے۔ اور حال پوچھ کر دریافت فرماتے کہ "ثمامہ بتاؤ اب کیا ارادہ ہے"؟ ثمامہ جواب دیتا، اے محمد! (ﷺ) اگر آپ مجھے قتل کردیتے تو آپ کو اس کا حق ہے کیوں کہ میرے خلاف خون کا الزام ہے لیکن اگر آپ احسان کریں تو آپ مجھے شکر گزار پائیں گے اگر آپ فدیہ لینا چاہیں تو میں فدیہ دینے کے لئے بھی تیار ہوں، تین دن تک یہی سوال جواب ہوتا رہا۔ آخر تیسرے دن آنحضرت ﷺ نے از خود صحابہ رضی اللہ سے ارشاد فرمایا کہ "ثمامہ کو کھول کر آزاد کردو" صحابہ رضی اللہ عنھم نے فوراً آزاد کردیا اور ثمامہ جلدی جلدی مسجد سے نکل کر باہر چلا گیا۔ صحابہ یہ سمجھے ہوں گے کہ اب وہ اپنے وطن کی طرف واپس لوٹ جائیگا۔ مگر آنحضرت ﷺ سمجھ چکے تھے کہ ثمامہ کا دل مفتوح ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ ایک قریب کے باغ میں گیا اور وہاں سے نہا دھو کر

واپس آیا اور آتے ہی آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا۔

واللہِ مَا کَانَ عَلَی الارضِ وَجہٌ اَبغَضَ اِلَیَّ مِن وَّجھِكَ فَقَد اَصبَحَ وَجُھُكَ اَحَبَّ الوُجُوہِ اَلَیَّ وَ اللہِ مَا کَانَ مِن دِینٍ اَبغَضَ اِلَیَّ مِن دِینِكَ فَاَصبَحَ دِینُكَ اَحَبَّ الدِّینِ اِلَیَّ وَ اللہِ مَا کَانَ مِن بَلَدٍ اَبغَضَ اِلَیَّ مِن بَلدِكَ فَاَصبَحَ بَلَدُكَ اَحَبَّ البِلاَدِ اِلَیَّ (بخاری کتاب المغاری)

اے محمد ﷺ!! خدا کی قسم اس روئے زمین پر جتنے چہرے ہیں ان میں سے مجھے سب سے زیادہ نفرت آپ کے چہرے سے تھی مگر اب خدا کی قسم مجھے آپ کا چہرا سب سے زیادہ محبوب اور پیارا ہے۔ خدا کی قسم آپ کے دین سے زیادہ مجھے کوئی دین ناپسند نہ تھا لیکن آج مجھے آپ کا دین سب سے پیارا ہے۔ خدا کی قسم آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر ناپسند نہ تھا لیکن آج یہ مجھے سب شہروں سے پیارا ہے۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ نے بڑے بڑے گستاخی کرنے والوں کو اپنی دعا اور توجہ اور اپنے حسن اخلاق سے اپنا گرویدہ بنالیا۔ جو لوگ اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے وہی اسلام کے سب سے بڑے خدمت گزار بن گئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالی دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ آنحضرت ﷺ وہاں موجود تھے آپ متعجب تھے اور مسکراتے رہے۔ جب اس آدمی نے زیادہ گالیاں دینی شروع کیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ آنحضرت ﷺ ناراض ہو گئے اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ جب وہ مجھے گالیاں دے رہا تھا تو آپ وہاں تشریف فرما رہے۔ اور جب

میں نے گالیوں کا جواب دیا تو آپ ﷺ ناراض ہو کر چلے آئے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

كَانَ مَعَكَ مَلَكٌ يَرُدُّ عَلَيه فَلَمَّا رَدَدْتَ عَلَيه وَقَعَ الشَّيْطَانُ۔

(مشکوۃ کتاب الآداب باب الرفق) اے حضرت ابوبکر جب تک آپ گالیاں دینے والے کے سامنے خاموش تھے فرشتہ اسے جواب دے رہا تھا۔مگر جب آپ نے جواب دینا شروع کیا تو شیطان آ گیا اور اس وجہ سے میں وہاں سے چلا آیا۔

ایک مرتبہ ایک بدّو نے آپؐ کی خدمت میں دست سوال دراز کرتے ہوئے عجیب گستاخانہ طریق اختیار کیا۔آپؐ کی چادر کو اس نے اتنے زور سے کھینچا کہ آپؐ کی گردن مبارک پر نشان پڑ گئے اور پھر بڑی ڈھٹائی سے کہنے لگا مجھے اللہ کے اس مال سے ادا کریں جو آپؐ کے پاس (امانت) ہے۔آپؐ نے اس دیہاتی کے اس رویّہ پر نہ صرف صبر وضبط اور تحمّل کا مظاہرہ کیا بلکہ نہایت فراخدلی سے مسکراتے ہوئے اس کی امداد کرنے کا حکم دیا۔

(بخاری کتاب النفقات و کتاب اللباس باب البرد)

ایک دفعہ رسول کریمؐ نے ایک بدّو سے ایک وسق خشک کھجور (قریباً سوا دو من) کے عوض اونٹ خریدا۔گھر تشریف لا کر دیکھا تو کھجور ختم ہو چکی تھی۔آپؐ نے کمال سادگی اور سچائی سے جا کر اس بدّو سے صاف صاف کہا کہ اے خدا کے بندے! ہم نے آپ سے خشک کھجور کے عوض اونٹ خریدا تھا اور ہمیں خیال تھا کہ اس قدر کھجور ہمارے پاس ہوگی' مگر گھر آ کر پتہ چلا ہے کہ اتنی کھجور موجود نہیں۔وہ بدّو کہنے لگا اے دھوکے باز۔لوگ اسے ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے کہ رسول اللہؐ کو اس طرح کہتے ہو۔مگر رسول کریمؐ نے فرمایا اسے جانے دو۔

(مسند احمد جلد 6 صفحہ 268 شائع شدہ بیروت)

محاصرہ طائف کی واپسی پر مشہور شاعر کعب بن زہیر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا دراصل اس کے والد زہیر نے اہل کتاب کی مجالس میں ایک نبی کی آمد کا ذکر سن رکھا تھا اور اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ اسے قبول کریں۔ رسول اللہؐ کی بعثت پر اس کے ایک بیٹے بُجیرؓ نے تو اسلام قبول کرلیا۔ جب کی کعب رسول اللہؐ اور مسلمان خواتین کی عزت پر حملہ کرتے ہوئے گندے اشعار کہتا تھا۔ فتنہ پردازی کرتا لوگوں کو آپ کے خلاف مشتعل کرتا تھا اس بنا پر رسول اللہؐ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔

کعب کے بھائی نے اسے لکھا کہ مکہ فتح ہو چکا ہے اس لئے تم آ کر رسول اللہؐ سے معافی مانگ لو۔ چنانچہ اس نے رسول اللہؐ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا جو ''بَانَتْ سُعَادُ'' کے نام سے مشہور ہے۔ وہ مدینہ آ کر اپنے ایک جاننے والے کے پاس ٹھہرا۔ اہل مدینہ میں سے اسے کوئی پہچانتا نہ تھا۔ اس نے فجر کی نماز نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی میں جا کر ادا کی اور رسول اللہؐ کی خدمت میں اپنا تعارف کروائے بغیر کہنے لگا یا رسول اللہؐ! کعب بن زہیر تائب ہو کر آیا ہے اور معافی کا خواستگار ہے اگر اجازت ہو تو اسے آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے؟ آپؐ نے فرمایا ''ہاں'' تو کہنے لگا ''میں ہی کعب بن زہیر ہوں'' یہ سنتے ہی ایک انصاری حضورؐ کے سابقہ حکم کے مطابق اسے قتل کرنے کے لئے اٹھے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا نہیں اب اسے چھوڑ دو' یہ معافی کا خواستگار ہو کر آیا ہے۔ پھر اس نے اپنا قصیدہ حضورؐ کی شان میں پیش کیا جس میں یہ شعر بھی پڑھا۔

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَیْفٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ   مُھَنَّدٌ مِنْ سَیُوْفِ اللہِ مَسْلُوْلُ

یعنی یہ رسول ایک ایسی تلوار ہے جس کی چمک سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ یہ زبردست سونتی ہوئی ہندی تلوار ہے جو اللہ کی تلواریں سے ہے۔ رسول اللہؐ یہ قصیدہ سن کر بہت خوش

ہوئے اور اپنی چادر دست مبارک سے بطور انعام اس کے اوپر

ڈال دی۔ یوں یہ دشمن رسول آپؐ کے دربار سے معافی کے ساتھ انعام بھی لیکر لوٹا۔

(سیرت حلبیہ جلد3 صفحہ 215, 214 بحوالہ اسوۂ انسان کامل صفحہ 566.567

مطبوعہ مصطفٰے اکیڈمی لاہور)

اگر دیکھا جائے تو آنحضرت ﷺ کی سیرت میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں کہ دشمنان رسول نے آنحضرت ﷺ کے سامنے کئی کئی مرتبہ گستاخیاں کیں برا بھلا کہا اور ان کی لمبی داستانیں موجود ہیں لیکن آپ نے ان کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کیا اور درگزر فرمایا۔ اس کے مقابل پر ایک بھی ایسی مثال پیش نہیں کی جاسکتی کہ آپ نے کسی کے ساتھ گستاخیاں کی ہوں اور کسی معاملہ میں زیادتی کی ہو۔ اس بات میں بھی شک نہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بعض لوگوں کو جو حد سے آگے گزر گئے تھے انہیں قتل کرنے کا بھی حکم دیا لیکن یہ حکم صرف زبان سے گستاخانہ کلمات کہنے کی بنا پر نہیں دیا بلکہ دیکھا جائے تو ایسے لوگوں کی زبانی گستاخیوں کے ساتھ ساتھ خود رسول خدا ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف قتل کی سازشوں' غداری' بغاوت اور فتنہ پردازیوں کی بنا پر حکم جاری کیا وہ بھی اس صورت میں کہ آپ اس وقت حاکم وقت بھی تھے اور آپؐ کی ایک حیثیت آزاد مملکت اسلامیہ کے حاکم کی بھی تھی۔ چونکہ آپ حاکم بھی تھے اس لئے جس نے باوجود ہر قسم کی گستاخیوں اور شوخیوں اور فتنہ پردازیوں کے معافی طلب کی آپ نے انہیں معاف بھی کر دیا۔ آپ کے اسوۂ کی یہ مثالیں اس بات کی حد بندی کرتی ہیں کہ آزادئ رائے کی حد کہاں تک ہے اور پھر کس حد سے حاکم وقت کو کسی کی سزا مقرر کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس سے ایک بات یہ بھی عیاں ہوتی ہے کہ کوئی بھی شخص جو توہین رسول توہین اسلام یا توہین قرآن کرے کسی کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ وہ از خود ہی کسی کے قتل کا فتویٰ

دیدے یا قتل کردے۔ ایسا فیصلہ کرنے کا حق صرف اور صرف حکومت وقت اور حاکم وقت کو حاصل ہے۔ جو واقعات اوپر بیان کئے گئے ہیں عصر حاضر کے مسلمانوں کے لئے اس میں بہت بڑا اسبق ہے۔ مسلمانوں کو ہمیشہ اسوۂ رسول ﷺ پر عمل کرنا چاہئے اور کبھی بھی اس حد سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے جس سے آگے بڑھنے کی اسلام، قرآن اور اسوۂ رسولؐ اجازت نہیں دیتا۔

اب میں تیسری بات کی طرف آتا ہوں کہ کیا آزادئ رائے کا حق کسی قوم کسی مذہب یا کسی شخص کے لئے ہی خاص ہے یا پھر یہ حق ہر کسی کو حاصل ہے۔؟ دیکھا یہ جاتا ہے کہ تمام دنیا کے ممالک قانونی لحاظ سے ہر شخص کو یہ حق دیتے ہیں۔ اور آج کل تو یہ آواز زیادہ ہی بلند ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ دنیاداری کے لحاظ سے دیکھا جائے تو تجارت ہو سیاست ہو ثقافت ہو ہمیں ان تمام امور میں آزادئ رائے دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کوئی چیز تیار کرتا ہے اسے دیکھا دیکھی دوسرا بھی تیار کر لیتا ہے۔ دوسرے شخص کو اپنی چیز بیچنے کے لئے پہلے والے کی بنائی ہوئی چیز کی دو چار خامیاں بیان کر کے اپنے سامان کی دو چار خوبیاں بتانی ہونگی تبھی اس کا مال فروخت ہوگا یہ تنقید کہلاتی ہے۔ جب پہلے والے کو دوسرے کا پتہ چلتا ہے تو وہ بھی مارکیٹ میں اترنے والے نئے مال کی خوب برائی کر کے اپنے مال کو اچھا بتانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے لیکن کسی نے بھی آج تک یہ نہیں دیکھا ہوگا کہ کوئی اس ایک دوسرے کے مال پر تنقید کے نتیجہ میں ایک دوسرے کے خلاف قتل کا فتویٰ دیکر اس تنقید کرنے والے کو قتل کردے۔ یہ میں نے ایک مثال دی ہے دنیاداری کے تمام معاملات میں خوب تنقید بھی ہوتی ہے اور برداشت بھی کی جاتی ہے لیکن جہاں مذہب اور دین کا معاملہ آتا ہے تو لوگوں کے رجحانات یکسر تبدیل ہو جاتے ہیں اور ذرا سی تنقید پر بھی ایک دوسرے کو مارنے توڑنے میں لگ جاتے ہیں جب کہ دین اور مذہب ہی

انسان کو صبر و تحمل کی تلقین کرتا ہے۔

ایک انسان جب بازار میں ایک مٹّی کا برتن ہی خریدنے جائے تو وہ اسے بھی اٹھا کر آگے پیچھے سے اور بجا کھنکا کر دیکھتا ہے کہ کہیں خراب تو نہیں ٹوٹا تو نہیں اور ہم میں سے ہر شخص اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ یہ برتن اگر ہاتھ سے ایک مرتبہ بھی گر گیا تو یہ ٹوٹ جائے گا اور کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ جبکہ دین کے بارے میں ہم میں سے ہر کوئی یہ یقین رکھتا ہے کہ یہ ایسا سودا ہے جس سے انسان نے زندگی بھر فائدہ حاصل کرنا ہے اور مرنے کے بعد بھی اسی کی بنیاد پر اُخروی زندگی میں جنّت یا دوزخ کا حصول ہوگا۔ لیکن کوئی بھی مذہب والا اپنے دین سے ہٹ کر کسی دوسرے کے دین کے بارے میں غور و فکر کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اگر کوئی دوسرے کے دین پر غور و تدبر کر کے اسے قبول کر لے تو فوراً اس پر کفر کا ارتداد کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ ہر گز نہیں جب قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی تو پھر ہر شخص اس بات میں قرآن کریم کے حکم کے مطابق آزاد ہے کہ وہ کسی پیغام کو قبول کرے یا نہ کرے۔ جب بھی کسی دین کے معاملہ میں بات کی جاتی ہے تو جہاں ایک مذہب کی خوبیاں لوگوں کو بتائی جاتی ہیں تو دیگر مذاہب کی کمیوں پر بھی غور ہونا لازمی ہے کہ تا یہ جانچا جائے کہ تمام مذاہب میں خوبیوں سے بھر پور کون سا دین ہے جیسا کہ ہم کوئی شے خریدتے وقت ایک کے مقابل دوسری شے میں زیادہ خوبیوں کو تلاش کرتے ہیں پھر زیادہ خوبیوں والی شے خرید کرتے ہیں۔

دین کے معاملہ میں ہر مذہب والا اپنے مذہب کی خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے دیگر مذاہب پر تنقید کرنے پر آزادئ رائے کے نام پر تو اپنے حق کو محفوظ کرتا ہے لیکن اگر دوسرا بھی اس حق کو استعمال کرنا چاہے تو اس کو گستاخی اور توہین کا نام دیدیا جاتا ہے۔ اسلام ہر شخص کو

آزادیٔ رائے کا حق تو دیتا ہے لیکن اس کی حدود مقرر کی ہیں کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ ان سے تجاوز کرے اور ایسی باتیں دیگر مذاہب اور ان کے پیشواؤں کی طرف منسوب کرے جن سے ان کے ماننے والوں کی دل آزاری ہو۔ جب معاملہ یہاں تک بڑھ جائے تو وہاں سے حکومت وقت اور حاکم وقت کی حد شروع ہو جاتی ہے جیسا کہ اوپر بیان کی گئی مثالوں سے ظاہر ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ جب بھی کوئی کسی کے پیارے کے بارے میں کوئی نازیبا الفاظ استعمال کرتا ہے تو جائزہ لینے والی بات یہ ہے کہ اگر وہی الفاظ اس کے پیاروں کے لئے استعمال کئے جائیں تو کیا وہ بھی اسے برداشت کر سکتا ہے اگر ایسا ممکن نہیں ہو سکتا کہ وہ اسے برداشت کرے تو پھر یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے آزادیٔ رائے کے حق سے تجاوز کیا ہے۔ اگر ایسے الفاظ کا استعمال کوئی زبانی یا تحریر کرے گا تو مدمقابل کو یہ تو حق حاصل ہے کہ وہ بھی اس کا مناسب رنگ میں جواب دے خواہ تحریری یا زبانی لیکن کسی کو یہ حق قطعاً حاصل نہیں کہ اس کی تحریر یا تقریر کے بدلہ میں اس کو قتل کرنے کا فتویٰ دے یہ انصاف کے خلاف ہے قرآن کریم اس قسم کی ناانصافی کی قطعاً اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی آنحضرت ﷺ کے اسوۂ سے ایسی کوئی مثال دکھائی دیتی ہے۔

اوپر پیش کی گئی مثالوں سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو زبانی اور تحریری طور پر آنحضور ﷺ کی توہین کرتے تھے ان کے مقابلہ کے لئے آنحضرت ﷺ کے اصحاب میں بھی ایسے صحابی موجود تھے جو توہین آمیز اشعار کا اشعار ہی میں جواب دیا کرتے تھے۔ کعب بن اشرف جو اسلام اور آنحضور ﷺ کا اشد ترین دشمن تھا اشعار لکھ لکھ کر آپؐ کے بارے میں توہین آمیز الفاظ کا استعمال کرتا اس کے جواب میں حضرت حسّان بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ اشعار کہا کرتے تھے۔ (سیرت ابن ہشامؒ جلد

۲ ۔اردو ترجمہ صفحہ ۱۹ تا ۲۱ مطبوعہ اعتقاد پبلشنگ ہاوس سوئی والا دہلی ۲) کعب بن اشرف کو آنحضور ﷺ نے ایک عرصہ بعد قتل کرنے کا بھی حکم دیا تھا لیکن آپ ؐ کا یہ حکم صرف اشعار لکھنے اور توہین آمیز الفاظ کہنے کی بناء پر نہیں تھا بلکہ اس کو قتل کرنے کا حکم دیگر وجوہات کی بنا پر فرمایا تھا اس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی ۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام ہر معاملہ میں انصاف کا حکم دیتا ہے اسلام بدلہ لینے کی اجازت تو دیتا ہے لیکن اسی کے برابر جتنا اور جیسی زیادتی دوسرے نے کی ۔ یہ ناانصافی ہوگی کہ زبان اور قلم کا بدلہ تلوار سے لیا جائے ۔

سخت گوئی اور قرآنی تعلیم

قرآن کریم کی تعلیم ہمارے لئے ایک لائحہ عمل ہے اور ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی تعلیم قیامت تک کے مسائل کو حل کرنے میں راہنما ہے۔ قرآن کریم نے بہت سے انبیاء کا ذکر فرمایا ہے جس میں ان پر ایمان لانے والوں کا بھی ذکر ہے اور انکار کرنے والوں کا بھی ذکر ہے اور اس بات کو بھی محفوظ کیا ہے کہ ان کے مخالفوں نے نبیوں کے ساتھ کیا کیا سلوک کیا اور کیسے کیسے استہزاء کئے گئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۔
(یٰس آیت ۳۱)

یعنی۔ ہائے افسوس ہے مجھے اپنے بندوں پر جب بھی ان کی طرف کوئی رسول بھیجا گیا اس سے صرف انہوں نے استہزا ہی کیا۔

قرآن کریم کی یہ آیت اگر ایک طرف مخالفین کے کردار کو پیش کر رہی ہے تو دوسری طرف یہ انبیاء کی صداقت کو بھی پیش کرتی ہے۔ انبیاء کی تاریخ کو دیکھا جائے تو کوئی ایک نبی بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا جس کی مخالفت نہ کی گئی ہو اور اس سے ہنسی اور مذاق کر کے ان کی توہین نہ کی گئی ہو۔ لیکن انبیاء کی تاریخ میں سے کوئی ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا کی کسی نبی نے ہنسی اور مذاق اور توہین کے بدلہ میں کبھی کسی کے ساتھ ہنسی مذاق اور ان کی توہین کی ہو بلکہ ہمیشہ ہی انبیاء نے ان کے مقابل خود بھی صبر کیا اور اپنے ماننے والوں کو بھی صبر ہی کی تعلیم دی۔ اگر دیکھا جائے تو ان باتوں کا سب سے زیادہ نشانہ ہمارے پیارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کو بنایا گیا آپ ؐ کو ہر قسم کا دکھ دیا گیا اور تکلیف پہنچائی گئی لیکن آپ نے ہمیشہ قرآنی تعلیم کے مطابق صبر ہی کیا اور اپنے ماننے والوں کو صبر ہی کی تلقین فرمائی۔ اسی بات کی گواہی دیتے ہوئے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (ال عمران آیت ۱۶۰)

یعنی پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب تو ان کے لئے نرم ہوا اگر تو بدمزاج اور سخت دل ہوتا تو وہ تیرے پاس سے بھاگ جاتے۔ پس تو ان سے درگزر کر اور ان کے لئے بخشش مانگ اور معاملات میں ان سے مشورلیا کر۔

آنحضرت ﷺ کا نمونہ آپ پڑھ چکے ہیں آپؐ کی ساری زندگی ہی قرآن کریم کے گرد گھومتی ہے قرآن کریم ایک ایسا صحیفہ ہے جو جہاں ماضی کے واقعات کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے پیش کرتا ہے وہاں آئندہ پیش آنے والے واقعات کو بھی بیان کرتا ہے اور ان کا حل بھی بیان کرتا ہے۔ قرآن کریم کی ایک پیشگوئی یہ بھی ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی اسلام پر آئے گا کہ ہمیں اہل کتاب اور مشرکوں کی طرف سے بہت دکھ دینے والی باتیں سننی پڑیں گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (سورۃ ال عمران آیت ۱۸۷)

یعنی البتہ ضرور تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اور البتہ ضرور تم ان لوگوں سے جو تم سے پہلے کتاب دئے گئے ہیں اور ان لوگوں سے بھی جنہوں نے شرک کیا ہے بہت سی دل آزاری (کی باتیں) سنو گے اور اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو یقیناً یہ

بات پختہ باتوں میں سے ہوگی۔

غور کیا جائے تو قرآن کریم کی یہ پیشگوئی اس آخری زمانہ میں جس طرح پوری ہوئی ہے اس سے قبل کسی زمانہ میں بھی اس کی کوئی مثال دکھائی نہیں دیتی۔عیسائی قوم نے جو کہ اہل کتاب کہلاتے ہیں اور ہندوؤں نے خاص کر آریہ سماج والوں نے جو کہ مشرک کہلاتے ہیں جس قدر دل آزاری کی باتیں اس دور میں کی ہیں پہلے دور میں اس کا عشر عشیر بھی دکھائی نہیں دیتا۔ یہ پیشگوئی اس زمانہ کے لئے خاص تھی جو پوری ہوئی۔اور خدا تعالیٰ کی طرف سے مقدر تھا کہ ایسا ہی ہو' سو ہوا اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے لئے اس میں ایک نصیحت بھی ہے جسے بھلا دیا گیا ہے۔وہ یہ کہ یہ تو مقدر ہے کہ اہل کتاب اور مشرک مسلمانوں کی دل آزاری کی باتیں کریں گے اور ان کا اس طرح کی باتیں کرنا یہ مسلمانوں کے لئے ایک آزمائش کی بات ہوگی۔ایسی باتیں کرنے والوں کی طرف سے مسلمانوں کو جانوں اور مالوں کا بھی نقصان اٹھانا پڑے گا اور دل آزاری کی باتیں بھی سننے پڑیں گی۔لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ایسے موقعہ پر تمہیں صبر سے کام لینا ہے اور تقویٰ اختیار کرنا ہے اور فرمایا کہ اگر تم اس پر کاربند ہو گئے تو یہ بات تمہاری مضبوطی اور پختگی کی بات ہوگی۔

جب ہم اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانہ کو دیکھتے ہیں تو ایسی باتیں ایک حد تک ہمیں وہاں بھی دکھائی دیتی ہیں کیونکہ ایک تو یہ مدنی سورت ہے اور اس دور میں حالت کافی حد تک تبدیل ہو چکے تھے اگر چہ اس زمانہ کے لوگوں نے بھی آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا اور ایسی ہی دل آزاری کی باتیں کر کر کے آپؐ اور آپؐ کے اصحاب کو تکلیفیں پہنچائیں ایسے مواقع پر آنحضرت ﷺ کا اور آپؐ کے اصحاب کا جو اسوہ ہے وہ ہمارے سامنے ہے اس کی بہت سی مثالیں اوپر پیش بھی کی گئی ہیں۔اس زمانہ میں جبکہ قرون

اولیٰ کے دور کے واقعات اپنے عروج پر پہنچے ہوئے ہیں اور اسلام پر چوطرفہ حملوں کا دور دورہ ہے تو مسلمانوں کو تقویٰ اور صبر کو انتہاء درجہ تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔لیکن دیکھا یہ جاتا ہے جب بھی کوئی دلآزاری کی بات کرتا ہے تو علماء قرآن کریم کی تعلیم کے برخلاف لوگوں کو اشتعال دلا کر بازاروں اور گلی کوچوں میں نکال دیتے ہیں جہاں مخالفوں اور حکومتوں کی طرف سے معصوم مسلمانوں کا ہی خون بہایا جاتا ہے۔اس طرح کشت وخون اور لوٹ مار کا بازار گرم کر کے حالات بگاڑے جاتے ہیں جس سے مسلمان ہی اپنے مخالفوں کے ہاتھوں نقصان اٹھاتے ہیں ۔اس کی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔سلمان رشدی نے جب دل آزاری سے بھری کتاب شائع کی اس کے نتیجہ میں دنیا کے کئی ممالک میں احتجاج کئے گئے اس کے نتیجہ میں کئی مسلمانوں کو ہی اپنی جانیں قربان کرنی پڑیں۔اگر مسلمان قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق صبر اور تقویٰ سے کام لیتے تو مالی اور جانی نقصان سے محفوظ رہ سکتے تھے۔

یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اسلام کے مخالفوں کی طرف سے جب کوئی دل آزاری کی باتیں کی جاتی ہیں یا مضامین اور کتابیں لکھی جاتی ہیں تو فوری طور پر ایسے لوگوں کے خلاف قتل کے فتوے جاری کر دئے جاتے ہیں اور ان کی کتابوں پر پابندی لگانے کی باتیں کی جاتی ہیں۔دیکھا جائے تو یہ باتیں اسلام کی کمزوری کو ظاہر کرتی ہیں کہ بیان کی جانے والی باتوں کا مسلمانوں کے پاس کوئی جواب نہیں اس لئے ان کتابوں پر پابندی کی آواز بلند کی جارہی ہے۔جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ مسلمان مخالفین کی ایسی باتوں کا جواب دیں۔اگر کوئی زبانی یا تحریری دل آزاری کی بات کرتا ہے اسے حکمت کے ساتھ مدلّل جواب دیا جائے۔اور قرآن کریم یہی تعلیم دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (العنکبوت آیت ۴۷)

یعنی تم اہل کتاب کے ساتھ اس طریق سے مجادلہ کرو جو احسن طریق ہے اسی طرح ایک اور مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں کو اللہ کی طرف اور صحیح راستہ کی طرف حکمت اور اور ناصحانہ طریق سے بلائیں۔اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم جاہلانہ باتوں کا جواب جاہلانہ طریق سے دیں بلکہ یہ حکم دیتا ہے کہ جاہلانہ باتوں کو سن کر بھی ان کا جواب حلم اور نرمی سے دیں اور اگر کسی سے ایسا ممکن نہیں تو پھر سلام کہتے ہوئے وہاں سے الگ ہو جائیں یہی اسلام ہے۔اسی سے متعلق حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کی طرف سے ایک میموریل جو اشتہار کی صورت میں شائع ہوا راہنما اصول پر مبنی ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔۔ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

میموریل

بحضور نواب لفٹینینٹ گورنر صاحب بہادر بالقابہ

یہ میمویل اس غرض سے بھیجا جاتا ہے کہ ایک کتاب امّہات المؤمنین نام ڈاکٹر احمد شاہ صاحب عیسائی کی طرف سے مطبع آرپی مشن پریس گوجرانوالہ سے چھپ کر ماہ اپریل ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی تھی اور مصنّف نے ٹائیٹل پیج کتاب پر لکھا ہے کہ ''یہ کتاب ابوسعید محمد حسین بٹالوی کی تحدّی اور ہزار روپیہ کے انعام کے وعدہ کے معاوضہ میں شائع کی گئی ہے'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محترّک اس کتاب کی تالیف کا محمد حسین مذکور ہے چونکہ اس کتاب میں ہمارے نبی کریم ﷺ کی نسبت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں جن کو کوئی مسلمان سن کر رنج سے رک

نہیں سکتا۔اس لئے لاہور کی انجمن حمایت اسلام نے اس بارے میں حضور گورنمنٹ میں میموریل روانہ کیا تا گورنمنٹ ایسی تحریر کی نسبت جس طرح مناسب سمجھے کاروائی کرے اور جس طرح چاہے کوئی تدبیر امن عمل میں لائے۔مگر میں مع اپنی جماعت کثیر اور مع دیگر معزز مسلمانوں کے اس میموریل کا سخت مخالف ہوں۔اور ہم سب لوگ اس بات پر افسوس کرتے ہیں کہ کیوں اس انجمن کے ممبروں نے محض شتاب کاری سے یہ کاروائی کی۔

(حاشیہ میں درج ہے) ''انجمن کا ایسے وقت میں میموریل بھیجنا جبکہ ہزار کاپی امّہات المؤ منین کی مسلمانوں میں مفت تقسیم کی گئی اور خدا جانے کئی ہزار اور قوموں میں شائع کی گئی بیہودہ حرکت ہے کیونکہ اشاعت جس کا بند کرنا مقصود تھا کامل طور پر ہو چکی ہے۔منہ''

اگرچہ یہ سچ ہے کہ کتاب امّہات المؤ منین کے مؤلّف نے نہایت دل دکھانے والے الفاظ سے کام لیا ہے اور زیادہ تر افسوس یہ ہے کہ باوجود ایسی سختی اور بدگوئی کے اپنے اعتراضات میں اسلام کی معتبر کتابوں کا حوالہ بھی نہیں دے سکا۔مگر ہمیں ہرگز نہیں چاہئے کہ بجائے اس کے کہ ایک خطا کار کو نرمی اور آہستگی سے سمجھاویں اور معقولیت کے ساتھ کتاب کا جواب لکھیں یہ حیلہ سوچیں کہ گورنمنٹ اس کتاب کو شائع ہونے سے روک لے تا اس طرح پر ہم فتح پالیں کیونکہ یہ فتح واقعی فتح نہیں ہے بلکہ ایسے حیلوں کی طرف دوڑنا ہمارے عجز اور درماندگی کی نشانی ہوگی اور ایک طور سے ہم جبر سے منہ بند کرنے والے ٹھہریں گے۔اور گو گورنمنٹ اس کتاب کو جلادے تلف کرے کچھ کرے مگر ہم ہمیشہ کے لئے اس الزام کے نیچے آجائیں گے کہ عاجز آکر گورنمنٹ کی حکومت سے چارہ جوئی چاہی۔اور وہ کام لیا جو مغلوب الغضب اور جواب سے عاجز آجانے والے لوگ کیا کرتے ہیں۔ہاں جواب دینے کے بعد ہم ادب کے ساتھ گورنمنٹ میں التماس کرسکتے ہیں کہ ہر یک فریق اس پیرایہ کو جو حال میں اختیار کیا جاتا ہے

ترک کر کے تہذیب اور ادب اور نرمی سے باہر نہ جائے۔ مذہبی آزادی کا دروازہ کسی حد تک کھلا رہنا ضروری ہے تا مذہبی علوم اور معارف میں لوگ ترقی کریں اور چونکہ اس عالم کے بعد ایک اور عالم بھی ہے جس کے لئے ابھی سے سامان چاہئے اس لئے ہر ایک حق رکھتا ہے کہ نیک نیّتی کے ساتھ ہر ایک مذہب پر بحث کرے اور اس طرح اپنے تئیں اور نیز بنی نوع کو نجات اخروی سے متعلق جہاں تک سمجھ سکتا ہے اپنی عقل کے مطابق فائدہ پہنچاوے۔ لہذا گورنمنٹ عالیہ میں اس وقت ہماری یہ التماس ہے کہ جو انجمن حمایت اسلام لاہور نے میموریل گورنمنٹ میں اس بارے میں روانہ کیا ہے وہ ہمارے مشورہ اور اجازت سے نہیں لکھا گیا بلکہ چند شتاب کاروں نے جلدی سے یہ جرأت کی ہے جو درحقیقت قابل اعتراض ہے۔ ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ ہم تو جواب نہ دیں اور گورنمنٹ ہمارے لئے عیسائی صاحبان سے کوئی باز پُرس کرے یا ان کتابوں کو تلف کرے بلکہ جب ہماری طرف سے آہستگی اور نرمی کے ساتھ اس کتاب کا رد شائع ہوگا تو خود وہ کتاب اپنی مقبولیت اور وقعت سے گر جائے گی اور اس طرح وہ خود تلف ہو جائے گی۔ اس لئے ہم باادب ملتمس ہیں کہ اس میموریل کی طرف جو انجمن مذکور کی طرف سے بھیجا گیا ہے گورنمنٹ عالیہ ابھی کچھ توجہ نہ فرمائے۔ (حاشیہ ہے۔ ہم دوبارہ عرض کرتے ہیں کہ انجمن کا یہ میموریل بعد از وقت ہے کیونکہ مؤلف امّہات المؤمنین کی طرف سے جو پہنچنے کے لائق تھا وہ ہمیں پہنچ چکا اور پورے طور پر پنجاب ہندوستان میں اس کتاب کی اشاعت ہو گئی سو ہم نہیں سمجھتے کہ اب ہم اپنی گورنمنٹ محسنہ سے کیا مانگیں اور وہ کیا کرے۔ منہ) کیونکہ اگر ہم گورنمنٹ عالیہ سے یہ فائدہ اٹھاویں کہ وہ کتاب تلف کی جائے یا اور کوئی انتظام ہو تو اس کے ساتھ ایک نقصان بھی ہمیں اٹھانا پڑتا ہے کہ ہم اس صورت میں دین اسلام کو ایک عاجز اور فرو ماندہ دین قرار دیں گے کہ یہ معقولیت سے حملہ کرنے والوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ اور نیز

یہ ایک بڑا نقصان ہوگا کہ اکثر لوگوں کے نزدیک یہ امر مکروہ اور نامناسب سمجھا جائے گا کہ ہم گورنمنٹ کے ذریعہ سے اپنے انصاف کو پہنچ کر پھر کبھی اس کتاب کا رد لکھنا بھی شروع کردیں۔ اور درحالت نہ لکھنے جواب کے اس کے فضول اعتراضات ناواقفوں کی نظر میں فیصلہ ناطق کی طرح سمجھے جائیں گے اور خیال کیا جائے گا کہ ہماری طاقت میں یہی تھا جو ہم نے کرلیا سو اس سے ہماری دینی عزت کو اس سے بھی زیادہ ضرر پہنچتا ہے جو مخالف نے گالیوں سے پہنچانا چاہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس کتاب کو ہم نے عمداً تلف کرایا یا روکا پھر اسی کو مخاطب ٹھہرا کر اپنی کتاب کے ذریعہ سے پھر شائع کرنا نہایت نامعقول اور بیہودہ طریق ہوگا۔ اور ہم گورنمنٹ عالیہ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم دردناک دل سے ان تمام گندے اور سخت الفاظ پر صبر کرتے ہیں جو صاحب امّہات المؤمنین نے استعمال کئے ہیں اور ہم اس مؤلف اور اس کے گروہ کو ہرگز کسی قانونی مواخذہ کا نشانہ بنانا نہیں چاہتے کہ یہ امر ان لوگوں سے بہت ہی بعید ہے کہ جو واقعی نوع انسان کی ہمدردی اور سچی اصلاح کے جوش کا دعویٰ رکھتے ہیں۔

یہ بات بھی گورنمنٹ عالیہ کی خدمت میں عرض کر دینے کے لائق ہے کہ اگرچہ ہماری جماعت بعض امور میں دوسرے مسلمانوں سے ایک جزوی اختلاف رکھتی ہے مگر اس مسئلہ میں کسی سمجھدار مسلمان کو اختلاف نہیں کہ دینی حمایت کے لئے ہمیں کسی جوش یا اشتعال کی تعلیم نہیں دی گئی بلکہ ہمارے لئے قرآن میں یہ حکم ہے۔ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (العنکبوت آیت ۴۷) اور دوسری جگہ یہ حکم ہے کہ۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ (النحل آیت ۱۲۶) اس کے معنی یہی ہیں کہ نیک طور پر اور ایسے طور پر جو مفید ہو عیسائیوں سے مجادلہ کرنا چاہئے اور حکیمانہ طریق اور ایسے ناصحانہ طور کا پابند ہونا چاہئے کہ ان کو فائدہ بخشے۔ لیکن یہ طریق کہ ہم گورنمنٹ کی مدد سے یا نعوذ باللہ خود اشتعال

ظاہر کریں ہرگز ہمارے اصل مقصود کو مفید نہیں ہے۔ یہ دنیاوی جنگ وجدل کے نمونے ہیں اور سچے مسلمان اور اسلامی طریقوں کے عارف ہرگز اس کو پسند نہیں کرتے کیونکہ ان سے وہ نتائج جو ھدایت بنی نوع کے لئے مفید ہیں پیدا نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ حال ہی میں پرچہ مخبر دکن میں جو مسلمان کا ایک اخبار ہے ماہ اپریل کے ایک پرچہ میں اسی بات پر بڑا زور دیا گیا ہے کہ رسالہ امّہات المومنین کے تلف کرنے یا روکنے کے لئے گورنمنٹ سے ہرگز التماس نہیں کرنی چاہئے کہ یہ دوسرے پیرایہ میں اپنے مذہب کی کمزوری کا اعتراف ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے ہم جانتے ہیں کہ اخبار مذکور کی اس رائے کی کوئی مخالفت نہیں ہوئی جس سے ہم سمجھتے ہیں کہ عام مسلمانوں کی یہی رائے ہے کہ اس طریق کو جس کا انجمن مذکور نے ارادہ کیا ہے ہرگز اختیار نہ کیا جائے کہ اس میں کوئی حقیقی اور واقعی فائدہ ایک ذرہ برابر بھی نہیں ہے۔ اہل علم مسلمان اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ قرآن شریف میں آخری زمانہ کے بارے میں ایک پیشگوئی ہے اور اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے وصیّت کے طور پر ایک حکم ہے جس کو ترک کرنا سچے مسلمان کا کام نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے لَتُبۡلَوُنَّ فِیۡۤ اَمۡوَالِکُمۡ وَ اَنۡفُسِکُمۡ وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ مِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا اَذًی کَثِیۡرًا ؕ وَ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ۝ (سورۃ ال عمران آیت ۱۸۷) ترجمہ یہ ہے کہ خدا تمہارے مالوں اور جانوں پر بلا بھیج کر تمہاری آزمائش کرے گا اور تم اہل کتاب اور مشرکوں سے بہت سی دکھ دینے والی باتیں سنو گے سو اگر تم صبر کرو گے اور اپنے تئیں ہر ایک نا کردنی امر سے بچاؤ گے تو خدا کے نزدیک اولوالعزم لوگوں میں ٹھہرو گے۔ یہ مدنی سورۃ ہے اور یہ اس زمانہ کے لوگوں کو وصیّت کی گئی ہے کہ جب ایک مذہبی آزادی کا زمانہ ہوگا کہ جو کوئی کچھ سخت گوئی کرنا چاہے وہ کر سکے گا جیسا کہ یہ زمانہ ہے۔ سو کچھ شک نہیں کہ یہ پیشگوئی اسی زمانہ

کے لئے تھی اور اسی زمانہ میں پوری ہوئی کون ثابت کر سکتا ہے کہ جو اس آیت میں اذًی کثیراً کا لفظ ایک عظیم الشان ایذاءلسانی کو چاہتا ہے وہ کبھی کسی صدی میں اس سے پہلے اسلام نے دیکھی ہے؟ اس صدی میں پہلے عیسائی مذہب کا یہ طریق نہ تھا کہ اسلام پر گندے اور ناپاک حملے کرے بلکہ اکثر ان کی تحریریں اور تالیفیں اپنے مذہب تک ہی محدود تھیں۔ قریباً تیرھویں صدی ہجری سے اسلام کی نسبت بدگوئی کا دروازہ کھلا جس کے اوّل بانی ہمارے ملک میں پادری فنڈر صاحب تھے۔ بہرحال اس پیشگوئی میں مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ جب تم دلآزار کلمات سے دکھ دئے جاؤ اور گالیاں سنو تو اس وقت صبر کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ سو قرآنی پیشگوئی کے مطابق ضرور تھا کہ ایسا زمانہ بھی آتا کہ ایک مقدس رسول کو جس کی امت سے ایک کثیر حصہ دنیا کا پُر ہے عیسائی قوم جیسے لوگ جن کا تہذیب کا دعویٰ تھا گالیاں دیتے اور اس بزرگ نبی کا نام نعوذ باللہ زانی اور ڈاکو اور چور رکھتے اور دنیا کے سب بدتروں سے بدتر ٹھہراتے۔ بے شک یہ ان لوگوں کے لئے بڑے رنج کی بات ہے جو اس پاک رسول کی راہ میں فدا ہیں اور ایک دانشمند عیسائی بھی احساس کر سکتا ہے کہ جب مثلاً اسی کتاب اُمّہات المؤمنین میں ہمارے نبی ﷺ کو نعوذ باللہ زنا کار کے نام سے پکارا گیا اور گندے سے گندے تحقیر کے الفاظ آنجناب کے حق میں استعمال کئے گئے اور پھر عمداً ہزار کاپی اس کتاب کی محض دلوں کے دکھانے کے لئے عام اور خاص مسلمانوں کو پہنچائی گئی اس سے کس قدر دردناک زخم عام مسلمانوں کو پہنچے ہونگے اور کیا کچھ ان کے دلوں کی حالت ہوئی ہوگی۔ اگرچہ بدگوئی میں یہ کچھ پہلی ہی تحریر نہیں ہے بلکہ ایسی تحریروں کو پادری صاحبوں کی طرف سے کروڑ ہا تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ مگر یہ طریق دل دکھانے کا ایک نیا طریق ہے کہ خواہ نخواہ غافل اور بے خبر لوگوں کے گھروں میں یہ کتابیں پہنچائی گئیں۔ اور اسی وجہ سے اس کتاب پر بہت شور بھی اٹھا ہے۔

باوجود اس بات کے کہ پادری عمادالدین اور پادری ٹھاکرداس کی کتابیں اور نور افشاں کی پچیس سال کی مسلسل تحریریں سختی میں اس سے کچھ کم نہیں ہیں۔ یہ تو سب کچھ ہوا مگر ہمیں تو آیت موصوفہ بالا میں یہ تاکیدی حکم ہے کہ جب ہم ایسی بدزبانی کے کلمات سنیں جس سے ہمارے دلوں کا دکھ پہنچے تو ہم صبر کریں۔ اور کچھ شک نہیں کہ جلد تر حکام کو اس طرف توجہ کرنا یہ بھی ایک بے صبری کی قسم ہے اس لئے عقلمند اور دوراندیش مسلمان ہرگز اس طریق کو پسند نہیں کرتے کہ گورنمنٹ عالیہ تک اس بات کو پہنچایا جائے۔ ہمیں خدا تعالیٰ نے قرآن میں یہ بھی تعلیم دی ہے کہ دین اسلام میں اکراہ اور جبر نہیں۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین (البقرہ ۲۵۷) اور جیسا کہ فرماتا ہے افانت تکرہ النّاس (یونس ۱۰۰) لیکن اس قسم کے حیلے اکراہ اور جبر میں داخل ہیں جس سے اسلام جیسا پاک اور معقول مذہب بدنام ہوتا ہے۔

غرض اس بارے میں مَیں اور میری جماعت اور تمام اہل علم اور صاحب تدبر مسلمانوں میں سے اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ کتاب اُمّہات المؤمنین کی لغوگوئی کی یہ سزا نہیں ہے کہ ہم اپنی گورنمنٹ مُحسنہ کو دست اندازی کے لئے توجہ دلائیں گو خود دانا گورنمنٹ اپنے قوانین کے لحاظ سے جو چاہے کرے۔ مگر ہمارا صرف یہ فرض ہونا چاہئے کہ ہم ایسے ایسے اعتراضات کا کہ جو درحقیقت نہایت نادانی یا دھوکہ دہی کی غرض سے کئے گئے ہیں خوبی اور شائستگی کے ساتھ جواب دیں اور پبلک کو اپنی حقیقت اور اخلاق کی روشنی دکھلائیں۔ اسی غرض کی بنا پر یہ میموریل روانہ کیا گیا ہے۔ اور تمام جماعت ہماری معزّز مسلمانوں کی اسی پر متفق ہے۔

۴ ماہ مئی ۱۸۹۸ء

الراقم

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۴۰ تا ۴۶)

قرآن کریم کے راہنما اصول قیامت تک کے لئے ہیں ان میں تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ بعض علماء اپنے فیصلوں اور خیالات کو قرآن کریم کی بعض آیات اور احادیث کی غلط تشریحات پیش کر کے تقویت دینا چاہتے ہیں جن کی بنیاد قرآن کریم میں دکھائی نہیں دیتی بلکہ اسرائیلی روایات کا عکس ان میں دکھائی دیتا ہے۔ قرآن کریم ایک ایسا صحیفہ ہے کہ وہ جو بات ایک جگہ بیان فرماتا ہے قرآن کریم کی دوسری آیات اس کی تائید کر رہی ہوتی ہیں اور ساتھ ہی سنت نبویؐ اس کی شہادت پیش کر رہی ہوتی ہے۔ مفسرین قرآن اگر کسی آیت کی ایسی تشریح بیان کریں جو قرآن کریم کی دوسری کسی آیت یا آیات سے ٹکراتی ہو تو لازماً وہ تشریح قابل قبول نہیں ہو سکتی بلکہ وہ چھوڑ دینے کے قابل ٹھہرتی ہے۔ مخالفین اسلام کی لغو گوئی اور توہین رسالت کی بنا پر سزاؤں کے حوالہ سے علماء اسلام نے قرآن کریم سے اپنے مؤقف کی تائید میں جو دلائل پیش کئے ہیں ان کی تائید قرآن کریم سے کسی اور جگہ سے پیش نہیں کی گئی بلکہ جو ایک آدھ دلیل پیش کی ہے اس میں بھی اس بات کو مدنظر نہیں رکھا گیا کہ یہ دیکھا جاتا کہ قرآن کریم کا یہ حکم کس محل اور موقعہ کے لئے ہے۔ اور توہین رسالت سے اس کا کوئی تعلق بھی ہے کہ نہیں۔ بعض جگہ تو ایک آیت کے ایک حصہ کو پیش کر کے اپنے نظریہ کو تقویت دینے کی کوشش کی گئی ہے اگرچہ قرآن کریم کی بعض دیگر آیات ان کے نظریہ کے خلاف اصول پیش کر رہی ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس سلسلہ میں قرآن کریم سے جو بھی پیش کریں اس کی تائید قرآن کریم کی دوسری آیات سے بھی دکھائی دے یا کم از کم سنت انبیاء سے اس کی تائید میں مثال پیش ہو لیکن ایسا دکھائی نہیں دیتا۔

توہین رسالت کیا ہے؟

خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے انبیاء کی توہین کا سلسلہ کوئی نیا سلسلہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں اپنے کلام قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔

(یٰس آیت ۳۱)

یعنی۔ ہائے افسوس ہے مجھے اپنے بندوں پر جب بھی ان کی طرف کوئی رسول بھیجا گیا اس سے صرف انہوں نے استہزا ہی کیا۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ نبیوں سے کس کس قسم کے استہزاء کئے جاتے رہے ہیں بلکہ قرآن کریم نے تو کافروں اور منافقوں کے ہنسی اور مذاق کو ان کی عادت کے طور پر بیان کیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (البقرۃ آیت ۱۵)

یعنی۔ اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب وہ اپنے شیطانوں کی طرف جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے صرف ہنسی کرنے والے ہیں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (الانعام آیت ۱۱)

یعنی۔اور یقیناً تجھ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ہنسی کی گئی پھر گھیر لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ہنسی کی تھی اسی (عذاب) نے جس پر وہ ہنسی کیا کرتے تھے۔

یہی آیت قرآن کریم میں سورۃ الانبیاء میں بھی آیت نمبر ۴۲ کے طور پر آئی ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتا ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ o (الرعد آیت ۳۳)

یعنی۔اور یقیناً ہنسی کی گئی تجھ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی پس میں نے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا تھا مہلت دی پھر میں نے انہیں پکڑ لیا پس یہ سزا کیسی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ o
(النّحل آیت ۳۵)

یعنی۔پس جیسے وہ عمل کیا کرتے تھے ویسی ہی بدیاں ان کو پہنچی اور جن باتوں کے ساتھ وہ ہنسی کیا کرتے تھے انہیں نے ان کو گھیر لیا۔

یہ مضمون کہ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ قرآن کریم میں کئی مقامات پر بیان ہوا ہے جیسا کہ سورۃ الاحقاف آیت ۲۷ سورۃ الجاثیۃ آیت ۳۴ سورۃ المؤمن آیت ۸۴ سورۃ الزمر آیت ۴۹ سورۃ ھود آیت ۹ اسی طرح اللہ تعالیٰ سورۃ الشعراء میں فرماتا ہے

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ o (الشعراء آیت ۷)

یعنی۔پس یقیناً تکذیب کی انہوں نے پس عنقریب ان کے پاس وہ خبریں آئیں گی جن کے ساتھ وہ ہنسی کیا کرتے تھے۔

قرآن کریم کی ان آیات کو پڑھنے سے یہ بات صاف طور پر کھل جاتی ہے کہ انبیاء کے ساتھ ہنسی مذاق کا سلسلہ کوئی نیا نہیں ہے ہر زمانہ میں اور ہر نبی کے ساتھ ہی ایسا ہوتا چلا آیا ہے بلکہ دیکھا جائے تو انبیاء کے سچا ہونے کی یہی بات ایک دلیل کے طور پر ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ یٰس میں اسی استہزاء کو انبیاء کی صداقت کا نشان ٹھہرایا ہے کہ مجھے افسوس ہے بندوں پر کہ جب بھی ان کی طرف کسی نبی کو بھیجا گیا تو اس کے دور کے لوگوں نے اس کے ساتھ ہنسی کی اور مذاق اڑایا۔ اس لئے انبیاء کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا یہ تو مخالفین کا ہمیشہ سے شیوہ رہا ہے جب نبیوں کا سردار آیا تو اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا اور ایسا ہونا لازمی تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو یہ بات بتا دی کہ آپؐ یہ خیال نہ کریں کہ یہ ہنسی اور مذاق صرف آپؐ کے ساتھ ہی ہو رہا ہے بلکہ فرمایا کہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپؐ سے پہلے انبیاء کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔

انبیاء کے ساتھ استہزا کرنے میں وہ ساری باتیں آجاتی ہیں جن سے توہین انبیاء ممکن ہے نبی کی باتوں کو بگاڑ کر پیش کرنا اسکی زندگی پر اعتراض اٹھانا۔ اس پر طعن کرنا، نبی کو برے الفاظ سے یاد کرنا۔ انبیاء کے بُرے بُرے نام رکھنا۔ انبیاء کے نشانوں کو جھٹلانا۔ انبیاء کو غلط ناموں سے یاد کرنا۔ ازواج مطہرات پر انگلی اٹھانا اور ان پر الزام تراشی کرنا وغیرہ الغرض وہ تمام باتیں جو ہجو اور عزّت پر حملہ کرنے کے زمرہ میں آتی ہیں سب کی سب استہزا میں شمار ہوتی ہیں کیوں کہ لوگ ایسی باتیں انبیاء کی طرف منسوب کر کے ان سے ہنسی مذاق کرتے ہیں تا کہ ان کے ذریعہ سے نبی کو اور نبی پر ایمان لانے والوں کو دکھ دیا جائے اور ستایا جائے۔ اس کی مثالیں بھی ہمیں قرآن کریم میں دکھائی دیتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ

عَصَيۡنَا وَاسۡمَعۡ غَيۡرَ مُسۡمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلۡسِنَتِهِمۡ وَطَعۡنًا فِى الدِّيۡنِ ط

(النّساء آیت ۴۷)

یعنی۔جولوگ یہودی ہوئے ہیں ان میں سے بعض (خدا کی) باتوں کوان کی جگہوں سے ادل بدل دیتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور باوجود اس کے ہم نے نافرمانی کی اور (کہتے ہیں کہ) تو ہماری باتیں سُن (خدا کا کلام) تجھے کبھی نہ سنایا جائے اور ہمارا لحاظ کر (یہ بات) اپنی زبانوں سے جھوٹ بولتے ہوئے اور دین میں طعن کرتے ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ یہود راعنا کے لفظ کو بگاڑ کر آنحضرت ﷺ کے سامنے بولا کرتے تھے اور اس سے ان کی نیت آپؐ کی تحقیر کرنا ہوتی تھی اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے یہود کی بد نیتی کو ظاہر کیا اور مومنوں کو اس لفظ کے استعمال سے منع فرمایا جس کا ذکر سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۰۵ میں موجود ہے کہ اے ایمان دارو! رسول کو مخاطب کرکے رَاعِنَا مت کہا کرو اور اُنْظُرْنَا کہا کرو۔ایسے الفاظ کا استعمال بھی توہین رسالت کے زمرہ میں آتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کو کافروں نے مجنون کہہ کر بھی آپ کی توہین کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَاِنۡ يَّكَادُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَيُزۡلِقُوۡنَكَ بِاَبۡصَارِهِمۡ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكۡرَ وَيَقُوۡلُوۡنَ اِنَّهٗ لَمَجۡنُوۡنٌ ۝ (سورۃ القلم آیت ۵۲)

یعنی۔کافرلوگ قریب تھا کہ جب انہوں نے قرآن تجھ سے سنا تھا تو اپنی غصہ سے بھری آنکھوں سے دیکھ کر تجھے اپنے مقام سے پھسلا دیتے اور وہ کہتے جاتے ہیں کہ یہ شخص تو مجنون ہے۔

اس آیت میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ کافرلوگ آنحضرت ﷺ کو نعوذ باللہ مجنون کہہ کر آپ کی توہین کیا کرتے تھے اسی طرح دیگر انبیاء کے بارے میں بھی ایسے الفاظ کا استعمال

کیا کرتے تھے جس کی چند مثالیں پہلے دی جا چکی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں آپؐ کی زوجہ مبارکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر منافقین نے جو الزام لگا کر آپؐ کی اور آپؐ کی زوجہ مطہرہ کی توہین کی تھی اس کا ذکر فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ عُصۡبَةٌ مِّنۡكُمۡ‌ؕ لَا تَحۡسَبُوۡهُ شَرًّا لَّـكُمۡ‌ؕ بَلۡ هُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ‌ؕ لِكُلِّ امۡرِىٴٍ مِّنۡهُمۡ مَّا اكۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ‌ۚ وَالَّذِىۡ تَوَلّٰى كِبۡرَهٗ مِنۡهُمۡ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ○ (النور آیت ۱۲)

یعنی۔ یقیناً وہ لوگ جنہوں نے بڑا اتہام باندھا ہے تمہیں میں سے ایک گروہ ہے تم اس (فعل) کو اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لئے بہت اچھا تھا (کیونکہ اس کی وجہ سے ایک پُرحکمت تعلیم تم کو مل گئی) اُن میں سے ہر شخص کو اُس نے جتنا گناہ کیا تھا اس کی سزا مل جائے گی اور جو شخص اس گناہ کے بڑے حصے کا ذمہ دار تھا اس کو بہت بڑا عذاب ملے گا۔

اب میں ایک اور مثال توہین رسالت کی قرآن کریم سے پیش کرتا ہوں جس کا تعلق ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی ذات سے ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

يَقُوۡلُوۡنَ لَـئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ لَيُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ‌ؕ وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلٰـكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ○

(المنٰفقون آیت ۹)

وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے تو جو مدینہ کا سب سے معزز آدمی ہے وہ مدینہ کے سب سے ذلیل آدمی کو اس سے نکال دیگا۔ اور عزّت اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کو ہی حاصل ہے لیکن منافق جانتے نہیں۔

قرآن کریم نے جس بات کی نشاندہی کی ہے یہ بات رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی بن سلول نے کی تھی اور جو الفاظ اس شخص نے استعمال کئے تھے یہ رسول خدا ﷺ کی شدید توہین پر منتج ہیں۔الغرض انبیاء کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا ان کی توہین کرنا یہ نبی کے مخالفوں کا ہمیشہ سے شیوہ رہا ہے اور دیگر انبیاء کی توہین کیسے کیسے الفاظ سے کی جاتی تھی اس کی مثالیں بھی قرآن کریم میں موجود ہیں۔توہین کے بارہ میں پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ الدّراوی صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ۔

"نبوت ورسالت کا سلسلہ ایک انعام الٰہی تھا جن مقربانِ الٰہی کو عطا ہو گیا' ان کی صدق وامانت پر ایمان لانا' ان سے محبت رکھنا اور ان کی عزّت کا دفاع کرنا بعد میں آنے والے تمام لوگوں پر فرض ہو گیا۔ہمارے نبی جناب حضرت محمد ﷺ سے پہلے تقریباً سوا لاکھ انبیاء و مرسلین علیھم السلام گزر چکے ہیں۔آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ان تمام سابقہ انبیاء کرام علیھم السلام کی عزّت اور محبّت اہل اسلام پر فرض ہے' جو کوئی ایسا نہیں کرتا وہ ایمان سے خالی ہے۔جتنے بھی سابقہ انبیاء گزرے ہیں ان کی حرمت کا پاس رکھنا' ان کے معصوم ہونے کا عقیدہ رکھنا ایمان کا حصہ ہے۔ان انبیاء کرام علیھم السلام کی عیب چینی' ان کی توہین و تنقیص سرا سرا کفر ہی نہیں بلکہ سب سے بڑا کفر اور بدبختی ہے۔کتاب اللہ سنت رسول اللہ ﷺ' اجماع امت اور اجماع امم' قیاس سب اس بات پر گواہ اور دلیل ہیں کہ انبیاء علیھم السلام کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہے۔متقدمین علماء نے اس سلسلہ میں بڑی ہی تشفی بخش کتابیں لکھی ہیں 'اور انہیں ہر طرح کے دلائل سے معمور و معطر کیا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کتابوں کو ان کے اعمال صالحہ اور باقیات صالحات میں سے بنا دے' اور آنے والوں کو ان سے خاطر خواہ استفادہ کرنے کی توفیق دے۔

ان علماء کرام نے عصمت انبیاء کرام علیھم السلام کے متعلق ایک متفقہ بات لکھی ہے کہ وہ تمام انبیاء جن کی نبوت معلوم ہے، ان کی نبوت کا انکار، یا ان کی شان میں تنقیص کرنا، یا ان پر عیب جوئی کرنا، یا توہین وتحقیر کرنا یا ان میں سے کسی نبی کی نبوت میں شک کرنا، موجب کفر ہے۔ ایسے ہی جو شخص انبیاء کرام علیھم السلام کی طرف بدکاریوں کی یا بدیوں کی نسبت کرے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف قصد زنا کی نسبت کرنا اس سے بھی کفر لازم آتا ہے۔ ایسے ہی وہ شخص بھی کافر ہے جو یہ کہے انبیاء کرام علیھم السلام نبوت کے ملنے سے پہلے۔ کبیرہ گناہوں سے معصوم نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہ عقیدہ صریح نصوص شرعیہ کے خلاف ہے۔"

("شاتم رسول ﷺ کی شرعی سزا" تالیف پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ الدّراوی شائع کردا مکتبہ قدوسیہ رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور پاکستان صفحہ ۱۵۸و۱۵۹)

اسی طرح ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب نے لکھا ہے کہ

"سو اب اگر کوئی بالواسطہ یا بلا واسطہ توہین ایذ دی، توہینِ رسالتمآب ﷺ، توہینِ قرآن وسنت، توہینِ عقائد اسلامی، توہینِ ارکان اسلام، توہینِ انبیاء علیھم السلام غرضیکہ دین اسلام کی کسی بھی پہلو کی توہین کا ارتکاب کرتا ہے تو سیکشن 295-A کے تحت مجرم ہے۔"

(تحفّظ ناموسِ رسالت مصنفہ شیخ السلام ڈاکٹر طاہر القادری شائع کردا منہاج القرآن ۳۶۵ ایم ماڈل ٹاؤن لاہور صفحہ ۲۴)

توہین رسالت کے یہ چند نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ اور یہ بات بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ توہین انبیاء اور توہین رسالت کے طریق میں بھی تبدیلی آئی ہے توہین رسالت کے لئے جہاں تحریر وتقریر کا سہارا لیا جاتا ہے وہاں چند سالوں سے آنحضور ﷺ کے خاکے بنا کر بھی اخبارات واشتہارات کے طور پر بھی شائع کئے جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں

مسلمانوں میں غم وغصہ کے ساتھ ساتھ پُرتشدد واقعات بھی رونما ہوتے ہیں۔

اس جگہ ایک اور بات بھی دیکھنے کے لائق ہے کہ جن لوگوں پر توہینِ رسالت کا الزام لگایا جاتا ہے یا جنہیں شاتمِ رسول کہا جاتا ہے کیا ان کی وہ بات جو انہوں نے بیان کی ہے وہ توہینِ رسالت کے زمرہ میں آتی بھی ہے کہ نہیں کیونکہ یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ ایک عالم اپنے علم اور سوچ اور جو اس نے قرآن وحدیث سے سمجھا ایک بات بیان کرتا ہے لیکن دوسرا عالم اُس کی اُس بات کو توہین رسالت کے زمرہ میں رکھتا ہے۔ آج کل تو ایلیکٹر ونک میڈیا کا زمانہ ہے ہر روز ہی کسی دیوبندی عالم کی کسی بات کو لیکر کوئی بریلوی عالم توہین رسالت سے جوڑ رہا ہوتا ہے اور دیوبندی، بریلوی کی کسی بات کو بیان کر کے اسے توہین رسالت کرنے والا کہہ رہا ہوتا ہے۔ یہی حال شیعہ اور سنّی کا ہے اور باقی فرقہ ہائے اسلام کے علماء بھی ایک دوسرے کے خلاف ایسی ہی باتیں کرتے اور فتوے دیتے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس بات کا بھی جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ جس بات کے کرنے سے کسی شخص کو توہینِ رسالت کا ملزم ٹھہرایا جا رہا ہے آیا وہ توہین رسالت ہے بھی کہ نہیں اور قرآن کریم ایسے شخص کے متعلق کیا حکم دیتا ہے۔

پاکستان میں چند سال قبل پنجاب کے گورنر جناب سلمان تاثیر صاحب کو ایک شخص نے جسے چند روز قبل ہی پھانسی کی سزا دی گئی ہے اس لئے قتل کیا تھا کہ انہوں نے توہین رسالت کی ہے اور علماء نے فتوے بھی جاری کر دئے لیکن عدالت نے تمام دلائل سننے اور جائزہ کے بعد قاتل کے خلاف جو فیصلہ سنایا اس میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جناب سلمان تاثیر صاحب نے جو بات کی تھی وہ کسی بھی صورت میں توہینِ رسالت کے زمرہ میں نہیں آتی ہے۔ الغرض جب بھی ایسی بات کسی کی طرف سے ہو اس کے بارے میں یہ بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا وہ

توہین رسالت کے زمرہ میں آتی بھی ہے کہ نہیں اور قرآن وحدیث اس بارہ میں کیا بیان کرتا ہے اور سنّت رسول اس بارہ میں کیا پیش کرتی ہے اور عقل اس بارہ میں کیا فتویٰ دیتی ہے ان تمام امور پر غور ہونا لازمی ہے۔

توہین رسالت پر علماء کرام کا مؤقف

توہین رسالت پر قرآن کریم کی تعلیمات کا ایک مختصر سا نمونہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا گیا اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ آگے چل کر پیش کی جائے گی۔ جہاں تک علماء اسلام کا اس سلسلہ میں مؤقف ہے تو وہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ توہین رسالت کرنے والے کی سزا قتل ہے۔ اگرچہ بعض علماء اس مؤقف کے خلاف بھی ہیں اور اس معاملہ میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ

''گستاخانِ رسول ﷺ اور ناموس رسالت پر کیچڑ اچھالنے والوں کو قرآن کریم، سنت رسول ﷺ، اجماع صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین، اجماع امت اور قیاس صحیح کی رو سے کافر قرار دیا گیا ہے۔ نبی ﷺ کو اذیت پہنچانے، آپ ﷺ کا مذاق اڑانے اور استہزا کرنے والوں کی سزا قتل طے پائی ہے۔۔۔۔۔ دور حاضر کے بعض بزعم خود روشن خیال واعتدال پسند لوگ شاتم وگستاخِ رسول ﷺ کی اس سزا کو غلو وتشدد باور کروانے پر تلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا جب مذکورہ مسئلہ میں قرآن وحدیث کے دلائل آپ کے سامنے آجائیں گے تو ان لوگوں کی باتوں کا وزن آپ خود بھی کر سکیں گے۔'' (شاتمِ رسول کی شرعی سزا صفحہ ۱۶۱)

اسی طرح جناب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب لکھتے ہیں کہ

''مذکورہ بحث سے یہ بات بخوبی عیاں ہوئی کہ بارگاہِ رسالتمآب ﷺ میں بے ادبی و گستاخی اور توہین وتنقیص کا ارتکاب کرنے والے شخص کو قتل تک پہنچانا عین شرعی وفقہی تقاضا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حضور ﷺ کی ذات اقدس پر کسی نے حملہ کیا، پتھر مارے، گالیاں دیں اور طعن وتشنیع کے تیر برسائے لیکن آقائے دو جہاں ﷺ نے اپنے حق میں بذات خود تصرف کرتے ہوئے اسے معاف کر دیا، تو حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ عمل اہل ایمان کے مابین

حسن سیرت کی تعلیم قرار پایا نہ یہ کہ وہ حق رسول ﷺ میں تصرف کرتے ہوئے گستاخ نبی کو معاف ودرگزر کرنے کی روش اختیار کریں۔

بایں وجہ کوئی فرد بشر سرور کائنات حضور نبی کریم ﷺ کی اہانت وگستاخی کا ارتکاب کرے، اس فعل کا کسی بھی امتی یا اسلامی ریاست کو پتہ چل جائے اور وہ بغیر قیام حد کے اسے معاف کردے تو یہ حسن خلق ہرگز نہ ہوگا بلکہ ازروئے شرع یہ عمل بے حمیتی اور بے غیرتی متصور ہوگا کیونکہ بنی کریم ﷺ کی عزّت وحرمت، عظمت وتقدس اور آداب واحترام کی محافظت و پاسبانی امت مسلمہ کی دینی وایمانی ذمہ داری میں شامل ہے۔

علاوہ ازیں حضور نبی کریم ﷺ نے اگر کسی کو بذات خود معاف فرما بھی دیا تو یہ آپ ﷺ کے حقوق میں سے ایک حق ہے۔ اسے معاف کرنے کا آپ ﷺ کو بذات خود تو اختیار حاصل ہے لیکن ایک امتی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کوئی گستاخ وبے ادب حضور ﷺ کی اہانت وتنقیص کرے تو امتی حضور ﷺ کے حق خاص میں ازخود تصرف کرتے ہوئے اسے معاف کرتا پھرے اور اس سے درگزر کرے، امت کے لئے یہ کسی بھی صورت میں جائز ہی نہیں ہے بلکہ ایسا کرنے سے اس کا اپنا ایمان بھی ضائع ہوجائے گا۔''

(تحفظ ناموس رسالت صفحہ ۱۹۸و۱۹۹)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' میں لکھا ہے کہ

''اکثر علماء کا مؤقف یہی ہے۔ ابن المنذر کہتے ہیں عام علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی توہین کرنے والے کی حد قتل ہے۔ امام مالک، لیث، احمد اسحاق اور امام شافعی کا قول یہی ہے مگر نعمان (ابوحنیفہ) سے منقول ہے کہ اسے (ذمّی) قتل نہ کیا جائے، اس لئے کہ جس شرک پر وہ قائم ہے وہ توہین رسالت سے عظیم تر جرم ہے۔

اصحاب شافعی میں سے ابوبکر فارسی نے اس امر پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالی دے اس کی حدِّ شرعی قتل ہے' جس طرح کسی اور کو گالی دینے کی سزا کوڑے مارنا ہے (فتح الباری) جو اجماع انہوں نے نقل کیا ہے اس سے صدرِ اوّل' یعنی صحابہ و تابعین' کا اجماع مراد ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والا اگر مسلم ہو تو واجب القتل ہے۔ قاضی عیاض نے بھی اسی طرح کہا ہے' فرماتے ہیں:

''اس بات پر امت کا اجماع منعقد ہوا ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی رسول کریم ﷺ کی توہین کرے یا آپ ﷺ کو گالی نکالے تو اسے قتل کیا جائے۔ اسی طرح دیگر علماء سے بھی رسول کریم ﷺ کی توہین کرنے والے کے واجب القتل اور کافر ہونے کے بارے میں اجماع نقل کیا ہے۔

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

''اس بات پر مسلمانوں کا اجماع منعقد ہوا ہے کہ جو شخص اللہ یا اس کے رسول کو گالی دے یا خدا کے نازل کردہ کسی حکم کو رد کر دے یا کسی نبی کو قتل کرے تو وہ اس کی بنا پر کافر ہو جاتا ہے اگرچہ وہ خدا کے نازل کردہ تمام احکام کو مانتا ہو۔''

امام خطابی فرماتے ہیں

''میرے علم کی حد تک کسی مسلمان نے بھی اس کے واجب القتل ہونے میں اختلاف نہیں کیا''

محمد بن سحنون کا قول ہے

''اس بات پر علماء کا اجماع منعقد ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والا اور آپ ﷺ کی توہین کرنے والا کافر ہے' اس کے بارے میں عذاب خداوندی کی وعید آئی

ہے۔امت کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے، جو شخص اس کے کفر اور اس کی سزا میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔''

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول اردو ترجمہ مترجم پروفیسر غلام احمد حریری ناشر مکتبہ قدّوسیّہ رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور پاکستان سن اشاعت ۲۰۱۱ صفحہ ۳۹و۴۰)

اسی طرح لکھا ہے کہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو گالی دینے سے نہ تو ذمّی کا عہد ٹوٹتا ہے اور نہ اس کا قتل لازم آتا ہے مگر اعلانیہ ایسا کرنے کی وجہ سے اس پر اسی طرح تعزیر لگائی جائے جس طرح دیگر منکرات کا اعلانیہ ارتکاب کرنے پر لگائی جاتی ہے۔مثلاً اپنی مذہبی کتاب کو بآواز بلند پڑھنا وغیرہ طحاوی نے یہ مؤقف امام ثوری سے نقل کیا ہے۔(مختصر الطحاوی صفحہ ۲۶۲) حنیفہ کا اصول یہ ہے کہ جن افعال کے ارتکاب سے فاعل کا قتل لازم نہیں آتا مثلا! بھاری پتھر پھینک کر کسی کو قتل کرنا یا فرج کے سوا کسی اور عضو میں جماع کرنا، اگر ایسے فعل کا صدور فاعل سے کئی مرتبہ ہو تو حاکم ایسے شخص کو قتل کر سکتا ہے۔

اسی طرح اگر حاکم اس میں مصلحت دیکھے تو شرعی حد سے زیادہ سزا دے سکتا ہے۔ایسے جرائم کی سزا میں قتل کی جو روایات رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے منقول ہیں وہ ان کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ مصلحت کا تقاضا یہی تھا، اس کا نام وہ سیاستاً قتل کرنا رکھتے ہیں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن جرائم میں تکرار و اعادہ کی وجہ سے شدت پیدا ہو گئی ہو اُن میں قتل کی سزا دی جا سکتی ہے۔بنا بریں اکثر حنفیہ نے فتویٰ دیا ہے کہ جو ذمّی نبی کریم ﷺ کو گالی

دے اسے قتل کیا جائے اگرچہ گرفتار ہونے کے بعد مسلمان کیوں نہ ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسے ''سیاستاً''، قتل کیا جائے۔ یہ بات حنفیہ کے سابق الذکر اصول پر مبنی ہے۔''

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۴۹)

اب تک جن لوگوں نے بھی شاتم الرسول یا گستاخ رسول کے عنوان پر کتابیں لکھی ہیں ان سب نے اپنے مؤقف کی تائید میں امام ابن تیمیہؒ کی اسی کتاب الصارم المسلول کا سہارا لیا ہے۔ اور ہر مصنف نے اس بات کو پیش کیا ہے کہ اس معاملہ میں امت کا اجماع ہے کہ گستاخ رسول شاتم رسول کی سزا قتل ہے اور اسی بات کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ اس وقت تک جس قدر بھی کتب میری نظر سے گزری ہیں ان میں روایات کی روشنی میں اس مسئلہ پر امت کے اجماع کی بات کی گئی ہے۔ قرآن کریم سے یا حدیث نبوی ﷺ سے کوئی ایک آیت بھی یا کوئی ایک حدیث بھی ایسی پیش نہیں کی گئی جس میں گستاخِ رسول یا شاتمِ رسول کو قتل کرنے کا واضح حکم ہو۔ البتہ قرآن کریم کی آیات یا بعض احادیث کو پیش کر کے ان سے توجیہہ کی گئی ہے۔ گستاخِ رسول کو قتل کرنے کے حامیوں نے جن آیات یا احادیث کو اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کیا ہے ان پر بھی آگے چل کر غور کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن اس جگہ یہ بات واضح کرنی ضروری ہے کہ اجماع امّت کسے کہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اجماع امت اس بات میں مانا جائے گا جس میں امّت کے تمام علماء، مفکرین، محدثین، مفسرین، مؤرخین، مفتیاں، آئمہ وعلماء شرح متین حالیان و سابقین تمام کے تمام کسی ایک مسئلہ پر متفق اور متحد ہوں اور کوئی رائی برابر بھی اختلاف نہ پایا جاتا ہو۔ علماء کرام کی طرف سے اس معاملہ میں جو یہ بات بار بار لکھی جاتی ہے کہ اس بات پر امت کا اجماع ہے درست دکھائی نہیں دیتی۔ اوپر پیش کئے گئے چند حوالوں ہی کو دیکھ لیں صاف دکھائی دیتا

ہے کہ اس معاملہ میں امت کا اجماع ہر گز نہیں ہے۔جیسا کہ میں نے لکھا ہے کہ تمام مصنفین نے امام ابن تیمیہؒ کی کتاب کو بنیاد بنایا ہے ان کی کتاب سے جو حوالہ پیش کیا ہے اس میں بات ہی یہاں سے شروع کی گئی ہے کہ ’’اکثر علماء کا مؤقف یہی ہے‘‘ یہ نہیں لکھا کہ تمام علماء کا مؤقف یہی ہے۔کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ اس معاملہ میں امت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔اور یہ بات درست بھی ہے کیونکہ آپ نے خود ہی اپنی کتاب میں اس اختلاف کو جابجا بیان بھی کیا ہے زیادہ دور نہ بھی جائیں تو بھی آئمہ اربعہ ہی کے مؤقف میں اختلاف موجود ہے جسے امام ابن تیمیہؒ نے خود ہی پیش کیا ہے۔جن لوگوں نے بھی اجماع امت کی بات کی ہے یہ بات ان کے اپنے زعم کی حد تک ہے یا بعض علماء ان کے مؤقف کی تائید میں دکھائی دیتے ہیں لیکن اس معاملہ میں اختلاف رائے کو دیکھتے ہوئے اجماعِ امت ہر گز دکھائی نہیں دیتا۔جناب پیرزادہ شفیق الرحمٰن صاحب بھی لکھ رہے ہیں کہ

’’دور حاضر کے بعض بزعم خود روشن خیال و اعتدال پسند لوگ شاتم و گستاخ رسول ﷺ کی اس سزا کو غلو و تشدد باور کروانے پر تلے ہیں‘‘ (صفحہ ۱۶۱)

ان کی یہ تحریر بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس معاملہ میں اختلاف موجود ہے۔جب اختلاف موجود ہو تو اجماع امت کہنا کسی لحاظ سے بھی درست نہیں رہتا۔الغرض اس سلسلہ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے اس لئے یہ بات کسی صورت بھی ماننے کے لائق نہیں ٹھہرتی کہ گستاخِ رسول اور شاتمِ رسول کی سزا قتل پر اجماع امت موجود ہے۔

اس کے علاوہ ان کتب میں ایک بحث اور بھی بڑی ہی دل چسپ ہے جو ذمّی کی بحث ہے قرآن کریم اور احادیث کے حوالہ سے ساری بحث ذمّی کے گرد ہی گھومتی ہے یہ بھی ایک الگ مضمون ہے جس پر الگ سے بحث کی جائے گی۔پھر ایک کافر کی بحث ہے ایک مومن کن

حالات میں کافر ہو جاتا ہے اور پھر اس کے کفر کی بنا پر کیا اسے قتل کیا جا سکتا ہے قرآن کریم اس سلسلہ میں کیا کہتا ہے وغیرہ یہ وہ ساری بحثیں ہیں جن میں اختلاف موجود ہے یا پھر قرآنی تعلیم کے بالکل مخالف ٹھہرتی ہیں جن پر اجماع امّت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شاتمِ رسول اورتوہین رسالت کرنے والے کی سزا

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں بہت سی کتب منظرِ عام پر آچکی ہیں۔اور اکثر مصنّفین نے اس بات پر ہی زور دیا ہے کہ ہر شاتمِ رسول کی اور توہین رسالت اور توہین قرآن کرنے والے کی سزا قتل ہے ۔آئے دن ایسے واقعات دکھائی دیتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی بد باطن یا بدطینت ہمارے پیارے بنی ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوتا ہے اور علماء کی طرف سے قتل کے فتوے جاری ہوتے ہیں ۔بعض اوقات احتجاجات کے نتیجہ میں خود مسلمانوں ہی کو جان کی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔علماء کی طرف سے فتوؤں کا جاری ہونا ہی دینا میں اسلام کی بدنامی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔توہین کرنے والوں کوتو تحفّظ فراہم ہوجاتا ہے لیکن ان کے خلاف احتجاج کرنے والے جو کہ اسلام کے نام پر اور محبتِ رسول ﷺ میں مرمٹنے کو تیار رہوتے ہیں مخالفین اسلام کے نشانے پر آکر پوری دنیا میں بدنام ہونے کے ساتھ ساتھ جان کی قربانیاں بھی پیش کرتے ہیں۔

اسی طرح بعض مفکرین اسلام اس بات کو بھی با دلائل پیش کرتے ہیں کہ توہین رسالت کرنے والے یا شاتمِ رسولؐ کے سزا قتل نہیں ہے اور اس کا اسلام میں کوئی جواز نہیں پایا جاتا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اسلام انصاف ہر مبنی دین ہے اور کسی پر کسی قسم کی زیادتی کی اجازت نہیں دیتا۔مخالفین اسلام جس قسم کا ھتھیار استعمال کرتے ہیں اسلام مقابلہ کے لئے اسی طریق سے دفاع کا حکم دیتا ہے۔اگر کوئی قلم کا استعمال کرے تو اس کا قلم سے جواب دیا جانا چاہیئے اور اگر کوئی اسلام کے خلاف تلوار اٹھاتا ہے تو اس کے خلاف تلوار سے دفاع کی اجازت دیتا ہے۔ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ زبان اور قلم کے بالقابل تلوار اٹھائی جائے۔قرآن کریم اس بات کو کئی مقام پر بیان فرماتا ہے کہ جان کے بدلے جان، دانت کے بدلے دانت، آنکھ

کے بدلے آنکھ۔کان کے بدلے کان،اس کے ساتھ ہی فرماتا ہے کہ بدلہ تو انصاف کے تقاضہ کو پورا کرتے ہوئے لیا جاسکتا ہے ہاں جو معاف کردے اور درگزر کردے تو اس کا اجر اسے اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوگا۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے کہ توہین رسالت کرنے والے یا شاتمِ رسول کی سزا کیا ہے؟ جن لوگوں نے اس کی سزا قتل بیان کی ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں تاریخ وسنّت اور عقل کی کسوٹی پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کے دلائل قرآنی تعلیم اور اسوۂ رسول ﷺ سے کس قدر مطابقت رکھتے ہیں۔اسی طرح ان کے دلائل بھی کس قدر مطابقت رکھتے ہیں جو توہین رسالت کرنے والے کے قتل کی سزا کے قائل نہیں۔آگے چل کر انشاء اللہ تعالیٰ اس پر تفصیل سے غور کیا جائے گا۔

قرآن کریم اور توہین رسالت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا واقعہ محفوظ کیا ہے جو رسول کریم ﷺ کی زندگی ہی میں پیش آیا اس کا ذکر احادیث نبوی ﷺ میں بھی موجود ہے اور تاریخ اسلام لکھنے والوں نے بھی اسے محفوظ کیا ہے۔ اس واقعہ پر رسول کریم ﷺ کا اسوہ ہمارے لئے اس معاملہ میں راہنما اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ط وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ o

(المنٰفقون آیت ۹)

"یعنی وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے تو جو مدینہ کا سب سے معزز آدمی ہے وہ مدینہ کے سب سے ذلیل آدمی کو اس سے نکال دیگا۔ اور عزّت اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کو ہی حاصل ہے لیکن منافق جانتے نہیں۔"

یہ واقعہ غزوۂ مصطلق کا ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبیّ بن سلول ایک جگہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اس نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ مدینہ پہنچ کر وہاں کا عزّت والا شخص وہاں کے ذلیل شخص کو مدینہ سے نکال دیگا۔ جب یہ بات اس نے کہی اس مجلس میں ایک بچہ زید بن ارقم بھی بیٹھے تھے جب آپ نے یہ بات سنی تو آپ بے تاب ہو گئے آپ نے فوراً ہی اپنے چچا کے ذریعہ اس واقعہ کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو دی۔ اس وقت حضرت عمرؓ بھی وہاں بیٹھے تھے یہ الفاظ سن کر غیرت اور غصہ سے بھر گئے۔ اور آنحضرت ﷺ سے عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے اجازت دیں میں ابھی اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا "عمر جانے دو۔ کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ لوگوں میں یہ چرچا ہو کہ محمدؐ

اپنے ساتھیوں کو قتل کرواتا پھرتا ہے۔'' اس پر آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن ابیّ بن سلول اور اس کے ساتھیوں کو بلا بھیجا اور دریافت فرمایا کہ یہ کیا معاملہ ہے اس پر عبداللہ بن ابیّ بن سلول اوراس کے ساتھی قسمیں کھا گئے کہ ایسی کوئی بات ہی نہیں ہوئی ہے۔ آپؐ نے اس کی اور اسکے ساتھیوں کی بات کو قبول فرمالیا۔ اور زید کی بات کو رد فرما دیا۔ اس بات کا زید کو بہت صدمہ پہنچا۔ مگر قرآنی وحی نے زید کی بات کی تصدیق فرمادی اور منافقین کو جھوٹا قرار دیا۔ یہ توہین رسالت کا ایسا واقعہ ہے جس کی خدا نے تصدیق کی کہ واقعی عبداللہ بن ابیّ بن سلول نے رسول خدا ﷺ کی توہین کی ہے اور یہ ایسا موقعہ تھا کہ توہین رسالت کرنے والے کی سزا کا اعلان فرماتے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ آپؐ نے عبداللہ بن ابیّ بن سلول کے بارے میں کوئی ارشاد نہیں فرمایا کہ اس کو یہ سزا دی جائے بلکہ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا کہ اسی وقت لوگوں کو مدینہ کے لئے کوچ کرنے کا حکم دیدو۔ یہ دوپہر کا وقت تھا اور آنحضرت ﷺ اس وقت کبھی بھی لشکر کو کوچ کا حکم نہیں فرماتے تھے۔ اور سارا لشکر کوچ کے لئے تیار ہو گیا۔ عبداللہ بن ابیّ بن سلول کی اس حرکت کی اطلاع جب اس کے بیٹے کو ملی جس کا نام حباب تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام بدل کر عبداللہ رکھ دیا تھا گھبرایا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس آیا یہ ایک مخلص صحابی تھے اور آنحضور ﷺ سے کہنے لگے۔ یا رسول اللہ میں نے سنا ہے کہ آپ میرے باپ کی گستاخی اور فتنہ انگیزی کی وجہ سے اس کے قتل کا حکم دینا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کا یہی فیصلہ ہے تو مجھے حکم فرمائیں میں ابھی اپنے باپ کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں لا ڈالتا ہوں۔ مگر آپ کسی اور کو ایسا ارشاد نہ فرمائیں کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی جاہلیّت کی رگ میرے بدن میں جوش مارے اور میں اپنے باپ کے قاتل کو کسی وقت کوئی نقصان پہنچا بیٹھوں اور خدا کی رضا چاہتا ہوا بھی جہنّم میں جا گروں۔ آپ نے اسے تسلی دی اور فرمایا کہ ہمارا ہرگز یہ ارادہ نہیں ہے بلکہ ہم بہرحال

تمہارے والد کے ساتھ نرمی اور احسان کا معاملہ کریں گے۔(سیرت ابن ہشامؒ جلد دوم اردو ترجمہ صفحہ ۳۴۸و۳۴۹)

تاریخ میں آتا ہے کہ جب یہ لشکر مدینہ میں داخل ہو رہا تھا تو عبداللہ ابن عبداللہ بن ابیؒ بن سلول اپنے والد کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا خدا کی قسم مین تمہیں واپس نہیں جانے دونگا جب تک تم اپنے منہ سے یہ اقرار نہ کرو کہ رسول اللہ ﷺ معزز ترین ہیں اور تم ذلیل ہو اور عبداللہ نے اس اصرار سے اپنے باپ پر زور ڈالا کہ آخر اس نے مجبور ہو کر یہ الفاظ کہہ دیئے جس پر عبداللہ نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔(سیرت ابن ہشام)

یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس سے صاف صاف توہین رسالت دکھائی دیتی ہے اگر اسلام میں اور قرآن کریم میں توہین رسالت کرنے والے کی سزا قتل کا حکم ہوتا تو آپؐ ضرور اس موقعہ پر عبد اللہ بن ابیؒ بن سلول کو قتل کرنے کا حکم دیتے لیکن آپؐ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا بلکہ ہمیشہ ہی اس کے ساتھ رافت اور نرمی کا سلوک فرمایا۔ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ جب عبداللہ بن ابیؒ بن سلول کی وفات ہوئی تو آنحضور ﷺ نے اس شخص کی نماز جنازہ تک ادا فرمائی۔اپنی ایک قمیض بھی اسے عطا کی تھی جو اس کی نعش کے ساتھ بطور کفن کے دفن کی گئی۔اس واقعہ پر آنحضرت ﷺ کا عمل یہ بتاتا ہے کہ اسلام میں اور قرآن کریم میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے کہ توہین رسالت کرنے والے کی سزا قتل ہے۔

۲۔قرآن کریم میں ایک اور واقعہ بھی درج ہے جو کہ اسی غزوہ کے موقعہ پر پیش آیا یہ واقعہ ''واقعۂ اِفک'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔آنحضرت ﷺ کا یہ طریق مبارک تھا کہ جب بھی آپ کسی سفر کے لئے تشریف لے جاتے تو اپنے ساتھ اپنی ازواج میں سے بھی کسی کو لے جاتے تھے۔اس موقعہ پر قرعہ حضرت عائشہؓ کے نام نکلا تھا اور آپ آنحضور ﷺ کے

ساتھ تشریف لے گئی تھیں۔ آنحضور ﷺ کا یہ لشکر کو جب واپسی کے وقت مدینہ کے قریب ایک جگہ ٹھہرا ہوا تھا تو آپؐ نے لشکر کو رات کے وقت نکلنے کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب میں نے یہ اعلان سنا تو میں حوائج انسانی سے فارغ ہونے کے لئے لشکر سے باہر نکل کر ایک طرف کو گئی اور فارغ ہو کر واپس لوٹ آئی جب میں اپنے اونٹ کے قریب پہنچی تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے گلے کا ہار ندارد ہے۔ اس کی تلاش میں میں پھر واپس لوٹ گئی اور اس کی تلاش میں مجھے کچھ دیر ہو گئی۔ اسی اثناء میں وہ لوگ جو میرا ہودہ اُٹھانے پر متعین تھے آئے اور یہ خیال کر کے کہ میں ہودہ کے اندر ہوں انہوں نے میرا ہودہ اٹھا کر اونٹ کے اوپر رکھ دیا اور لشکر کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں اس زمانہ میں پتلی دبلی تھی اس لئے ہودہ اٹھانے والوں کو یہ شک بھی نہ گزرا تھا کہ میں ہودہ میں ہوں یا نہیں۔ جب میں واپس آئی تو میں نے دیکھا کہ لشکر روانہ ہو چکا ہے۔ اس پر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اسی جگہ بیٹھ جاتی ہوں میری غیر موجودگی پر مجھے تلاش کرتے ہوئے لشکر کے لوگ یہیں آئیں گے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں وہیں بیٹھ گئی اور بیٹھے بیٹھے مجھے نیند آ گئی۔ ایسے مواقع پر کسی ایک شخص کی ڈیوٹی ہوتی تھی کہ وہ لشکر کے چلے جانے کے بعد پورے میدان کا جائزہ لے اور اگر کوئی چیز پیچھے رہ گئی ہو تو وہ لیکر آئے اس کام پر صفوان بن معطلؓ کی ڈیوٹی تھی۔ چنانچہ جب وہ پیچھے سے آئے اور صبح کے قریب میری جگہ پر پہنچے تو انہوں نے مجھے وہاں اکیلے سوتے ہوئے دیکھا۔ چونکہ وہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے مجھے دیکھ چکے تھے مجھے فوراً پہچان گئے جس پر آپ نے گھبرا کر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن پڑھا۔ ان کی یہ آواز سن کر میں جاگ گئی اور فوراً اپنا منہ اوڑھنی سے ڈھانپ لیا۔ آپ فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم اُس نے میرے ساتھ کوئی بات نہیں کی اور نہ میں نے اس کلمہ کے سوا اس کے منہ سے کوئی اور الفاظ سنے۔ اس کے بعد وہ اپنے اونٹ کو آگے لایا اور

میرے قریب اس کو بٹھا دیا۔اوراس نے اونٹ کے دونوں گھٹنوں پر اپنا پاؤں رکھ دیا(تا کہ وہ اچانک نہ اٹھ سکے) چنانچہ میں اونٹ پر سوار ہو گۓ اور صفوان اس کے آگے آگے اُس کی مہار تھامے ہوئے چلنے لگا۔حتٰی کہ ہم اس جگہ پہنچے جہاں اسلامی لشکر ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا۔

اس واقعہ پر اسی عبداللہ بن ابیّ بن سلول نے اوران کے ساتھ امّ مسطح کے بیٹے مسطح نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا پر بہتان باندھ کر آپؓ کی توہین کی یہ توہین صرف حضرت امّ المؤمنینؓ کی ہی نہ تھی بلکہ آنحضرت ﷺ کی شان میں بھی گستاخی تھی کیوں کہ آپ رضی اللہ عنھا سرور کونین ﷺ کی زوجہ مطہرہ بھی تھیں۔جو تہمت آپؓ پر باندھی گئی تھی وہ بہت بڑی تھی اوراس بارہ میں بہت چرچہ ہو رہا تھااور چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔اسی دوران آپؓ بیمار بھی ہو گئیں اور فرماتی ہیں کہ میں دیکھتی تھی کہ میری بیماری کے دوران رسول کریم ﷺ کی وہ شفقت اور مہربانی بھی مجھے نظر نہ آتی تھی جو عموماً آپؐ مجھ سے فرمایا کرتے تھے۔اسی دوران آپ اپنے والد کے گھر بھی تشریف لے گئیں تا کہ حقیقت کا علم ہو سکے۔ادھر آنحضرت ﷺ پر وحی کے نزول میں بھی کافی وقفہ ہو گیا تھا۔اس واقعہ پر آنحضور ﷺ نے حضرت علیؓ بن طالب اوراسامہؓ بن زید کو بلا کران سے مشورہ بھی لیا۔پھراسی دن آپؐ نے مسجد میں ایک تقریر بھی فرمائی جس میں آپؐ نے فرمایا''مجھے میرے اہل کے بارے میں بہت دکھ دیا گیا ہے۔کیا تم میں سے کوئی ہے جواس کا سدّ باب کر سکے؟اور خدا کی قسم مجھے تو اپنی بیوی کے متعلق سوائے خیر و نیکی کے اور کوئی علم نہیں ہے۔اور جس شخص کا اس معاملہ میں نام لیا جاتا ہے اسے بھی میں اپنے علم میں نیک خیال کرتا ہوں۔اور وہ بھی میرے گھر میں میری غیر حاضری میں نہیں آیا۔''(بخاری کتاب المغازی باب حدیث الافک)

الغرض رسول کریم ﷺ کو آپ کی زوجہ مبارکہ پر لگائے گئے اس تہمت کے الزام سے

بہت دکھ پہنچا۔ اگرچہ اس واقعہ کے ایک ماہ بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بریّت کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ط بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ج وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا لا وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۔ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ج فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۔ (سورۃ النّور ۱۲ تا ۱۴)

یعنی' یقیناً وہ لوگ جنہوں نے ایک بڑا اتہام باندھا تھا تمہیں میں سے ایک گروہ ہے تم اس (فعل) کو اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لئے بہت اچھا تھا (کیونکہ اس کی وجہ سے ایک پرحکمت تعلیم تم کو مل گئی) اُن میں سے ہر شخص کو اس نے جتنا گناہ کیا تھا اس کی سزا مل جائے گی اور جو شخص اس گناہ کے بڑے حصے کا ذمہ دار تھا اس کو بہت بڑا عذاب ملے گا۔ جب تم نے یہ بات سنی تھی تو کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنی قوم کے متعلق نیک گمان کیا اور یہ کہہ دیا کہ یہ ایک بہت بڑا جھوٹ ہے۔ اور کیوں نہ وہ لوگ (جنہوں نے یہ جھوٹ پھیلایا تھا) اس پر چار گواہ لائے پس جب کہ وہ گواہ نہیں لائے تو اللہ کے فیصلہ کے مطابق وہ جھوٹے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس دور کے وہ مفکرین جو ازواجِ مطہرات کی توہین کرنے والوں کو قتل کی سزا کا فتویٰ دیتے ہیں وہ ان آیات پر غور کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ ایسا کوئی حکم نہیں دیا کہ ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے۔ اور نہ ہی آنحضور ﷺ نے ایسے اتہام لگانے والوں کو قتل کرنے کا کوئی حکم دیا بلکہ آپ نے ان سے درگزر فرماتے ہوئے اللہ کی طرف سے دردناک

عذاب کی وعید کو کافی جانا۔ اگر ایسے اتہام لگانے والوں اور توہین کرنے والوں کی سزا قتل ہوتی تو رسول کریم ﷺ ضرور اس کا حکم فرماتے اور ان لوگوں کو قتل کیا جاتا جنہوں نے اس توہین کا بیڑا اٹھایا۔ لیکن آپ نے ایسے تمام افراد کو معاف فرماتے ہوئے ان سے شفقت و رافت کا سلوک فرمایا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ۔۔۔(الحجرات آیت ۳)

یعنی اے مومنو! نبی کی آواز کے آگے اپنی آواز اونچی نہ کیا کرو۔ اور نہ بلند آواز سے اس کے سامنے اس طرح بولا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کے سامنے بولتے ہو۔

اب یہ قرآن کریم کا حکم ہے کہ جو کوئی بھی آنحضور ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے بات کرے تو وہ توہین قرآن بھی کرتا ہے اور توہین رسول کا بھی مرتکب ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابوھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپؐ سے قرض ادا کرنے کا تقاضا کیا اور بڑی گستاخی سے پیش آیا۔ آپؐ کے صحابہ کو بڑا غصہ آیا اور اسے ڈانٹنے لگے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اسے کچھ نہ کہو کیوں کہ جس نے لینا ہو وہ کچھ نہ کچھ کہنے کا بھی حق رکھتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا اسے اس عمر کا جانور دیدو جس عمر کا اس نے وصول کرنا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اس وقت تو اس سے بڑی عمر کا جانور موجود ہے آپؐ نے فرمایا وہی دیدو۔ کیونکہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنا قرض زیادہ عمدہ اور اچھی صورت میں ادا کرتا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب البیوع باب من استسلف شیأً فقضیٰ خیراً منه)

یہ حدیث اس بات کو پیش کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک شخص نے واضح

طور پر گستاخی کی اور اس گستاخی کرنے کے نتیجہ میں صحابہ کو غصہ بھی آیا۔ اگر گستاخی کی سزا قتل ہی ہوتی تو یہ ایسا موقعہ تھا کہ ایک شخص ایک طرف قرآن کی توہین کر رہا ہے اور دوسری طرف رسول کریم ﷺ سے گستاخی بھی کر رہا ہے تو آنحضور ﷺ اس شخص کو قتل کرنے کا حکم صادر فرماتے۔ لیکن آپؐ نے لوگوں کو اسے ڈانٹنے سے بھی منع فرما دیا اور کچھ نہ کچھ کہنے کا حق دیتے ہوئے اس سے بہتر اس کو ادا کیا جس کا وہ مطالبہ کر رہا تھا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ط قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ o (سورت التوبۃ آیت ۶۱)

یعنی۔ اور ان میں سے بعض ایسے (منافق) بھی ہیں جو نبی کو دکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو (کان ہی) کان ہے تو کہہ دے کہ وہ تمہارے لئے بھلائی سننے کے کان رکھتا ہے وہ اللہ پر ایمان لاتا ہے اور جو تم میں سے مومن ہوں اُن (کے وعدوں) پر (بھی) یقین رکھتا ہے اور مومنوں کے لئے رحمت کا موجب ہے اور وہ لوگ جو اللہ کے رسول کو دکھ پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت میں صاف طور سے دکھائی دیتا ہے کہ منافقین آنحضرت ﷺ کی توہین کی نیّت ہی سے آپؐ کو کان کہہ رہے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ یہ صرف لوگوں کی شکایات ہی سنتے رہتے ہیں۔ گویا کہ نعوذ باللہ اس کے سوا ان کا اور کوئی کام ہی نہیں ہے تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ دیتا ہے کہ سنتا تو ضرور ہے مگر تمہارے فائدہ کے لئے سنتا ہے تا کہ تمہاری اصلاح کرے۔ اور ایسا سننے والا قوم کا محسن ہوتا ہے خبریں سننا اس کے لئے منع ہے جو بُغض اور

کینہ سے کام لے۔اس میں توہین رسالت صاف دکھائی دیتی ہے لیکن قرآن کریم نے ایسے شخص کے قتل کا کوئی حکم نہیں دیا بلکہ اس کے لئے دردناک عذاب کی وعید ہے اور اسے اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ بندوں کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ ایسا کرنے والے کو قتل کر دیں۔

امام ابن تیمیہ نے اس آیت کو بیان کر کے اس سے یہ دلیل پکڑی ہے کہ شاتم رسول کرنے والا کافر ہے چونکہ اس نے کفر کیا ہے اس لئے وہ مخالفت میں دشمنوں کے ساتھ ہو کر جنگ کرے گا۔ یہ ایک موہوم سی بات دکھائی دیتی ہے جو ان کا اپنا خیال کہلا سکتا ہے لیکن اس کی اصل اس آیت میں موجود نہیں۔اس پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کہنے والے منافقین تھے جو آپ کی مجلسوں میں بیٹھتے بھی تھے اور ایسی باتیں بھی کرتے تھے۔اور اپنی بات کو تقویت دینے کے لئے جن واقعات کو پیش کرتے ہیں ان کا نتیجہ اس کے بالکل برعکس دکھائی دیتا ہے۔آپ لکھتے ہیں

''ابو قحافہ نے آنحضرت ﷺ کو گالی دی تو (ان کے بیٹے) ابوبکر صدیقؓ نے اسے قتل کرنا چاہا' عبد اللہ بن ابیؓ نے رسول کریم ﷺ کی تحقیر کی تو اس کے بیٹے نے رسول کریم ﷺ سے اپنے باپ کو قتل کرنے کی اجازت مانگی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والا کافر اور مباح الدم ہے۔''

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول اردو ایڈیشن صفحہ ۷۴)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول کریم ﷺ نے ان لوگوں کے قتل کی اجازت دی؟ جب اجازت ہی نہیں دی گئی اور نہ ہی ان کا اس بنا پر قتل ہوا تو یہ بات کہاں سے اخذ کی جا سکتی ہے کہ یہ مباح الدم ٹھہرتے ہیں۔ ہاں قتل کئے جاتے اس پر رسول خدا ﷺ ان کو مباح الدم ٹھہراتے تو یہ بات مانی جا سکتی تھی لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تو شاتم رسول کے قتل کے لئے جو

دلیل دی گئی ہے وہ بالکل الٹ ٹھہرتی ہے۔دوسری بات یہ کہ جو کافر ہو جائے اس کا خون بھی کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔کیونکہ قرآن کریم کسی کے ایمان لانے کے بعد اس کے انکار اور کفر کی بنا پر بھی اسے قتل کا کوئی حکم نہیں دیتا بلکہ یہ بات بیان کرتا ہے کہ پہلے ایمان لائے پھر انکار کر دیا پھر ایمان لائے پھر انکار کر دیا پھر وہ کفر میں بہت ہی آگے بڑھ گئے ایسے لوگوں کو بھی سزا دینے کا کام اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا اور کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ کسی کے کافر ہو جانے کی بنا پر اس کو قتل کر دیا جائے ایسا کوئی حکم قرآن کریم میں موجود نہیں۔اور نہ ہی آنحضرت ﷺ نے کسی شخص کو محض انکار اور کفر کی بنا پر قتل کا کوئی حکم دیا ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ ہم نے نجد کی طرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ جہاد کیا۔اتفاق سے دوپہر کا وقت ایسے جنگل میں آیا جہاں کانٹے دار درخت بہت تھے،آپؐ ایک درخت کے سایہ میں اترے اور تلوار درخت سے لٹکا دی۔تو آپؐ کے ہمراہی بھی جدا جدا درختوں کے سایہ میں اترے،اسی اثناء میں ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہم کو بلا رہے ہیں،خیر ہم گئے،دیکھا تو ایک گنوار آپؐ کے سامنے بیٹھا ہے آپؐ نے فرمایا ابھی یہ گنوار میرے پاس آیا میں سو رہا تھا اس نے کیا کیا میری تلوار سونت لی میں جاگا تو کیا دیکھتا ہوں ننگی تلوار لئے میرے سر پر کھڑا ہے کہنے لگا اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا،میں نے کہا اللہ بچانے والا ہے یہ سنتے ہی اس نے تلوار نیام میں کر لی اور بیٹھ گیا دیکھو یہ بیٹھا ہے۔جابرؓ نے کہا آنحضرت ﷺ نے اس کو کوئی سزا نہ دی۔

(صحیح بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب غزوۃ ذات الرقاب حدیث ۱۲۹۸)

یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جنگ کا ماحول ہے ایک شخص آپ ہی کی تلوار لیکر آپؐ پر سونت کر کھڑا ہو جاتا ہے ایسا مجرم تو جنگی مجرم کہلاتا ہے اور ایسے مجرموں کی سزا قتل ہوا کرتی ہے اور پھر وہ

بھی رسول کریم ﷺ کے خلاف ایسی گستاخی کہ آپؐ آرام فرمارہے ہیں اور یہ شخص آپؐ ہی کی تلوار آپؐ ہی پر سونت کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر آپؐ اپنے اصحابؓ کو بھی بلاتے ہیں اور اس واقعہ سے آگاہ کرتے ہیں کہ دیکھو اس شخص نے کیسا جرم اور گستاخی کی ہے ان تمام باتوں کے باوجود آنحضور ﷺ نے اس شخص کے خلاف قتل کا کوئی حکم نہیں دیا بلکہ آپ نے اسے کوئی سزا بھی نہ دی اور معاف فرما دیا۔ الغرض اوپر بیان کئے دلائل اس بات پر شاہد ہیں کہ اسلام میں محض گستاخِ رسولؐ، گستاخِ قرآن، گستاخِ اہل بیت کی سزا قتل نہیں۔ نہ تو قرآن کریم اس کا حکم دیتا ہے نہ ہی سنت سے ثابت ہے اور نہ ہی احادیث اس بات کو بیان کرتی ہیں۔ ایسے گستاخوں کی سزا کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے کہ وہ خود اس دنیا میں یا آخرت میں ان کو ان کے عمل کی سزا دیگا۔

کیا قرآن کریم میں شاتمِ رسول اور توہین رسالت کرنے والے کی سزا قتل ہے؟

توہین رسالت کرنے والے اور شاتمِ رسول کی سزا قتل ہے اس نظریہ کے پیش نظر بہت سی کتب لکھی گئی ہیں۔سب سے اہم کتاب جس کے حوالے اکثر علماء اپنی کتب میں پیش کرتے ہیں وہ امام ابن تیمیہؒ کی کتاب ''الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول'' ہے ایک کتاب ''شاتمِ رسول ﷺ کی شرعی سزا'' تالیف پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ الدّراوی صاحب کی ہے۔ایک کتاب'' تحفّظ ناموسِ رسالت'' کے عنوان سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کی طرف سے لکھی ہوئی ہے اسی طرح ایک کتاب ''شانِ مصطفیٰ ﷺ اور گستاخِ رسول کی سزا'' کے عنوان سے جناب قادری محمد یعقوب شیخ صاحب کی طرف سے تصنیف شدہ ہے۔انکے علاوہ اور بھی بہت سی کتب اس مضمون کی شائع شدہ ہیں ان کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام مصنفین کا مؤقف ایک ہی ہے اور ایک ہی طرح کے حوالے انہوں نے پیش کئے ہیں اور ایک ہی نظریہ کو پیش کیا ہے اور ان تمام مصنفین نے امام ابن تیمیہ کی کتاب کو بنیاد بنایا ہے۔اس عنوان پر لکھنے والوں نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ شاتمِ رسول ﷺ اور توہین رسالت کرنے والوں کی سزا لازمی طور پر قتل ہے۔اسی لئے انہیں کتب کو بنیاد بنا کر اور ایسے علماء کے فتوؤں کا سہارا لیکر حکومت پاکستان نے تعزیرات پاکستان میں توہین رسالت کرنے والے اور شاتمِ رسول کے لئے قتل کا قانون بنا دیا جیسا کہ درج ہے کہ

295-C.Use derogatory remarks,etc.,in respect of the Holy prophet:

Whoever by words ,either spoken or written or by visible reprsentation or by any imputation,innuendo,or insinuation,directly or indirectly,defiles the sacred name of the Holy prophet Muhammad (peace be upon him) shall be punished with death,or imprisonment for life,and shall also be liable to fine.

(Pakistan penal code (Act XI.V of 1860)page108)

تعزیرات پاکستان میں یہ کلاز ایسی ہے کہ جوتوہین رسالت کرنے والے یا شاتمِ رسول کو موت کی سزا سناتی ہے۔ یہ قانون تو بنا دیا گیا ہے اور ایسا کھلا قانون ہے کہ فیصلہ کرنے والا جس بات کو چاہے توہین رسالت کے تحت لا کر اسے موت کی سزا سنا سکتا ہے۔اس قانون میں اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ کون کون سی باتیں یا الفاظ یا امور توہین رسالت کے ضمن میں سمجھے جائیں گے۔اور کون سے اموراس ضمن میں نہیں آئیں گے۔اس لحاظ سے اس قانون کا استعمال صحیح طور پر ہو رہا ہے یا نہیں یہ نہیں کہا جا سکتا۔کیونکہ ایک شخص اپنے خیال میں جس بات کو شان رسول عربی ﷺ کے لئے پیش کر رہا ہے دوسرا شخص اسی بات کو لیکر اسے گستاخ رسول کہہ رہا ہے۔اور یہ باتیں ہم ہر روز دیکھتے اور سنتے ہیں کہ سنّی علماء بریوی علماء کی بعض تحریرات کو لیکر ان کے علماء کو گستاخ رسول کہہ رہے ہوتے ہیں اور بریلوی علماء سنی اور دیوبندی علماء کی بعض تحریرات کو پیش کر کے انہیں گستاخ رسول بیان کر رہے ہوتے ہیں۔شیعہ علماء کا بھی یہی حال ہے وہابی علماء کا بھی یہی حال ہے الغرض اسلام میں پائے جانے والے تمام فرقوں کے علماء دوسرے فرقہ کے عالم کی کسی نہ کسی بات یا تحریر کو لیکر یہ فتوے جاری کرتے رہتے ہیں اور

ایک دوسری کو گستاخ رسول ﷺ ٹھہراتے رہتے ہیں اگر ان علماء کے فتوؤں پر چلا جائے تو تعزیرات پاکستان کی اس کلاز سے سزائے موت پانے سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ کیوں کہ کسی کے بھی کسی بھی قول یا تحریر کو گستاخ رسول ﷺ کی شق کے نیچے لا کر کسی کو بھی سزائے موت سنائی جا سکتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی اسلام میں اور قرآن میں توہین رسالت کرنے والے یا شاتمِ رسول کی سزا موت اور قتل ہی مقرر ہے اس بات پر بڑی گہرائی سے غور کرنے کی ضرورت ہے اور مصنفین کتب نے اپنے مؤقف کی تائید میں جن قرآنی آیات کو پیش کیا ہے ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا قرآن کریم واقعی ان کے مؤقف کی تائید کرتا ہے یا پھر زور زبر دستی سے اپنا خیال اس میں داخل کیا گیا ہے۔ چونکہ علماء نے امام ابن تیمیہؒ کی کتاب ''الصّارم المسلول علیٰ شاتمِ الرسول'' کو بنیاد بنایا ہے اور اکثر حوالے اسی کتاب سے پیش کئے ہیں تو آپ نے قرآن کریم کی جن آیات سے استدلال کیا ہے ان کو پیش کر کے ان پر غور کرنا ضروری خیال کرتا ہوں اس کے علاوہ بھی دیگر کتب میں جن قرآنی آیات سے استدلال کیا گیا ہے ان پر بھی غور کیا جائے گا۔ وباللہ التوفیق

کیا شاتمِ رسول کافر ہو جاتا ہے اور اس کی سزا قتل ہے؟

جیسا کہ خاکسار گزشتہ صفحات میں اختصار سے اس بات کا ذکر کر آیا تھا کہ علماء اسلام نے شاتمِ رسول کی سزا قتل کے حوالہ سے تین باتوں کو اپنی بحث میں اٹھایا ہے۔ ان میں سے ایک تو ''مرتد'' کا معاملہ تھا جس پر گزشتہ صفحات میں تفصیل پیش کر دی گئی ہے اور دوسری بحث اس عنوان کے تحت کی گئی ہے کہ ''گستاخ رسول یا شاتمِ رسول '' کیا گستاخی کرنے یا سبّ و شتم کرنے کے نتیجہ میں کوئی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایسے کافر کا قتل کر دینا چاہیئے۔ اس نظریہ کے مطابق امام ابن تیمیہؒ نے ایک عنوان باندھا ہے ''شاتم رسول کافر ہے'' اس عنوان کے تحت قرآن کریم کی ان آیات کو بیان کیا ہے جن سے شاتم رسول کی سزا قتل ٹھہرانے کی کوشش کی ہے اور دلیل اس طرح لی ہے کہ شاتم رسول کرنے والا چونکہ کافر ہو جاتا ہے اس لئے اس کو قتل کرنا جائز ہے۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ کافر کو قتل کرنے کی دلیل کہاں سے لائیں گے جس کی قرآن قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ خیر اس عنوان کے تحت قرآن کریم کی جو آیت سب سے پہلے پیش کی ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے جو کہ یہ ہے۔

وَ مِنۡہُمُ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ النَّبِیَّ وَیَقُوۡلُوۡنَ ہُوَ اُذُنٌ ؕ قُلۡ اُذُنُ خَیۡرٍ لَّکُمۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَ یُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَرَحۡمَۃٌ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَالَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰہِ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝ (سورت التوبۃ آیت ٦١)

یعنی۔ اور ان میں سے بعض ایسے (منافق) بھی ہیں جو نبی کو دکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو (کان ہی) کان ہے تو کہہ دے کہ وہ تمہارے لئے بھلائی سننے کے کان رکھتا ہے وہ اللہ پر ایمان لاتا ہے اور جو تم میں سے مومن ہوں اُن (کے وعدوں) پر (بھی) یقین رکھتا ہے اور مومنوں کے لئے رحمت کا موجب ہے اور وہ لوگ جو اللہ کے رسول کو دکھ پہنچاتے ہیں ان لے

لئے دردناک عذاب ہے۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں

''اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول کریم کی ایذا رسانی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور مخالفت پر مبنی ہے، اس لئے کہ ایذا کا ذکر ہی ''المحادۃ'' کے ذکر کا موجب ہوا ہے، اس کا اس میں داخل ہونا واجب ہے اور اگر اسے تسلیم نہ کیا جائے تو کلام غیر مربوط ہو جائے گا جب یہ کہنا ممکن ہو کہ وہ ''محاذ'' (مخالف) نہیں ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایذا رسانی اور رسول کی مخالفت کفر کی موجب ہے اس لئے کہ اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ اس کے لئے آتش جہنم تیار ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، یوں نہیں فرمایا کہ ''اس کی سزا ہے'' ظاہر ہے کہ ان دونوں جملوں میں فرق ہے بلکہ ''المحادۃ'' (مخالفت) ہی کو عداوت اور علیحدگی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کا نام کفر اور محاربہ ہے بدیں وجہ یہ لفظ تنہا کفر سے بھی سنگین تر ہے۔

بنابریں رسول کریم ﷺ کو ایذا دینے والا کافر، اللہ اور اس کے رسول کا دشمن اور ان کے خلاف جنگ لڑنے والا ہوگا، اس لئے کہ ''المحادۃ'' کے معنی ہیں جدا ہونا، بایں طور پر کہ ہر ایک کی حد جدا ہو، جس طرح کہا گیا ہے کہ ''المشاقۃ'' یہ ہے کہ شخص ایک شق، یعنی ایک جانب ہو جائے اور ''المعاداۃ'' یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں''

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۲۳)

قرآن کریم کی اس آیت میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق منافقین سے ہے اور اس آیت کے سیاق وسباق کی آیات کو بھی پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں منافقوں کا ذکر چل رہا ہے کہ وہ کیسی کیسی حرکتیں کرتے ہیں غور کیا جائے تو اس میں کافر کے ذکر کو زبردستی شامل

کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔قرآن کریم کے شروع ہی میں اللہ تعالیٰ نے تین گروہوں کاذکر کیا ہے ایک مومنوں کا دوسرا کافروں کا اور تیسرا منافقوں کا اور وہاں صاف طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان موجود ہے کہ یہ منافق لوگ ایسے ہیں کہ مومنوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جب یہ اپنے ساتھیوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اوران کے ساتھ ہنسی ٹھٹھہ اور مذاق کرر ہے تھے۔جب اللہ تعالیٰ نے تین گروہوں کاذکر فرمادیا ہے تو پھر منافقوں کو کافروں میں ملانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

سوال یہ ہے کہ اگران منافقوں کو کافر ہی مان لیا جائے تو بھی یہ دلیل کہاں سے نکل آئی کہ ایسا کرنے والے چونکہ کافر ہوگئے ہیں اس لئے ان کو قتل کر دینا چاہیئے۔پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اسوہ ہمارے سامنے موجود ہے کہ آپؐ نے رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابیؓ بن سلول کے ساتھ کیا سلوک کیا۔اگر قرآن کریم کی اسی آیت سے ایسا کہنے والے کو قتل کرنے کا اشارہ بھی ہوتا تو آپ ایسا کہنے والوں کو ضرور قتل کروادیتے اور کوئی قتل کیا جاتا یا نہ کیا جاتا رئیس المنافقین کو ضرور قتل کیا جاتا کیونکہ وہ شخص تو ایسی کئی گستاخیاں کر چکا تھا لیکن آپ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔الغرض امام ابن تیمیہؒ نے اس آیت کو پیش کرکے ''المحادۃ اور المشاقۃ'' کی جو بحث اٹھائی ہے اور ایسے الفاظ استعمال کرنے والے کو کافر ٹھہرا کر اس کے قتل کو واجب قرار دینے کی جو بات کی ہے اس کا اس آیت میں کوئی ذکر بھی نہیں ملتا ہے۔بلکہ یہ آیت منافقوں کا ذکر کررہی ہے۔اس کے آگے بھی جن آیات کو اپنی بات کی تائید میں پیش کرتے ہیں ان کا اس معاملہ سے کوئی بھی تعلق دکھائی نہیں دیتا۔

پھر امام ابن تیمیہؒ نے ایک اور بھی باریک نقطہ اس جگہ بیان فرمایا ہے جو کہ قابل غور ہے۔آپ نے لکھا ہے کہ ''بنا بریں رسول کریم ﷺ کو ایذا دینے والا کافر،اللہ اور اس کے

رسول کا دشمن اور اس کے خلاف جنگ لڑنے والا ہوگا'' اس جگہ کافر کہہ کر یہ کہنا کہ اللہ اور اس کے رسول کا دشمن اور اس کے خلاف جنگ لڑنے والا ہوگا بتا تا ہے کہ صرف ایذا دینا ہی کسی کو سزا دینے کا موجب نہیں ہوسکتا بلکہ اس پر سزا تب واجب ہوگی جب وہ جنگ بھی کرے گا۔ بات صاف ہے جو جنگ کرے اس کو سزا اس کے جنگ کرنے کی بنا پر دی جائے گی۔

علامہ طاہر القادری صاحب نے بھی اس آیت کو پیش کیا ہے آپ فرماتے ہیں۔

''یہاں یہ بات واضح رہے کہ اذیت سے مراد زبانی طعن وتشنیع، دشنام طرازی، گستاخی و اہانت اور ادب واحترام، تعظیم وتوقیر کے منافی کوئی کلمہ جو آداب تعظیم سے فروتر ہوادا کرنا باعث اذیت وتکلیف ہے۔

قرآن حکیم مذکورہ بالا آیت کریمہ میں منافقین کی اذیت رسول ﷺ کی ایک صورت واضح کررہا ہے کہ وہ مخالفین اپنے خبث باطن کی وجہ سے حضور نبی کریم ﷺ کو اذیت دینے کی کوشش کرتے اور (معاذ اللہ) یوں کہتے کہ یہ رسول ﷺ کانوں کا اس قدر کچا ہے کہ جو بات بھی تم جا کر کہہ دو وہ فوراً اسے تسلیم کرلے گا اور اگر تم اپنے کئے ہوئے وعدے سے انحراف بھی کرجاؤ تو تمہیں گھبرانے اور پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں کیونکہ جب تم قسمیں کھا کر بات کروگے تو وہ تمہاری بات پر اعتماد و بھروسہ کرلے گا۔ غرض ادھر منافقین نے اپنی بدبختی کی وجہ سے ''ھواذن'' (کان کے کچے ہیں) کا کلمہ کہا تو ادھر بارگاہ الوہیت سے شان غیبیت کا اظہار ہوا اور اپنے محبوب ﷺ کی شان میں اتنا کلمہ کہنے کو صریح گمراہی وضلالت، کھلی توہین و تنقیص قرار دیا۔ اسی سبب سے دنیا وآخرت کی ذلالت ورسوائی کو ان کا مقدر ٹھہرا دیا، جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ان کا مسکن بنی اس طرح ان کا یہ قول ان کے نفاق کی بنیاد بھی قرار پایا۔''

(تحفّظ ناموس رسالت شائع کردہ منہاج القرآن پبلیکیشنز لاہور صفحہ ۱۵۰ و ۱۵۱)

بات صاف ہے کہ اس آیت میں منافقوں کا ذکر ہے اور آنحضرت ﷺ نے کسی منافق کو بھی قتل کرنے کا حکم نہیں فرمایا اور یہ بات جن لوگوں نے بھی کہی تھی آنحضور ﷺ نے ان میں سے بھی کسی کو قتل کرنے کا ارشاد نہیں فرمایا۔ تو یہ کہنا ہی درست ثابت نہیں ہوتا کہ اس آیت سے کسی کافر یا منافق کے قتل کا جواز بنتا ہے۔ اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان لکھتے ہیں۔

''آیات مذکورہ میں بھی سابقہ آیات کی طرح منافقین کے بیہودہ اعتراضات اور رسول اللہ ﷺ کی ایذاء رسانی اور پھر جھوٹی قسمیں کھا کر ایمان کا یقین دلانے کے واقعات اور ان پر تنبیہ ہے۔

پہلی آیت میں مذکور ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے متعلق بطور استہزاء یہ کہتے ہیں کہ ''وہ تو بس کان ہے'' یعنی جو کچھ کسی سے سن لیتے ہیں اسی پر یقین کر لیتے ہیں، اس لئے ہمیں کچھ فکر نہیں، اگر ہماری سازش کھل بھی گئی تو ہم پھر قسم کھا کر آپ ؐ کو اپنی براءت کا یقین دلا دیں گے جس کے جواب میں حق تعالیٰ نے ان کی حماقت کو واضح فرما دیا، کہ وہ جو منافقین اور مخالفین کی غلط باتوں کو سُن کر اپنے مکارم اخلاق کی بناء پر خاموش ہو رہتے ہیں اس سے یہ نہ سمجھو کہ آپ ؐ کو حقیقت حال کی سمجھ نہیں، صرف تمہارے کہنے پر یقین کرتے ہیں، بلکہ وہ سب کی پوری پوری حقیقت سے باخبر ہیں، تمہاری غلط باتیں سُن کر وہ تمہاری سچائی کے قائل نہیں ہو جاتے، البتہ اپنی شرافت نفس اور کرم کی بنا پر تمہارے منہ پر تمہاری تردید نہیں کرتے۔''

(معارف القرآن جلد ۴ صفحہ ۴۱۶ شائع کردہ دار الکتب دیوبند یوپی)

اسی طرح مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب اسی آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں

''منافقین نبی ﷺ کو جن عیوب سے متہم کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی

کہ حضورؐ ہر شخص کی سُن لیتے تھے اور ہر ایک کو اپنی بات کہنے کا موقعہ دیا کرتے تھے۔ یہ خوبی ان کی نگاہ میں عیب تھی۔ کہتے تھے کی آپؐ کان کے کچے ہیں، جس کا جی چاہے آپ کے پاس پہنچ جاتا ہے، جس طرح چاہے آپ کے کان بھرتا ہے۔ اور آپ اس کی بات مان لیتے ہیں۔ اس الزام کا چرچہ زیادہ تر اس وجہ سے کیا جاتا تھا کہ سچے اہل ایمان منافقین کی سازشوں اور ان کی شرارتوں اور ان کی مخالفانہ گفتگوؤں کا حال نبی ﷺ تک پہنچا دیا کرتے تھے اور اس پر یہ لوگ سیخ پا ہو کر کہتے تھے کہ آپؐ ہم جیسے شرفاء اور معززین کے خلاف ہر کنگلے اور ہر فقیر کی دی ہوئی خبر پر یقین کر لیتے ہیں۔''

(تفہیم القرآن جلد ۲ شائع کردہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی صفحہ ۲۰۹)

ان حوالہ جات سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں منافقین کا ذکر ہے جو رسول کریم ﷺ کے بارے میں ایسی بیہودہ گوئی کیا کرتے تھے اس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو دیا جاتا تھا لیکن آپ نے ایسی باتیں کرنے والوں میں سے کسی کو بھی قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ ایک روایت آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے ستر ۷۰ منافقین کے نام بھی بتائے تھے اس کے باوجود کسی ایک منافق کو بھی ان کی ان ایذا رسانیوں کی وجہ قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ ہی اس آیت میں کوئی ایسا حکم پایا جاتا ہے۔

۲۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس سلسلہ میں قرآن کریم سے جو دوسری دلیل پیش کی ہے وہ یہ ہے۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ٥ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ٥ لَا تَعْتَذِرُوْا

قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ مِّنۡكُمۡ نُعَذِّبۡ طَائِفَةً بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَo (التوبۃ ۶۴ تا ۶۶)

یعنی۔منافق (دکھاوے کے طور پر) ڈر کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے خلاف کوئی سورۃ نازل نہ ہوجائے جو انہیں (اور مسلمانوں کو) ان باتوں سے خبردار کردے جو ان کے دلوں میں ہیں۔تو کہہ دے کہ ہنسی کرتے جاؤ۔اللہ (حقیقتاً) اس بات کو ظاہر کردے گا جس (کے ظاہر کرنے) سے تم (بناوٹ سے) ڈرتے ہو۔اور اگر تو اُن سے پوچھے (کہ تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو) تو وہ ضرور یہی جواب دیں گے ہم تو صرف مذاق اور ہنسی کرتے تھے۔تو ان کو جواب دیجیو کہ کیا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول سے مذاق اور ہنسی کرتے تھے۔اب کوئی عذر نہ کرو۔تم نے ایمان لا کر کفر کیا (پس اس کی سزا پاؤ) اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کردیں اور ایک گروہ کو عذاب دیدیں اس لئے کہ وہ مجرم تھے (تو یہ ہمارا کام ہے)

قرآن کریم کی اس آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں

''یہ آیت اس ضمن میں نص ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کی آیت اور اس کے رسول کا مذاق اڑانا کفر ہے، پس گالی دینا طریق اولیٰ مقصود ہے۔یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کی توہین کرے، خواہ سنجیدگی سے ہو یا ازراہ مذاق وہ کافر ہوجاتا ہے۔

۔۔۔۔۔ان لوگوں نے جب رسول کریم ﷺ اور آپ کے اہل علم صحابہؓ کی تحقیر اور مذمت کی اور آپ کی باتوں کو اہمیت نہ دی تو اللہ نے خبر دی کہ ان لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا ہے اگرچہ یہ بات انہوں نے مذاق کے طور پر کہی تھی، پھر جو چیز اس سے شدید تر ہوگی اس کا کیا حال ہوگا؟ ان پر حد اس لئے نہ لگائی کہ ابھی منافقین کے خلاف جہاد کا حکم نازل نہ ہوا تھا، بخلاف ازیں آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ ان کی ایذا رسانی کو نظرانداز کردیں، نیز اس لئے کہ آپ کو

یہ حق حاصل تھا کہ آپ ﷺ اپنی تحقیر کرنے والوں کو معاف کر دیں۔“

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۸۰ و ۸۱)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کو کون نہیں جانتا کہ اس آیت میں بھی منافقین کا ذکر کیا گیا ہے اور منافقین کی قرآن کریم نے نشانی ہی یہی بیان فرمائی ہے کہ وہ جب مومنوں میں بیٹھتے ہیں تو ان کی طرف کی بات کرتے ہیں اور جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس جاتے ہیں تو ہنسی مذاق اور ٹھٹھہ کرتے ہیں۔ ان کا یہ فعل ہی ان کو منافق ٹھہراتا ہے ورنہ صریح انکار کرنے والے کو کافر کہا جاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منافق اگر کافر بھی ہو جائے تو اس کے ہنسی مذاق اور ٹھٹھہ کرنے کی بنا پر قتل کرنے کا پھر بھی کہیں حکم نہیں پایا جاتا۔ بلکہ کافروں کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ یہ ایسے ہیں کہ ”جو لوگ ایمان لائے پھر انہوں نے انکار کر دیا پھر ایمان لائے پھر انکار کر دیا پھر کفر میں (اور بھی) بڑھ گئے۔ اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کر سکتا اور نہ انہیں (نجات کا) کوئی راستہ دکھا سکتا ہے۔ تو منافقوں کو (یہ) خبر سنا دے کہ ان کے لئے درد ناک عذاب (مقدر) ہے۔“ (النساء آیت ۱۳۸)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے کافروں کو انکار کی بنا پر قتل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ بات بیان کر دی کہ ایمان کے بعد کفر اختیار کر لینے کے بعد بھی دوبارہ ایمان لانے کی امید ہوتی ہے اس لئے فرمایا کہ یہ ایمان لاتے ہیں پھر کفر کرتے ہیں پھر ایمان لاتے ہیں پھر کفر کرتے ہیں ایسا کرنے پر بھی بندوں کو اختیار نہیں دیا کہ وہ ان کے انکار اور کفر کی بنا پر ان کو قتل کر دیں بلکہ ان کے کفر کے نتیجہ میں ان کو سزا دینا انکو عذاب دینا یہ اللہ نے اپنے اختیار میں رکھا ہے۔ اس آیت سے قطعاً یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ جو کوئی بھی ہنسی مذاق اور ٹھٹھہ کرے وہ کافر ہو جا کر قتل کئے جانے کے قابل ٹھہرتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول کریم ﷺ نے ایسی ہنسی کرنے

والے یا ٹھٹھہ کرنے والے کسی ایک منافق کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا؟ آپؐ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے کوئی ایک واقعہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ جس کام کو رسول خدا ﷺ نے نہیں کیا تو آپؐ کے بعد کسی کا کیا حق بنتا ہے کہ وہ ایسا حکم جاری کرے جو رسول خدا ﷺ سے ثابت نہیں۔ بلکہ امام ابن تیمیہؒ نے تو آپ ہی تحریر فرمایا ہے کہ

''ان لوگوں نے جب رسول کریم ﷺ اور آپ کے اہل علم صحابہ کی تحقیر اور مذمت کی اور آپ کی باتوں کو اہمیت نہ دی تو اللہ نے خبر دی کہ ان لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا ہے اگر چہ یہ بات انہوں نے مذاق کے طور پر کہی تھی، پھر جو چیز اس سے شدید تر ہو گی اس کا کیا حال ہو گا؟ ان پر حد اس لئے نہ لگائی گئی کہ ابھی منافقین کے خلاف جہاد کرنے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، بخلاف ازیں آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ ان کی ایذارسانی کو نظرانداز کر دیں، نیز اس لئے کہ آپ کو یہ حق حاصل تھا کہ آپ ﷺ اپنی تحقیر کرنے والوں کو معاف کر دیں۔''

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۸۱)

تاریخ بتاتی ہے کہ ان وجوہات کی بنا پر جو اوپر بیان کی گئی ہیں بعد میں بھی آنحضور ﷺ نے کسی منافق یا کافر کو قتل کرنے کا حکم صادر نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ ہی نرمی رافت اور عفو کا سلوک فرمایا۔

۳۔ اسی طرح قرآن کریم کی ایک تیسری آیت طعن کرنے والے کے کافر ہو جانے کے تعلق سے یہ پیش کرتے ہیں کہ

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّلۡمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ (التوبۃ آیت ۵۸)

''اور ان میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو صدقات کے بارے میں آپ کو طعن دیتے ہیں''

''لمز'' کے معنی عیب اور طعن کے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ تجھ پر تہمت

لگاتے ہیں اور تحقیر کرتے ہیں۔عطاء کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ تیری چغلی کھاتے ہیں''
(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۸۱)

اس کے ساتھ ہی آپ نے منافقین کے وہ اقوال بھی بیان کئے ہیں جن سے ان کے عدم ایمان کی علامات ظاہر ہوتی ہیں اور منافقین کے ایمان سے عاری ہونے کی علامات ظاہر ہوتی ہیں لیکن اس ساری بحث سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اس آیت میں بھی منافقین کا ذکر ہورہا ہے۔

علامہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے بھی اسی آیت کو منافقین کی الزام تراشیوں کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔اس مکمل آیت کو پیش کرنے کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''اس الزام تراشی کی بنیاد و اساس ان کی مفاد پرستی و خود غرضی ،حرص و لالچ اور ہوس نفس ہے جس کی بنا پر ان کی یہ حالت ہو چکی ہے کہ صدقات و خیرات کی تقسیم وغیرہ ان کی خواہش و آرزو کے عین مطابق ہو جائے تو خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔کیونکہ ان کا مقصود تو حصول دنیا ہے جبکہ دین سے ان کا حقیقی تعلق و ناطہ سرے سے موجود ہی نہیں۔علاوہ ازیں یہ اپنی دنیوی خواہشات کی تکمیل پر اس قدر فرحان ہوتے ہیں کہ اس کے بعد کسی نوعیت کے طعن و تشنیع اور عیب و نقص کا آپ کو نشانہ و ہدف نہیں بناتے لیکن اس کے برعکس اگر انہیں صدقات میں سے کچھ کم و تھوڑا ملے یا اس قدر نہ ملے جس سے ان کے نفوس خوش ہوسکیں تو پھر آپ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی و اہانت کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں اور عیب جوئی و الزام تراشی شروع کر دیتے ہیں۔اپنے غیض و غضب کا آپ کو فقط اس لئے نشانہ بناتے ہیں کہ ان کی مذموم خواہش نفس کی تکمیل نہ ہوسکی۔

مذکورہ آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ فتح

حنین کے بعد مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے، آپ ﷺ کو فتح مکہ کے موقعہ پر ایمان لانے والوں کے تالیف قلب کی خاطر کچھ زیادہ جود وسخا اور کرم نوازی کا مظاہرہ فرمارہے تھے اس پر حرقوص بن زہیر جس کا لقب ذوالخویصرہ تھا کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

فقال یا رسول الله اعدل فقال ویلك ومن یعدل اذا لم اعدل قد خبت وخسرت ان لم اکن اعدل (صحیح بخاری کتاب المناقب ۵۰۹)

یعنی اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ انصاف کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں نے انصاف نہ کیا تو پھر انصاف کون کرے گا۔ میں ناکام و نامراد اور خسارے میں پڑا اگر میں انصاف نہ کروں۔

حضرت عمرؓ اس وقت بارگاہ مصطفوی ﷺ میں حاضر تھے جونہی آپ نے اس گستاخ و بدبخت کو بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں بے ادبی و گستاخی کرتے ہوئے دیکھا تو آپ سے اس کی جرأت دلیری برداشت نہ ہوسکی فوراً عرض کرنے لگے۔

فقال عمر یا رسول الله ائذن لی فیه اضرب عنقه (صحیح بخاری کتاب المناقب ۵۰۹)

حضرت عمر فاروقؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اس کے متعلق اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑادوں۔

حضور ﷺ نے مصلحتاً اپنے حق میں بذات خود تصرف فرماتے ہوئے وقتی طور پر حضرت عمرؓ کو اس گستاخ کو قتل کرنے سے منع فرمادیا۔

فقال له دعه آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر اسے چھوڑ دو۔''

(تحفظ ناموس رسالت صفحہ ۱۸۵، ۱۸۶)

قرآن کریم کی اس آیت کی تشریح میں ایک حدیث بھی پیش کی گئی ہے ایک شخص بھری مجلس میں آنحضرت ﷺ کے خلاف گستاخی کرتا ہے حضرت عمرؓ اس گستاخی کو قابل سزا سمجھتے ہیں لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنے اسوہ سے یہ ثابت فرمایا کہ کہ ایسے گستاخ کی سزا قتل نہیں ہے ورنہ آپؐ ضرور ایسے گستاخ کے قتل کا حکم صادر فرماتے ۔لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔

دوسری بات جو مولانا صاحب نے حدیث کا ترجمہ کرنے کے دوران اپنی طرف سے شامل کی ہے اس کا اس حدیث میں کوئی اشارہ بھی نہیں ملتا۔جیسا کہ مولانا صاحب نے لکھا ہے کہ

''حضور ﷺ نے مصلحتاً اپنے حق میں بذات خود تصرف فرماتے ہوئے وقتی طور پر حضرت عمرؓ کو اس گستاخ کو قتل کرنے سے منع فرمادیا''

اب اس میں دیکھیں ''مصلحتاً'' کا لفظ اپنی طرف سے شامل کرلیا ''وقتی طور پر'' کے الفاظ اپنی طرف سے شامل کر لئے ایسے الفاظ حدیث شریف میں موجود نہیں وہاں صرف یہ الفاظ ہیں جو موصوف نے نیچے لکھے ہیں کہ '' فقال له دعه'' آپؐ نے انہیں فرمایا اسے چھوڑ دو۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس وقت مصلحتاً اور وقتی طور پر فرمایا تھا کہ چھوڑ دو تو کیا بعد میں آپؐ نے اسے قتل کرنے کا کوئی حکم صادر فرمایا ہر گز نہیں۔تو قرآن کریم اور حدیث شریف بھی اس بات کو بیان کرتی ہے کہ گستاخ رسول کی سزا قتل نہیں۔

۴۔ چوتھی دلیل کے طور پر امام ابن تیمیہؒ نے قرآن کریم کی جو آیت پیش کی ہے وہ اس طرح ہے

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔ (النساءآیت٦٦)

یعنی۔پس تیرے رب کی قسم جب تک وہ (ہر) اس بات میں جس کے متعلق ان میں جھگڑا ہو جائے تجھے حکم نہ بنائیں (اور) پھر جو فیصلہ تو کرے اس سے اپنے نفسوں میں کسی قسم کی تنگی نہ پائیں اور پورے طور پر فرمانبردار (نہ) ہو جائیں ہرگز ایماندار نہ ہونگے۔

اس کے علاوہ سورۃ النور کی آیات نمبر ۴۸ تا ۵۲ بھی پیش فرماتے ہیں۔اس پر اپنا نقطۂ نظر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ۔

"مذکورہ صدر آیات میں بیان فرمایا کہ جو شخص اطاعت رسول سے منہ موڑے اور آپ کے حکم سے اعراض کرے تو وہ منافق ہے اور مومن نہیں، مومن وہ ہے جو کہتا ہے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔جب رسول کریم ﷺ کی اطاعت سے اعراض کرنے اور اپنا فیصلہ شیطان کی طرف لیجانے سے ایمان زائل ہو جاتا ہے اور نفاق کا اثبات ہوتا ہے، حالانکہ یہ ترک محض ہے، جس کا سبب حرص وہوا کی قوت ہے تو آپ کی تحقیر اور سبّ وشتم کیونکر کفر کا باعث نہ ہوگا"

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۸۸)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی کے بارے میں یہ علم ہو جائے کہ وہ مومن نہیں تو کیا اسے قتل کیا جا سکتا ہے اگر یہ بات درست تسلیم کر دی جائے تو پھر سب سے پہلے آنحضور ﷺ کو ان لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دینا چاہیئے تھا جن کے بارے میں اللہ نے یہ گواہی دی تھی کہ یہ مومن نہیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الحجرات آیت ۱۵)

یعنی۔اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے تو اُن سے کہہ دے تم حقیقۃً ایمان نہیں

لائے لیکن تم یہ کہا کرو کہ ہم نے ظاہری طور پر فرمانبرداری قبول کر لی ہے۔ کیونکہ (اے اعراب) ابھی ایمان تمہارے دلوں میں حقیقتاً داخل نہیں ہوا۔ اور اے مومنو! اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی سچی اطاعت کرو گے، تو وہ تمہارے اعمال میں سے کوئی عمل بھی ضائع نہیں ہونے دیگا اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے

قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ یہ جو اعرابی لوگ تیرے پاس آئے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لاکر مومن ہو گئے ہیں تو ان کو کہہ دے کہ تم مومن نہیں ہوئے ہو بلکہ ایمان تو تمہارے دلوں میں داخل بھی نہیں ہوا ہے۔ اب دیکھیں ایک طرف اللہ کا رسولؐ ہے اور دوسری طرف اللہ گواہی دے رہا ہے کہ یہ لوگ مومن نہیں۔ کسی کے مومن نہ ہونے کی اس سے بڑھ کر اور کون سے شہادت ہو سکتی ہے اس کے باوجود ایسے بے ایمان لوگوں کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ایسا کوئی حکم جاری نہیں فرمایا کہ چونکہ یہ مومن نہیں ہیں اس لئے انہیں قتل کر دیا جائے۔ جب قرآن کریم ایسے غیر مومنوں کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیتا تو پھر کسی کے غیر مومن ہو جانے کی بنا پر کس طرح قتل کیا جا سکتا ہے اور اس کا غیر مومن ہونا کس طرح سبّ وشتم اور توہین رسالت کے تحت آسکتا ہے۔ جبکہ قرآن کریم یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے۔

۵۔ امام ابن تیمیہؒ نے پانچویں دلیل جو قرآن کریم سے پیش کی ہے وہ اس طرح ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (الاحزاب آیت ۵۸و۵۹)

یعنی۔ وہ لوگ جو کہ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں اللہ ان کو اس دنیا میں اور

آخرت میں اپنے قرب سے محروم کر دیتا ہے اور اس نے ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر چھوڑا ہے۔ اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی قصور کیا ہو تکلیف دیتے ہیں ان لوگوں نے خطرناک جھوٹ اور کھلے کھلے گناہ کا بوجھ اپنے اوپر اٹھالیا ہے۔

اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں

''یہ آیت کئی وجوہ سے مسئلہ زیر قلم پر دلالت کرتی ہے۔

پہلی وجہ پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایذا کو رسول کی ایذا اور اپنی اطاعت کو رسول کی اطاعت کے ساتھ مقرون و متصل کر کے بیان کیا ہے، یہ بطریق منصوص بھی آپ سے منقول ہے۔ اور جو شخص اللہ کو ایذا دے وہ کافر اور مباح الدم ہے۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ نے اپنی اور رسول ﷺ کی محبت اور رسول کی رضا مندی، اپنی اطاعت اور رسول کی اطاعت کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے۔'' (الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۹۰)

اس کے بعد ان آیت کو بیان کیا گیا ہے جس میں اللہ اور رسول کو روحانی اعتبار سے ایک وجود قرار دیا گیا ہے کیونکہ جسمانی طور پر تو ایک نہیں ہو سکتے مثلاً جو تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ تیرے ہاتھ پر نہیں بلکہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ (الفتح آیت ۱۱) وہ تجھ سے انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو کہہ دے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔ (الانفال آیت ۲) اللہ اور اس کا رسول اس بات کے بہت حقدار ہیں کہ ان کو راضی کریں۔ (التوبہ آیت ۶۳) پھر آگے چل کر فرماتے ہیں

''دوسری وجہ:۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے اللہ اور رسول کی ایذا اور مومنین اور مومنات کی ایذا میں تفریق کی ہے اور اہل ایمان کی ایذا کے بارے میں فرمایا

فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَاناً وَّاِثْماً مُّبِيْناً (الاحزاب ۵۹)

''اس نے بہتان باندھا اور واضح گناہ کا ارتکاب کیا۔''

جبکہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دینے والے کو دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے اور اس کے لئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اہل ایمان کو ایذا کبھی کبھی تو کبائر کا ارتکاب کرنے کے وجہ سے دی جاتی ہے اور اس میں کوڑے مارنا بھی شامل ہے، اس سے اوپر صرف کفر اور قتل باقی رہ جاتا ہے۔

تیسری وجہ: اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اس نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور رسوا کن عذاب تیار کیا ہے۔ لعنت کے معنی رحمت سے دور کرنے کے ہیں اور دنیا اور آخرت میں اس کی رحمت سے محروم صرف کافر ہوتا ہے، اس لئے کہ مومن بعض اوقات لعنت کے قریب تو پہنچ جاتا ہے مگر وہ مباح الدم نہیں ہوتا، اس لئے کہ خون کی حفاظت اللہ کی طرف سے عظیم رحمت ہے جو کافر کے حق میں ثابت نہیں ہوتی۔'' (الصارم السلوم علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۹۲ و ۹۳)

اسی مضمون کو مولانا طاہر القادری صاحب نے بھی اسی حوالہ کو اپنی کتاب میں پیش کیا اور اس بات پر زور دیا ہے کہ اللہ کی لعنت سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں ہو سکتی اور اگر اللہ کسی پر لعنت کرے تو اس کی سزا ہی یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ اس مضمون کو اس حوالہ سے مرتد کی سزا قتل کے عنوان کے تحت بیان کیا گیا ہے اور وہاں اسکی پوری تفصیل درج کی گئی ہے۔ اس جگہ اس قدر بیان کرنا ہی کافی خیال کرتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ملعون کو قتل کرنے کا قرآن کریم میں کوئی حکم صادر نہیں فرمایا تو پھر کسی کو اپنے طور پر صرف اَعَدَّ لَهُمْ عَذَاباً مُّهِيْناً کے الفاظ سے یہ مفہوم نکالنے کا جواز نہیں بنتا کہ اس سے مراد قتل ہے اور قاتل مباح الدم ہو جاتا ہے۔ اگر اس کا مطلب یہی نکالا جائے تو پھر ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ

قرآن کریم میں فرماتا ہے

کَیۡفَ یَہۡدِی اللّٰہُ قَوۡماً کَفَرُوۡا بَعۡدَ اِیۡمَانِہِمۡ وَشَہِدُوۡۤا اَنَّ الرَّسُوۡلَ حَقٌّ وَّ جَآءَ ہُمُ الۡبَیِّنٰتُ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۝ اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُہُمۡ اَنَّ عَلَیۡہِمۡ لَعۡنَۃَ اللّٰہِ وَالۡمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ۝ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنۡہُمُ الۡعَذَابُ وَلَا ہُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ ۝ (ال عمران آیت ۸۷ تا ۸۹)

یعنی۔ جولوگ ایمان لانے کے بعد (پھر) منکر ہو گئے ہوں اور شہادت دے چکے ہوں کہ (یہ) رسول سچا ہے اور (نیز) ان کے پاس دلائل بھی آ چکے ہوں انہیں اللہ کس طرح ہدایت پر لائے۔ اور اللہ (تو) ظالم (لوگوں) کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں (کی) اور لوگوں (کی) سب ہی کی لعنت ہو۔ وہ اس (لعنت) میں رہیں گے نہ (تو) ان (پر) سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی۔

اب یہاں پر تو ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹنے والوں پر تو اس سے بڑی لعنت کا ذکر ہے کہ اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور سب لوگوں کی لعنت۔ لیکن ان کو عذاب دینا اللہ نے اپنے اختیار میں رکھا ہے اور فرماتا ہے کہ ان کے عذاب میں کمی نہیں کی جائے گی اور نہ ہی انہیں ڈھیل دی جائے گی۔ یہ نہیں فرمایا کہ ایسے لوگوں کوئی ڈھیل نہ دی جائے اور قتل کر دیا جائے! اللہ کی رحمت سے دوری اور بات ہے اور کسی کو قتل کر دینا یہ اور بات ہے۔ لعنت کے معنیٰ ہی اللہ کی رحمت سے محرومی کے ہیں۔ لغات میں **لعنه الله** کے معنیٰ اللہ کا کسی کو خیر سے دور اور محروم کرنا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے خود بھی لکھا ہے کہ ''لعنت کے معنی رحمت سے دور کرنے کے ہیں اور دنیا اور آخرت میں اس کی رحمت سے محروم صرف کافر ہوتا ہے۔'' لعنت کے یہ معنی تو نہیں کہ چونکہ یہ شخص دنیا اور آخرت میں رحمت خداوندی سے دور ہو گیا ہے لہذا اس کو قتل کر دیا

جائے۔قرآن کریم میں لعنت کا لفظ کئی جگہ آیا ہے مثلاً جہاں لعان کا ذکر ہے اور میاں بیوی ایک دوسرے پر بدگمانی کرتے ہیں تو وہاں بھی آتا ہے کہ مرد بھی اور عورت بھی اپنے سچے ہونے کی چار قسمیں کھائے گا اور پانچویں بار یہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہے یا جھوٹی ہے تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ (سورت النور آیت ۸) قرآن کریم یہود پر لعنت کو بیان کرتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے ''اور یہودی کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ میں زنجیریں پڑی ہوئی ہیں۔جو کچھ انہوں نے کہا اس کے سبب سے خود ان کے ہاتھوں میں زنجیریں ڈالی جائیں گی اور ان پر لعنت کی جائے گی وہ جھوٹ بولتے ہیں''(المائدہ آیت ۶۵) اسی طرح فرماتا ہے ''جو لوگ اس (کلام) کو جو ہم نے کھلے نشانوں اور ہدائت پر مشتمل نازل کیا ہے بعد اس کے کہ ہم نے اسے اس کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے چھپاتے ہیں ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے۔اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔(البقرہ آیت ۱۶۰) اس سے مراد بھی یہود ہیں اور فرمایا کہ اللہ کی لعنت تو ہے ہی ان پر تو وہ جن پر لعنت کی گئی ہے وہ بھی لعنت کرتے ہیں تو کیا ان جگہوں پر بھی ملعون کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ اوّل تو یہ کافر ہوئے اس پر لعنت بھی ہو گئی تو کفر ڈبل ہو گیا تو انہیں بھی قتل کر دیا جائے جبکہ قرآن کریم میں ایسا کسی جگہ پر بھی اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔

اس کے علاوہ ایک اور حوالہ بھی پیش کرتا ہوں کہ کافروں پر اس دنیا میں تو لعنت کی گئی ہے قیامت کے روز بھی ان پر لعنت کی جائے گی تو وہاں اس سے کیا مراد لی جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔''جس دن ان کے بڑے بڑے آدمیوں کو آگ پر الٹا یا پلٹا یا جائے گا اور وہ کہیں گے اے کاش! ہم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر لیتے۔اور عام لوگ کہیں گے۔ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی پھر انہوں نے ہم کو (اصلی)

راستہ سے گمراہ کردیا۔اے ہمارے رب ان کو دُہرا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت ڈال۔(یا انہیں اپنی رحمت سے دور کردے۔) (الاحزاب آیت ٦٧ تا٦٩) اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتا ہے ”اور جنتی لوگ دوزخیوں سے کہیں گے کہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اس کو تو ہم نے سچا پالیا، کیا تم نے بھی اس وعدہ کو جو تمہارے ربّ نے کیا تھا سچا پالیا اس پر وہ (دوزخی) کہیں گے ہاں! پس ایک پکارنے والا ان کے درمیان زور سے پکارے گا۔ کہ ان ظالموں پر خدا کی لعنت ہو۔ان حوالوں کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے لعنت کے لفظ سے کسی ایک جگہ سے بھی یہ معنی اخذ نہیں کئے جاسکتے کہ جس پر اللہ کی اور رسول کی لعنت ہو وہ کافر ہو جاتا ہے لہذا اسے قتل کردیا جائے لعنت سے مراد اللہ کی رحمت سے دوری کی سزا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پر رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت نازل نہیں کرتا۔ان میں یہود بھی شامل ہیں استہزاء کرنے والے بھی شامل ہیں۔انبیاء کو دکھ دینے والے اور ان کو تکالیف دینے والے بھی شامل ہیں اور پھر اللہ کی رحمت سے دوری اس دنیا میں بھی ہوگی اور مرنے کے بعد بھی ہوگی پھر بعض پر تو ملعون بھی لعنت کرتے ہوئے سنائی دینگے جیسا کہ قرآن کریم کی آیات سے ظاہر ہے ۔الغرض اللہ کی رحمت سے دور ہونا اور بات ہے لیکن اللہ کی رحمت سے دوری والے کو قتل کردینا یہ قرآنی تعلیم کے بالکل منافی ہے۔اور ایسی کوئی سند نہیں ملتی کہ ایسے شخص کو قرآن کریم قتل کرنے کا حکم دیتا ہے۔

٦۔چھٹی دلیل کے طور پر یہ بات بیان فرمائی ہے کہ اپنی آواز کو رسول کی آواز سے زیادہ بلند نہ کرو۔اس سلسلہ میں قرآن کریم کی آیت

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَا لُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ٥

(الحجرات آیت ۳)

یعنی اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو، جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

قرآن کریم کی اس آیت پر اس سے پہلے کافی تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس حوالہ سے لکھا ہے کہ

''وجہ استدلالیہ ہے کہ اللہ نے ان کو اس بات سے منع کیا کہ اپنی آوازوں کو نبی کریم ﷺ کی آواز سے زیادہ کریں یا اس طرح بآواز بلند ان سے مخاطب ہوں جیسے آپس میں ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ رفع و جہر حبوطِ اعمال کا موجب بن سکتا ہے جبکہ آواز بلند کرنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ آیت میں ترکِ جہر کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ حبوط اعمال سے سلامت رہے۔

اس آیت میں جس خرابی کی نشاندہی کی گئی ہے وہ حبوط اعمال کا ہے اور جو چیز حبوط اعمال تک لے جاسکتی ہو اس کا ترک کرنا واجب ہے اور اعمال کا حبط کفر کی وجہ ہو سکتا ہے۔''

(الصارم السلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۱۰۹)

اس کے ساتھ ہی حبط ایمان کے بارے میں قرآن کریم کی آیات البقرہ آیت ۲۱۸، المائدہ آیت ۶، الانعام آیت ۸۹، الزمر کی آیت ۶۶، محمد کی آیت ۱۰، پیش کی ہیں ان آیات میں ایمان کے بعد ایمان سے پھر جانے سے اعمال ضائع ہونے، شرک کرنے کی بنا پر اعمال ضائع ہونے۔ اللہ نے جو نازل کیا اس کو ناپسند کرنے کی بنا پر اعمال ضائع ہونے کا ذکر ہے درجہ بالا آیت سے ان آیات کا کوئی تعلق دکھائی نہیں دیتا زبردستی مطلب حاصل کرنے کی

کوشش کی گئی ہے۔حالانکہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ایسے واقعات ہوئے لیکن آپؐ نے کسی کے بارے میں بھی ویسا حکم نہیں دیا جس قسم کا امام ابن تیمیہؒ اس آیت کو پیش کر کے حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔اس آیت کے تحت ساری بات پہلے ہی بیان کر دی گئی ہے دوبارہ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتا۔مولانا پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ الدّراوی صاحب نے بھی اپنی کتاب ''شاتم رسول ﷺ کی شرعی سزا'' کے صفحہ ۱۶۵ تا ۱۶۹ میں اسی آیت کو پیش کر کے بحث کی ہے۔

۷۔ساتویں دلیل کے طور پر قرآن کریم کی جو آیت پیش کی ہے وہ اس طرح ہے

لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَيۡنَكُمۡ كَدُعَآءِ بَعۡضِكُمۡ بَعۡضًا ؕ قَدۡ يَعۡلَمُ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ يَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡكُمۡ لِوَاذًا ۚ فَلۡيَحۡذَرِ الَّذِيۡنَ يُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِهٖۤ اَنۡ تُصِيۡبَهُمۡ فِتۡنَةٌ اَوۡ يُصِيۡبَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ (النور آیت ۶۴)

یعنی اے مومنو! یہ نہ سمجھو کہ رسول کا تم میں سے کسی کو بلانا ایسا ہی ہے جیسا کہ تم میں سے بعض کا بعض کو بلانا۔اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو کہ تم میں سے پہلو بچا کر (مشورہ کی مجلس سے) بھاگ جاتے ہیں پس چاہئے کہ جو اس رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اِس سے ڈریں کہ ان کو خدا کی طرف سے کوئی آفت نہ پہنچ جائے یا ان کو دردناک عذاب نہ پہنچ جائے۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ

''رسول کریم ﷺ کے مخالفین کو حکم دیا گیا ہے کہ فتنے سے احتراز کریں ، فتنے سے ارتداد اور کفر مراد ہے۔'' (الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۱۱۲)

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس آیت میں یہ مضمون ہی موجود نہیں کہ فتنے سے احتراز کریں جو اس میں سے نکالا گیا ہے کیونکہ آگے یہی مضمون بیان کیا جا رہا ہے کہ ''فتنہ قتل سے بھی

بڑا ہوتا ہے'' یہ کہ ''ان سے اس وقت تک لڑو کہ فتنہ ختم نہ ہوجائے'' حالانکہ یہ مضمون اس آیت میں بیان ہی نہیں کیا جارہا ہے بلکہ ایک اصول ھدایت دی گئی ہے کہ رسول کے بلانے کو معمولی خیال نہ کرو اس کا تمہیں بلانا عام لوگوں کے بلانے کی طرح نہیں ہے۔اس کا تمہیں بلانا کیسا ہے اسی مضمون کو قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ اس طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ

(الانفال آیت ۲۵)

یعنی اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی بات سنو جبکہ وہ تمہیں زندہ کرنے کے لئے پکارے۔

اصل یہ مضمون ہے،اس لئے یہ کہا گیا ہے کہ جب بھی تمہیں رسول بلائے تو اس کے بلانے کو عام آدمی کے بلانے کی طرح نہ سمجھو بلکہ اس کا بلانا اس لئے ہے تا کہ وہ تمہیں زندہ کرے ۔جو انسان روحانیت سے خالی ہوتے ہیں وہ مردوں کی طرح ہیں جب ان کو رسول بلاتا ہے اور وہ رسول کی بات سنتے ہیں تو رسول ان میں روحانیت داخل کر کے انہیں روحانی طور پر زندہ کرتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایسے لوگ جو رسول کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ ہی اس بات سے ڈرا رہا ہے کہ اگر تم ایسا کروگے تو اللہ کی طرف سے تمہارے پر کوئی آفت نازل ہوگی یا دردناک عذاب ان کو پہنچے گا۔اس جگہ بندوں کو کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ ان کو حکم عدولی کی بناپر کسی کو قتل کر دیں۔

کتاب ''شاتم رسول کی شرعی سزا'' کے مصنف نے بھی امام ابن تیمیہؒ کی طرح اس آیت کو ساتویں دلیل کے طور پر پیش کیا ہے نیز امام ابن تیمیہؒ کی کتاب کے حوالہ سے درج کرتے ہیں

کہ۔

''جب آپ کے حکم کی خلاف روزی کرنے والے کو کفر وشرک اور عذاب الیم سے ڈرایا گیا ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ کے حکم کی خلاف روزی کفر یا عذاب الیم تک پہنچنے والی ہے۔ظاہر ہے کہ عذاب الیم تک پہنچانا محض معصیت کی وجہ سے ہے۔اور کفر کی وجہ معصیت کے ساتھ ساتھ اس حکم دینے والے ''رسول ﷺ'' کی تحقیر و استخفاف بھی شامل ہو جاتا ہے۔پھر اس فعل کی سزا کیا ہوگی جو اس سے شدید تر ہو، مثلاً آپ کو گالی دینا، آپ کی تحقیر کرنا وغیرہ۔'' (شاتم رسول کی شرعی سزا صفحہ ۱۷۳ 'والصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۱۱۳)

اس میں ایک بات یہ بھی سمجھنے والی ہے کہ اس میں رسول کے بلانے کا ذکر ہے کہ جب وہ بلائے اور اب اگر رسول ہی نہیں تو گویا یہ حکم مفقود ہو گیا۔ایسی صورت میں اس کا اطلاق رسول کی اپنی زندگی تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔اب جو بات رسول کی زندگی تک ہی خاص ہو اس بات کو رسول کی زندگی کے بعد کس طرح قابل عمل سمجھا جاسکتا ہے۔؟ یہ ایک الگ بات ہے کہ فیضان نبوت ورسالت جاری وساری ہونے کے نتیجہ میں قرآن کریم کا ہر حکم قیامت تک قابل عمل ہے اور رہے گا اور اس نبی کے ظل اس کے مصداق ہونگے۔الغرض اس آیت میں بھی ایسا کوئی حکم دکھائی نہیں دیتا کہ جو رسول کے بلانے کو عام لوگوں کا بلانا خیال کرے تو وہ کافر ہو کر واجب القتل ہو گا۔

۸۔آٹھویں دلیل کے طور پر قرآن کریم کی یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا (الاحزاب آیت ۵۴)

یعنی اور اللہ کے رسول کو تکلیف دینا تمہارے لئے جائز نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ تم اس کے بعد اس کی بیویوں سے کبھی بھی شادی کرو۔ یہ بات اللہ کے فیصلہ کے مطابق بہت بری ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے سورت الاحزاب کی آیت نمبر ۵۴ کا آخری حصہ اس جگہ پیش کر کے اس سے استدلال کیا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی ازواج کے ساتھ نکاح کرنے کو منع کیا ہے اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو گستاخ رسول کہلائے گا اس کو قتل کر دیا جائے۔ اور اپنے استدلال کی تائید میں صحیح مسلم کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے الزام تراشی کرنے والے ایک شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن اس حدیث سے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ الزام تراشی کرنے والے کو قتل کر دیا گیا تھا۔ امام ابن تیمیہؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"اس آیت میں امت پر ہمیشہ کے لئے نبی کی بیویوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے آپ ﷺ کو ایذا پہنچتی ہے۔ پھر اس کی حرمت کی عظمت کی وجہ سے اس کو اللہ کے نزدیک عظیم جرم قرار دیا گیا۔ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ آیت تب اتری جب بعض لوگوں نے کہا "اگر رسول کریم ﷺ وفات پا گئے ہوتے تو حضرت عائشہؓ عقد ثانی کر لیتیں"، جو شخص آپ ﷺ کی بیویوں یا لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرے تو اس کی سزا قتل ہے۔ یہ حرمت نبوی کو توڑنے کی سزا ہے تو قیاس بریں نبی کو گالیاں دینے والا بالاولیٰ اس سزا کا مستحق ہے۔"

(الصارم المسلوم علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۱۱۶)

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ امام ابن تیمیہؒ نے قرآن کریم کی یہ پوری آیت یہاں درج نہیں کی ہے جب کہ اس آیت میں بہت سے احکامات بیان کئے گئے ہیں۔ اس آیت کے

شانِ نزول کے سلسلہ میں جو بات آپ نے بیان کی ہے وہ درست معلوم نہیں ہوتی امام بخاریؒ اور دیگر محدثین نے اس آیت کی شانِ نزول اور بیان فرمائی ہے۔مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب نے اس آیت کی جو تشریح بیان فرمائی ہے اس کا شان نزول وہی بیان فرمایا ہے جس کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔دراصل اس آیت میں عرب لوگوں کو ان کی بعض غیر مہذب عادات سے روکا گیا ہے۔عرب کے رہنے والے اہل خانہ کی اجازت کے بنا ہی لوگوں کے گھروں میں داخل ہو جایا کرتے تھے اجازت لیکر داخل ہونے کا حکم نازل ہوا۔عورتوں کے پردہ میں رہنے کا حکم ہوا کہ وہ غیر مردوں کے سامنے نہ جایا کریں اور نہ ہی مرد بے محابہ عورتوں کے سامنے جایا کریں۔اس کے ساتھ ہی بنی کی بیویوں سے شادی نہ کرنے کا حکم نازل ہوا جبکہ دوسری آیت میں بھی یہ حکم موجود ہے کہ نبی کی بیویاں تمہاری مائیں ہیں۔اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی نازل ہوا کہ جب تم کسی کے ہاں دعوت پر جاؤ تو کھانا کھانے کے بعد وہاں بیٹھ کر باتیں نہ کرنے لگا کرو کہ اس سے بنی کو تکلیف پہنچتی ہے۔صحیح بخاری میں درج ہے کہ

”ہم سے محمد بن عبداللہ قاشی نے بیان کیا، کہا ہم سے معتمر بن سلیمان نے کہا میں نے والد سے سنا وہ کہتے تھے ہم سے ابومجلز نے بیان کیا انہوں نے انس بن مالک سے انہوں نے کہا جب آنحضرت ﷺ نے زینب بنت جحش سے نکاح کیا (تو آپ نے ولیمہ کی دعوت کی) لوگوں کو بلایا انہوں نے کھانا کھا لیا اور لگے بیٹھ کر باتیں کرنے،آپ گھڑی گھڑی ایسا کرتے جیسے اٹھنا چاہتے ہیں مگر وہ (نہ اٹھنا تھا) نہ اٹھے،آخر کو (مجبور ہو کر) آپ خود ہی اُٹھ کھڑے ہوئے،اس وقت جو لوگ اٹھے وہ تو اٹھے پھر بھی تین آدمی بیٹھے (باتیں کرتے) رہے آپ جب باہر جا کر پھر اندر آئے دیکھا تو اب بھی وہ تین آدمی بیٹھے ہیں،اس کے بعد کہیں وہ لوگ اٹھے (آپ پھر باہر تشریف لے گئے تھے) انس کہتے ہیں کہ میں نے جا کر آنحضرت

ﷺ کو خبر دی کہ اب وہ تینوں آدمی چلے گئے ہیں اس وقت آپ تشریف لائے میں بھی آپ کے ساتھ اندر جانے لگا آپ نے اپنے اور میرے بیچ میں پردہ ڈال لیا (آڑ کرلی) اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ۔یاَیّھا الذین اٰمنوا لا تدخلوا بیوت النبی آخر تک‘‘

(صحیح بخاری مترجم جلد دوم پارہ ۱۹ کتاب التفسیر صفحہ ۱۷۹ شائع کردہ اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس دہلی)

امام بخاریؒ نے قرآن کریم کی اس آیت کی روشنی میں پانچ احادیث درج فرمائی ہیں جن کا نفس مضمون ایک ہی طرح کا بیان ہوا ہے اور کسی روایت سے بھی وہ مطلب ظاہر نہیں ہوتا جس کو امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے ۔ جو ازواجِ رسول یا لونڈیوں سے شادی کرے اسے قتل کر دیا جائے ۔ قرآن کریم کے ایک واضح حکم کے بعد کون مسلمان اس کی خلاف ورزی کرسکتا تھا ۔ اور پھر ان آیات میں اور کسی حدیث میں بھی یہ حکم نہیں دیا گیا کہ ان باتوں کی خلاف ورزی کرنے والوں کو جو قرآن کریم کی اس مذکورہ آیت میں بیان کی گئی ہیں قتل کر دیا جائے ۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس آیت کے آخر پر بیان کرتا ہے کہ اِنَّ ذٰلِکُمۡ کَانَ عِنۡدَ اللّٰہِ عَظِیۡمًا یعنی یہ بات اللہ کے فیصلہ کے مطابق بہت بُری ہے ۔ اور بندوں کو کسی قسم کی سزا دینے کا حکم نہیں دیا ۔ ہاں یہ باتیں اللہ کے فیصلہ کے مطابق بری ہیں وہ خود ہی اس کی سزا بھی دیگا ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم کے کسی حکم کی خلاف ورزی کرنے کے نتیجہ میں جن کا اوپر ذکر گزرا ہے کسی ایک مقام پر بھی ایسا کوئی حکم نہیں کہ خلاف ورزی کرنے کے نتیجہ میں کسی کے کافر ہو جانے پر اسے قتل کر دیا جائے ۔ جبکہ قرآن کریم نے ایک اصول بیان کر دیا ہے کہ ہم نے ھدایت اور گمراہی کو الگ الگ کر کے بیان کر دیا ہے اب جو چاہے ایمان لائے اور جو

چاہے انکار کرے۔ اس کے انجام کے طور پر جزا سزا کا اختیار اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔

ارتداد کیا ہے؟

ارتداد کے بارے میں مسلمان علماء کا یہ ماننا ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرنے کے بعد پھر واپس اپنے پہلے دین کی طرف چلا جائے یا اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کر لے وہ مرتد ہے اور اس کی سزا صرف اور صرف یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر علماء اسلام کسی انسان کے اس حق کو کہ وہ اپنی مرضی سے جس دین کو چاہے قبول کرے اور جس دین کو چاہے ترک کر دے، ارتداد مان کر اس کے قتل کو جائز قرار دیتے ہیں تو پھر دوسرے مذہب والے بھی اس اصول کو استعمال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ جو کوئی بھی ان کے مذہب سے الگ ہو کر دین اسلام قبول کرے وہ بھی علماء اسلام کی طرح اس پر فتویٰ دیکر اس مسلمان کو بھی قتل کر دیں۔ اگر یہ بات درست مان لی جائے تو پھر یہ دیکھیں کہ کیا کوئی شخص اس اصول کے ہوتے ہوئے اپنی مرضی سے دوسرا دین اختیار کر سکتا ہے؟ اگر کوئی کرے گا تو ایسی صورت میں سوائے ایک دوسرے کی گردنیں مارنے کے اور کوئی کام ہی نہیں رہ جاتا۔

مرتد کون؟

آج کے دور میں علماء کے ایک دوسرے کے خلاف ارتداد کے فتوے عام دکھائی دیتے ہیں اگر کوئی ایک فرقہ کو چھوڑ کر دوسرے فرقہ میں داخل ہو جاتا ہے تو اسے مرتد کا خطاب دیدیا جاتا ہے۔ اگر کوئی ایک نظریہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے نظریہ کو اختیار کرتا ہے تو اسے بھی مرتد کی صف میں کھڑا کر دیا جاتا ہے اور ایسے تمام قسم کے فتوے علماء کی طرف سے جاری کئے جاتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نظریہ کے اختلاف سے یا ایک فرقہ کو چھوڑ کر اسلام کے دوسرے فرقہ میں جانے سے کسی کے خلاف مرتد کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے اور کیا وہ اس فتویٰ کی بنا پر مرتد

کہلائے گا؟ سوجاننا چاہئے کہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے کلمہء توحید کا اعلان کرنا شرط ہے اس کے ساتھ باقی کے ارکان اسلام کی پابندی شرط ہے جس میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج فرائض میں شامل ہیں اگر ایک انسان ان پر عامل ہے تو اس کو مرتد کہنا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ کسی کے کہنے سے کوئی شخص مرتد نہیں کہلا سکتا۔ مرتد وہی کہلائے گا جو اپنے ارتداد کا خود اعلان کرے۔ جس طرح کوئی انسان کسی دوسرے کے مسلمان ہونے کا اعلان نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ خود اسلام لا کر اس کا اعلان نہ کرے اسی طرح کسی مسلمان کے ارتداد کا بھی کوئی اعلان کرنے کا حق نہیں رکھتا جب تک کہ وہ خود سے اس دین سے ارتداد کا اعلان نہ کرے۔ جس طرح اسلام لانے پر مسلمان ہونے کا اعلان کرنا ایک ذاتی فعل ہے اسی طرح کسی مسلمان کو مرتد نہیں کہا جاسکتا جب تک وہ خود ارتداد کا اعلان نہ کرے۔ کیونکہ یہ ہر دو فعل اس کے ذاتی ہیں، نہ تو کسی کو زور زبردستی سے مسلمان بنایا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی کو زبردستی مرتد بنایا جاسکتا ہے۔ مرتد کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنے ارتداد کا خود اعلان کرے جس طرح اس نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تھا۔ کسی عالم کا یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی کی مرضی کے خلاف کسی کے مسلمان ہونے یا مرتد ہونے کا اعلان کرتا پھرے۔ اور قرآن کریم بھی ہمیں یہی تعلیم دیتا ہے۔

قرآن کریم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے ھدایت اور گمراہی کو الگ الگ کر کے دکھا دیا ہے جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کردے کیونکہ یہ اس کا بالکل ذاتی عمل ہے کسی دوسرے کو اس میں دخل کا اختیار نہیں۔ جیسا کہ فرماتا ہے

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ آیت ۲۵۷) وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَمَنْ شَاۗءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاۗءَ فَلْيَكْفُرْ (الکھف آیت ۳۰)

یعنی۔ دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں ہے یقیناً ھدایت اور گمراہی کا فرق خوب ظاہر ہو چکا ہے۔۔۔اور (لوگوں کو) کہہ دے (کہ) یہ سچائی تمہارے رب کے طرف سے ہی (نازل ہوئی) ہے پس جو چاہے (اس پر) ایمان لائے اور جو چاہے (اسکا) انکار کردے۔

غور کریں کہ قرآن کریم کی اس واضح تعلیم کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی انسان پر دین کے بارے میں جبر روا رکھی جائے۔ اور اس کو اپنی مرضی سے اپنا پسندیدہ دین اختیار کرنے سے روکا جائے اور اگر کوئی ایسا کرے تو اس کو مرتد قرار دیکر اس کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا جائے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے انبیاء نے تو کبھی ایسی تعلیم نہیں دی، ہاں انبیاء کے مخالفین کا یہ شیوہ رہا ہے کہ انہوں نے ہی ایسے فتوے دئے اور لوگوں کو تکالیف بھی پہچائیں اور ان کو قتل بھی کیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر دیکھ لیں وہاں بھی ہمیں فرعون کی طرف سے ایسے ہی دعوے دکھائی دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَا اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (الاعراف آیت ۱۲۴'۱۲۵)

یعنی۔ فرعون نے کہا تم اس پر ایمان لے آئے پیشتر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا (معلوم ہوتا ہے) یہ ایک تدبیر ہے جو تم سب نے مل کر شہر میں بنائی ہے اس سے اس کے باشندوں کو نکال دو پس تم کو جلد ہی اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ میں تمہارے ہاتھوں اور تمہارے پیروں کو (اپنی) خلاف ورزی کی وجہ سے کاٹ دوں گا پھر تم سب کو صلیب پر لٹکا دوں گا۔

قرآن کریم میں دیکھیں یہی مضمون سورت طٰہٰ آیت ۷۲ میں اور سورت الشعراء آیت ۵۰

اور سورت المائدہ آیت ۳۴ میں بھی دکھائی دیتا ہے۔اب دیکھیں کہ اپنے دیرینہ مذہب کو تبدیل کرنے سے ارتداد کے نتیجہ میں نبی کے مخالفوں نے ہی ہمیشہ سزائیں سنائی ہیں اوراس پر عمل بھی کیا۔ان کے مقابلہ پر کسی ایک نبی نے بھی اپنے مذہب سے ارتداد کرنے والوں کے لئے کسی قسم کی کوئی بھی سزا مقرر نہیں کی۔لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آج کے زمانہ میں لوگ نبی کے مخالفوں جیسے فعل کو نبی کی طرف منسوب کر کے نبی کی توہین کرتے ہیں اور ساتھ ہی جو ان کی ہاں میں ہاں نہ ملائے اس پر توہین رسالت کا فتویٰ صادر کر کے اسلام کے مخالفوں جیسا ان سے سلوک کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔

اگر آج کے علماء کی باتوں کو جو قرآن وحدیث کے صریح مخالف ہیں درست تسلیم کر لیا جائے تو ایسی صورت میں دیگر مذاہب والوں کا بھی یہ حق بنتا ہے کہ وہ بھی اسی بات کو جائز قرار دیتے ہوئے ان کے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب میں جانے والے کے لئے یہی فتویٰ صادر کر دیں۔مثلاً ایک ہندو جو اسلامی تعلیم سے متأثر ہو کر اسلام قبول کرے تو وہ ہندوؤں کے نزدیک مرتد خیال کیا جائے گا اور اگر وہ بھی مسلم علماء کی طرح مرتد کی سزا کو قتل مانتے ہوئے اس نَو مسلم کے قتل کا فتویٰ دیں تو پھر کیا یہ علماء اسلام کے خیال سے اسلامی قانون کے مطابق درست ہوگا؟۔اور جائز ہوگا کہ وہ بھی ارتداد کی سزا کے طور پر اس نَو مسلم کو قتل کر دیں؟ پھر اس پر کسی مسلمان کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔

اسی طرح اگر کوئی یہودی عیسائیت کی تعلیم سے متأثر ہو کر عیسائی ہو جائے یا ہندو ہو جائے تو ان یہودیوں کو بھی پھر علماء کے پیش کردہ اسلام کی رو سے کہ مرتد کی سزا قتل ہے یہ حق ہوگا کہ ان کے دین کو چھوڑ کر جانے والے کو قتل کر دیں۔اسی طرح اگر ہر مذہب والے کو اس اصول پر عمل کرنے کا حق دیدیں کیونکہ علماء اس کو اسلام کا نہ ٹوٹنے والا اصول تسلیم کرتے ہیں تو پھر

بتائیں کہ کیا دنیا میں امن قائم رہ سکتا ہے؟اور کیا ایسی صورت میں کوئی کسی دوسرے مذہب کو جسے وہ پسند کرتا ہے تسلیم کرسکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔اگر علماء اسلام مرتد کی سزا قتل تسلیم کرتے ہیں تو پھر دیگر مذاہب والوں کو بھی یہ حق دینا ہوگا جبکہ یہ عقل کے بالکل خلاف ہے۔

پھر یہی اصول بین المذہب بھی چلے گا کہ اسلام میں یا دیگر مذاہب میں جس قدر بھی فرقے پائے جاتے ہیں ایک فرقہ سے دوسرے فرقہ میں جانے پر بھی یہی اصول قائم رہے گا مثلاً جب بھی کوئی اہلحدیث بریلوی فرقہ میں داخل ہوگا تو اسے بھی مرتد سمجھا جائے گا بلکہ سمجھا جاتا ہے تو کیا اہل حدیث کو یہ حق ہوگا کہ وہ اسے قتل کردیں؟ کیا یہ اسلام ہوسکتا ہے کیا یہ اسلامی تعلیم ہوسکتی ہے ہر گز نہیں۔اسلام تو ایک عالمی دین ہے اس کی تعلیم امن بخش ہے اور دین کے بارے میں اسلام کسی بھی قسم کے جبر کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کی تعلیم دیتا ہے۔

قرآن اور مرتد کی سزا

ہر مسلمان اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ قرآن کریم خدا کا کلام ہے اور یہ کامل اور مکمل تعلیم ہے اور قیامت تک اس شریعت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی یہ قیامت تک کے لئے ضابطہء حیات ہے۔اور قرآن کریم کی تعلیمات بڑی واضح اور صاف صاف ہیں پھر آنحضرت ﷺ کا عمل اس پر دلیل ہے۔مرتد کی سزا قتل کو بعض علماء کی طرف سے بار بار اس شدت سے اٹھایا گیا ہے کہ اس کے بارے میں لوگوں کے ذہن میں یہ خیال گھر کر گیا ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہی ہے۔لازمی بات ہے کہ جب ارتداد کی بات ہوگی تو اس کے ساتھ ہی توہین رسالت کی بات بھی اٹھے گی کیوں کہ جو شخص مرتد ہوتا ہے ان میں سے بعض کے ذریعہ سے توہین رسالت کئے جانے کا بھی امکان روشن ہو جاتا ہے اس لئے جہاں مرتد کی سزا کے بارے میں بات ہوگی اس کے ساتھ ہیں توہین رسالت پر بھی غور کیا جائے گا ان امور کے بارے میں اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے اس کو دیکھا جانا ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝ (آل عمران آیت ۷۳)

یعنی۔اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ مومنوں پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس پر دن کے ابتدائی حصہ میں تو ایمان لے آؤ اور اس کے پچھلے حصہ میں اس کا انکار کر دو شاید (اس کے ذریعہ سے) وہ پھر جائیں۔

قرآن کریم کی اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں کیونکہ یہود اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے اسی لئے یہ لوگ ایمان لانے والوں کو ورغلانے کی غرض

سے ایسا کرتے تھے صبح ایمان لے آتے اور شام کو انکار کر دیتے کہ بھئی ہم نے مان تو لیا تھا لیکن بعد میں ہم نے غور کیا تو ہم نے دیکھا کہ ہم نے ایمان لا کر غلطی کی ہے اس لئے ہم اب انکار کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو حامیان قتل مرتد ہیں ان میں سے بعض کا یہ کہنا ہے کہ یہ تو یہود کی ایک تجویز تھی مگر اس پر انہوں نے عمل نہیں کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہود اس بات سے واقف تھے کہ مرتد کی سزا قتل ہے تو جو ہمیشہ لمبی زندگی گزارنے کے خواہشمند رہے وہ تو ایسا سوچ کر اپنے آپ کو مصیبت میں کیونکر ڈال سکتے تھے بلکہ ان کا اس طرح سے سوچنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہود کی یہ کوئی تجویز ہی نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان یہود کے اندرونے کو بھی بیان کیا ہے کہ یہ لوگ صرف اور صرف دکھاوے کی خاطر ایمان لاتے ہیں اور پھر انکار بھی کر دیتے ہیں اسی بات کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝ (المائدہ آیت ۶۲)

یعنی۔ اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ کفر (ہی کے عقیدہ) کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور (پھر) وہ اس (عقیدہ) کے ساتھ (ہی) نکل گئے تھے اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اسے اللہ (سب سے) بڑھ کر جانتا ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہود کی اس چال سے جو اوپر آیت میں بیان ہوئی ہے اللہ تعالیٰ بھی پوری طرح واقف تھا اور اس نے اپنے رسول کو بھی اس چال سے اطلاع دی تھی۔ اور یہود اسی طرح کرتے چلے گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اسلام پر ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد اس سے پھر جانے کی تو کوئی سزا نہیں ہے۔ اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو وہ یہ نہ تو سوچ سکتے

تھے اور نہ ہی اس پر عمل کر سکتے تھے۔اسی پر بات ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ان کے بار بار ایمان لانے اور انکار کرنے کا ذکر ایک اور جگہ بھی آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ؀ (النسآء آیت ۱۳۸)

یعنی۔اور جو لوگ ایمان لائے پھر انہوں نے انکار کر دیا پھر ایمان لائے پھر انکار کر دیا ۔پھر کفر میں اور (بھی) بڑھ گئے۔اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کر سکتا اور نہ انہیں (نجات) کا کوئی راستہ دکھاتا ہے۔

قرآن کریم کی بات کس قدر صاف اور واضح ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ ہم نے ھدایت اور گمراہی کو الگ الگ کر کے دکھا دیا اور پھر یہ بات بھی بیان کر دی کہ چاہے تو ایمان لے آؤ اور چاہے انکار کر دو اور تیسری بات یہ بیان کر دی کہ دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں ہے۔اس پر بات کو بالکل ہی صاف کر کے عملی صورت بیان کر دی کہ وہ لوگ جو ایمان لائے پھر انہوں نے انکار کر دیا پھر وہ ایمان لے آئے اور پھر انہوں نے انکار کر دیا پھر وہ کفر میں آگے سے آگے بڑھتے ہی چلے گئے ایسے لوگوں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ان کے انکار اور ارتداد کی وجہ سے کوئی سزا مقرر نہیں کی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دینا اپنے پر رکھ لیا ہے کہ ایسے لوگ جن کے بار بار ایمان لانے اور انکار کرنے کے بعد اور کفر میں بہت آگے نکل جانے کے بعد جبکہ ان کے دوبارہ ایمان لانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو اللہ نے ان کے لئے یہ فیصلہ فرمایا کہ اب انکو ان کے حال پر چھوڑ دو یہ میرا تو کچھ نقصان نہیں کر سکتے لیکن میں انکو ان کی حرکتوں کی بنا پر بخشوں گا نہیں اور نہ ہی اپنی سزا سے بھاگنے کا ان کو کوئی راستہ ہی دکھاؤں گا۔

اگر اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہوتی جیسا کہ بہت سے علماء کا خیال ہے تو ان کے پہلی مرتبہ ہی ایمان سے پھر جانے کے بعد ان کے قتل کا حکم دیا جاتا کجا یہ کہ وہ پھر ایمان لاتے اور پھر انکار کرتے اور پھر کفر میں وہ آگے سے آگے ہی بڑھتے جاتے۔ دو دو مرتبہ ارتداد کرنے کے باوجود قرآن کسی مرتد کے قتل کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ اس سے بڑھ کر اور کون سی قرآن کی تعلیم پیش کی جا سکتی ہے جو یہ ثابت کرے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ سورۃ آل عمران میں فرماتا ہے

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوماً كَفَرُوا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَ هُمُ الْبَيِّنٰتُ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ o اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ o خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ج لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ o اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ م بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْراً لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ o اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَباً وَّ لَوِ افْتَدٰى بِهٖ ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ o (آل عمران آیت ۸۷ تا ۹۲)

یعنی۔ جو لوگ ایمان لانے کے بعد (پھر) منکر ہو گئے ہوں اور شہادت دے چکے ہوں کہ (یہ) رسول سچا ہے اور (نیز) ان کے پاس دلائل بھی آ چکے ہوں انہیں اللہ کس طرح ہدایت پر لائے۔ اور اللہ (تو) ظالم (لوگوں) کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں (کی) اور لوگوں (کی) سب ہی کی لعنت ہو۔ وہ اس (لعنت) میں رہیں گے نہ (تو) ان (پر) سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی۔ سوائے

ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور اللہ یقیناً بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ جو لوگ ایمان لانے کے بعد منکر ہو گئے ہوں پھر وہ کفر میں اور بھی بڑھ گئے ہوں ان کی توبہ ہر گز قبول نہ کی جائے گی اور یہی لوگ گمراہ ہیں۔ جو لوگ منکر ہو گئے ہوں اور کُفر (ہی) کی حالت میں مر گئے ہوں ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا (بھی) جسے وہ فدیہ کے طور پر پیش کریں ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا۔ ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب (مقدر) ہے اور ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہو گا۔

ان جملہ آیات پر غور کریں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ایمان کے بعد کفر اختیار کر لینے کی صورت میں اللہ نے بندوں کو کوئی اختیار نہیں دیا کہ وہ ایسے لوگوں سے اس دنیا میں کوئی بدلہ لیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی سزا کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور کسی کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ ایسے لوگوں کو کوئی سزا دیں۔ اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس جگہ اس کا ذکر ضرور فرماتا لیکن ایسا نہیں ہے۔ اس جگہ ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ اس جگہ جو یہ الفاظ آئے ہیں کہ ایسے لوگوں پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو یہ لعنت میں رہیں گے اور ان پر عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں کوئی ڈھیل دی جائے گی۔ اس سے بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ کی فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت کا ذکر ہے تو جس پر ایسی لعنت وارد ہو تو گویا وہ اللہ کی سخت ناراضگی کا مورد ہے لہذا اسے قتل کر دینا چاہئے کیونکہ فرمایا ہے کہ انہیں کوئی ڈھیل نہیں دی جائے گی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ لیکن اس جگہ ایسی کسی بات کا اشارہ تک بھی موجود نہیں کہ مرتد پر لعنت کی صورت میں قتل واجب ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اور بھی بہت سے لوگوں کے لئے لعنت کا لفظ استعمال کیا ہے اگر لعنت سے مراد قتل لیا جائے تو پھر اس کی زد میں ایسے لوگ بھی آتے ہیں جو

ایمان نہیں لائے اور انہوں نے ارتداد بھی اختیار نہیں کیا۔ لہذا یہ بات کسی صورت میں بھی قابل قبول نہیں ہوسکتی۔

اس سلسلہ میں جناب ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب نے لکھا ہے کہ

''علامہ ابن تیمیہ لعنت کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کو اپنی رحمت سے دور کردے مزید براں فرماتے ہیں۔ کہ اللہ جل شانہ دنیا و آخرت میں اپنی رحمت واسعہ سے سوائے کافر ومشرک کے کسی کو محروم نہیں کرتا۔ بلکہ مومن کی یہ شان ہے وہ ہر لمحہ رحمت خداوندی کے قرب وحضور کا متلاشی وسرگردان رہتا ہے اس لئے وہ مباح الدم نہیں ہوسکتا کیونکہ خون اور زندگی کی حفاظت کی، عظیم رحمت وبرکت اسے باری تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے اس لئے اس کی جان ومال محفوظ ومامون ہے اور استحقاق لعنت سے بھی بچا رہا جبکہ لعنت تو ملعون کو مستحق قتل بناتی ہے۔

اس کی تائید ہمیں حضور ﷺ کے فرمان سے ملتی ہے۔ و من لعن مو منا وهو كقتله

جس نے کسی بھی مومن پر لعنت کی تو وہ ایسا ہے جیسے اس نے اسے قتل کیا

(صحیح بخاری کتاب الادب ۲۔ ۸۹۳)

مزید برآں امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں

فاذا كان الله قد لعن هذا في الدنيا والاخرة فهو كقتله فعلم ان قتله مباح

جب اللہ جل شانہ نے دنیا و آخرت میں (گستاخ رسول ﷺ) پر لعنت فرمائی تو وہ ایسے ہی ہے جیسے صفحہ ہستی سے اسے مٹانا اور قتل کرنا ہے پس یہ بات معلوم ہوئی کہ (شاتم رسول)

مباح الدم ہے۔“

(الصارم لمسلول،۴۱،۴۲)

(اس میں گستاخ رسول ﷺ اور شاتم رسول کے الفاظ جناب مولوی صاحب نے خود ہی شامل کر لئے ہیں۔)

(بحوالہ تحفظ ناموس رسالت شائع شدہ منہاج القرآن پبلیکیشنز ۳۶۵ ایم۔ماڈل ٹاؤن لاہور صفحہ ۱۵۴)

محترم ڈاکٹر صاحب نے اس جگہ امام ابن تیمیہؒ کی کتاب کے حوالہ سے بات تو کی ہے لیکن جو نتیجہ نکالا ہے وہ درست نہیں ہے اور بخاری شریف کی جو حدیث پیش کی گئی ہے وہ بھی ادھوری اس سے حدیث کا مفہوم پوری طرح واضح نہیں ہوتا حدیث میں اس کی آگے پیچھے کے الفاظ اس طرح ہیں

مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عُذِبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ مَنْ لَّعَنَ مُؤْمِناً فَهُوَ كَقَتْلِهِ وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِناً فَهُوَ كَقَتْلِهِ

یعنی۔اور جو شخص دنیا میں کسی چیز سے اپنے تئیں مارے اس کو قیامت کے دن اسی چیز سے عذاب ہوتا رہے گا۔اور جو شخص کسی مسلمان پر لعنت کرے تو ایسا ہے جیسے اس کا خون کیا اور جو شخص کسی مسلمان کو کافر کہے (وہ کافر نہ ہو) تو ایسا ہے جیسے اس کا خون کیا۔

(بخاری شریف مترجم جلد سوم صفحہ ۴۲۱ حدیث نمبر ۹۸۴)

مولوی صاحب نے ایک جملہ لکھا اور دلیل پیش کر دی کہ مومن کو لعنت کرنا ایسا ہے جیسے اس کا قتل کر دیا اور امام ابن تیمیہ کی بات رکھ کر دلیل بنا لی کہ لعنت کرنے والے کو قتل کرنا جائز ہے۔جبکہ آگے یہ بھی تو لکھا ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنا بھی ایسا ہی ہے کہ گویا اس کو قتل کر دیا جبکہ

وہ کافر نہ ہوتو۔فرقہ بندیوں کو دیکھ لیں اگر لعنت کرنے والے کو قتل کرنے کا جواز اس حدیث سے نکالا جا سکتا ہے تو پھر اس حدیث سے ان تمام علماء کو قتل کرنے کا جواز بھی نکالا جا سکتا ہے جو آئے دن کسی نہ کسی مسلمان کو کفر کا فتویٰ دیتے رہتے ہیں۔الغرض یہ بات قطعی طور پر نا جائز ہے کہ کسی لعنت کرنے والے کو مرتد قرار دیکر اس کو قتل کیا جا سکتا۔حدیث میں الفاظ ہیں کہ گویا اس نے قتل کیا گویا اور سچ مچ میں بہت فرق ہوتا ہے۔اور ویسے بھی یہ عدل کے خلاف ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر مرتدین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (النحل آیت نمبر ۱۰۷۔۱۰۸)

یعنی۔جو لوگ بھی اپنے ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کریں سوائے ان کے جنہیں (کفر پر) مجبور کیا گیا ہو لیکن ان کا دل ایمان پر مطمئن ہو (وہ گرفت میں نہ آئیں گے) ہاں وہ جنہوں نے (اپنا) سینہ کفر کے لئے کھول دیا ہو ان پر اللہ کا (بہت) بڑا غضب (نازل) ہوگا اور ان کے لئے بڑا بھاری عذاب (مقدر) ہے۔اور ایسا اس سبب سے ہوگا کہ انہوں نے اس ورلی زندگی سے محبت کر کے اسے آخرت پر مقدم کر لیا۔اور (نیز اس وجہ سے کہ) اللہ کفر اختیار کرنے والوں کو ھدایت نہیں دیتا۔

قرآن کریم کی ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے دین سے مرتد ہو جانے والوں کا ذکر کیا ہے اور مرتد ہونے والے لوگوں کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر کے بیان کیا ہے ایک تو وہ گروہ ہے جو دل سے ایمان لاتا ہے لیکن ان کی قوم ان پر اس قدر دباؤ بناتی ہے کہ ان کے دلوں میں ایمان

گھر کر جانے کے باوجود مخالفین کی سختیاں برداشت نہ کر سکنے کی بنا پر مجبوری میں ایمان سے پھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے دکھائی دینے والوں کے لئے تو اللہ یہ فرماتا ہے کہ انہیں تو گرفت میں نہ لیا جائے گا۔ ہاں ایسے لوگ جو کھلے دل کے ساتھ ارتداد اختیار کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ اس دنیا میں ان کے لئے کوئی سزا مقرر نہیں فرماتا بلکہ فرماتا ہے کہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور ان کے لئے اللہ نے بہت بڑا عذاب مقدر کر رکھا ہے۔ ان لوگوں نے ارتداد اختیار کیوں کیا اس بات کی بھی اللہ نے وضاحت فرما دی کہ انہوں نے دنیاوی زندگی کو اخروی زندگی پر فضیلت دی ہے۔ فرمایا چونکہ ان لوگوں نے دل سے ارتداد اختیار کیا ہے اسلئے اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت بھی نہیں دیتا۔ اب دیکھو ان کا ارتداد کیسا سخت ہے کہ اللہ گواہی دے رہا ہے کہ ان مرتدین نے ہدایت نہیں پانی اور دوبارہ ان کے ایمان لے آنے کا موقعہ نہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی قتل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ایسے لوگوں کو بھی سزا دینے کا کام اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (المائدہ آیت ۵۵)

یعنی۔اے ایماندارو! تم میں سے جو (شخص) اپنے دین سے پھر جائے تو (وہ یاد رکھے) اللہ (اسکی جگہ) جلد (ہی) ایک ایسی قوم لے آئے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہونگے۔ جو مومنوں پر شفقت کرنے والے ہونگے اور کافروں کے مقابلہ

پر سخت اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے پسند کرتا ہے (یہ فضل اسے) دیتا ہے اور اللہ وسعت بخشنے والا (اور) بہت جاننے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو متنبع کیا ہے کہ اگر تم دین سے پھر جاؤ گے تو اللہ تمہاری جگہ ایک اور قوم کو لے آئے گا۔ یہ نہیں فرمایا کہ اگر تم پھر جاؤ گے تو ارتداد کے نتیجہ میں قتل کر دئے جاؤ گے۔ قرآن کریم میں یہ ایک ایسا موقعہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو تنبیہ کر رہا ہے کہ اگر تم لوگوں نے ارتداد اختیار کیا تو میں تم سے کیا کرنے والا ہوں۔ اگر اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہوتی تو اس مقام پر اس کا ذکر ہوتا یہ نہ فرماتا کہ تم اگر ارتداد اختیار کرو گے تو اللہ اس کے بدلہ میں اس رسول سے محبت کرنے والی اور جن سے اللہ کا رسول محبت کرتا ہوگا ایسی قوم کو لے آئے گا بلکہ یہی کہتا کہ ارتداد کے نتیجہ میں قتل کئے جاؤ گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسا کوئی حکم نہیں دیا بلکہ کسی جگہ بھی نہیں دیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (البقرہ آیت نمبر ۲۱۸)

یعنی۔ اگر ان کی طاقت میں ہو تو تم سے لڑتے ہی چلے جائیں تا کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اور تم میں سے جو (بھی) اپنے دین سے پھر جائے (اور) پھر کفر ہی کی حالت میں مر (بھی) جائے تو (وہ یاد رکھے) ایسے لوگوں کے اعمال اس دنیا میں (بھی) اور آخرت میں

(بھی) اکارت جائیں گے اور ایسے لوگ دوزخ (کی آگ میں پڑنے) والے ہیں وہ اس میں (دیر تک) رہیں گے۔

اب اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے دین سے پھر جانے والوں کا ذکر کیا اور فرمایا ہے کہ یہ جو مخالفین اسلام ہیں یہ تم سے لڑتے ہی اس غرض سے ہیں کہ تا تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں برگشتہ کر دیں ان کی مخالفتوں اور لڑائیوں کے نتیجہ میں اگر کوئی دین سے پھر جائے مرتد ہو جائے اور ارتداد کی حالت میں ہی مر بھی جائے تو یاد رکھو کہ اس کی اعمال جو بھی اس نے کئے تھے وہ اس نے اس دنیا میں بھی ضائع کر لئے اور آخرت میں بھی ضائع کر لئے اور وہ دوزخی ہوگا۔ اب دیکھیں اس آیت میں ایک مرتد کو اس کی موت تک مہلت دی ہے یہ نہیں فرمایا کہ اگر مرتد ہو جائے تو اسے قتل کر دو اس آیت میں بھی مرتد کو سزا دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ کسی بندے کو کسی حاکم کو یہ اختیار نہیں دیا کہ اگر ارتداد اختیار کرے تو اس کو قتل کر دو۔

اسی طرح ایک جگہ فرمایا

وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ○ (البقرہ آیت نمبر ۱۰۹)

یعنی۔ اور جو ایمان کے بدلے کفر اختیار کرے تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

اگر اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہوتی تو قرآن کریم میں اس جگہ بھی موقعہ تھا کہ اس کا ذکر کیا جاتا لیکن یہاں بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا بلکہ صرف یہ بات بیان کی گئی ہے کہ ایسا شخص سیدھے راستے سے بھٹک جاتا ہے۔ اور سیدھے راستہ سے بھٹک جانے کی سزا صرف اخروی زندگی میں ہی ہوسکتی ہے اس زندگی میں اس کو قتل کرنے کا کوئی حکم نہیں۔ اور سیدھے راستہ سے بھٹک جانا کوئی ایسا فعل نہیں ہے کہ انسانی فطرت اس کے لئے قتل کی سزا تجویز کرے۔ اسی طرح ایک اور

جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـًٔا (ال عمران آیت ۱۴۵)

یعنی۔اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔

اب اس جگہ بھی دیکھ لیں ایمان سے پلٹ جانے کا ذکر موجود ہے لیکن مرتد ہو جانے والے کے لئے دنیاوی کوئی بھی سزا مقرر نہیں کی گئی بلکہ یہ بات بیان کی گئی ہے کہ مرتد ہونے والے اگر یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ لوگ ایمان سے پھر جانے پر اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان کریں گے تو یہ ان کی بھول ہے اللہ فرماتا ہے کہ ان کا ارتداد اختیار کر لینا اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا اگر اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہوتی تو اس جگہ پر ہی اس کا ذکر ہونا چاہیئے تھا لیکن ایسا دکھائی نہیں دیتا۔الغرض قرآن کریم میں ہمیں کسی ایک موقعہ پر بھی مرتد کی سزا قتل دکھائی نہیں دیتی مرتد کی سزا قتل کا عقیدہ قرآن کریم سے قطعاً ثابت نہیں ہے مرتد کو سزا دینا یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اس کا بھی تعلق اخروی زندگی کے ساتھ ہے۔جو لوگ بھی مرتد کی سزا قتل کے قائل ہیں وہ اس عقیدہ کی تائید میں قرآن کی ایک آیت بھی پیش نہیں کر سکتے ایسا عقیدہ رکھنا یہ صرف ان کے ذہن کی اختراع ہے۔

ذمیّ

امام ابن تیمیہؒ نے شاتمِ رسول کرنے والے کی جو تیسری شق بیان کی ہے اس کا تعلق ذِمیّ سے ہے۔ اگر دیکھا جائے تو آپ کی کتاب ''الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول'' میں جس شق پر سب سے زیادہ بحث کی ہے اس کا تعلق ذِمّی سے ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ ساری کی ساری کتاب ذِمّی کے گرد ہی گھومتی ہے۔ جن دو موضوعات پر اوپر بحث کی گئی ہے وہ اس کتاب کے 1/4 حصہ پر محیط ہونگے اور باقی کی ساری بحث ہی ذِمّی کو لیکر کی گئی ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ موجودہ دور میں شاتمِ رسول یا توہین رسالت کے عنوان پر لکھی جانے والی کتب میں اس موضوع کو یکسر نظر انداز کر کے اپنے ذہن میں بسے اسلامی نظریہ کو ادھر اُدھر سے کھینچ تان کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ساری کی ساری بات امام ابن تیمیہؒ کی کتاب کی طرف منسوب کردی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے جس نظریہ کو ایک خاص گروہ کے ساتھ باندھ کر اپنی کتاب میں پیش کیا ہے اس کا کسی نے ذکر تک بھی نہیں کیا۔ امام ابن تیمیہؒ نے جس سزا کو ذِمّی کے ساتھ خاص کر کے بیان کیا ہے اس دور کے علماء نے اس کو ہر کس و ناقص پر نافذ العمل قرار دیا ہے۔ جبکہ ذِمّی اور آزاد شخص کے معاملات میں زمین آسمان کو فرق ہے۔ علماء نے اپنے مقاصد کے حصول کی لئے قرآن کریم سے ان آیات کو تو پیش کیا جن کو امام ابن تیمیہؒ نے ذِمّی اور اس کے نقضِ عہد اور اس کی سزا کے حوالہ سے پیش کیا۔ لیکن دیگر علماء میں سے کسی نے اس بات کا اشاتاً بھی ذکر نہیں کیا کہ اس کا اطلاق صرف ذِمّی پر ہو گا وہ بھی اس وقت جبکہ وہ نقضِ عہد کرے۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا اور ایمانداری کا تقاضہ تھا کہ جس طرح امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب کو ہر لحاظ سے نکھار کر ہر مسئلہ علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے اس طرح سے بیان کرتے اور یہ

بات صاف کرتے کہ قرآن کریم کی ان ھدایات اور احکامات کا تعلق ذِمّی کے ساتھ ہے۔اور پھر اس دور میں تو عوام الناس کو اس بات کا بھی علم نہیں کہ ذِمّی ہوتا کون ہے ذِمّی کسے کہا جاتا ہے ،اس کے مسلمانوں پر کیا حقوق ہیں اور مسلمانوں کے ان پر کیا حقوق ہیں؟اگر یہ ساری باتیں بیان کردی جاتیں تو اسلام کی ایک حسین تعلیم ابھر کر سامنے آجاتی ۔لیکن جو طریق علماء نے اختیار کیا اس سے تو غیروں کے نزدیک اسلام پر ایک قشقہ لگا ہے اور اسلام کی عدل وانصاف کی تعلیم کو ظلم وزیادتی اور جبر کی تعلیم کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ہمارا کام ہے کہ ہم غیروں کے سامنے اسلام کی حقیقی اور حق وانصاف پر مبنی اور پر امن تعلیم پیش کریں تا کہ لوگ اسلام کے حسن کو دیکھ کر اسے خوش دلی سے قبول کریں۔امام ابن تیمیہؒ نے ذِمّی کی جو بحث اٹھائی ہے اس سلسلہ میں کسی قدر اختصار سے وضاحت پیش کرنا ضروری خیال کرتا ہوں تا کہ ہر شخص یہ سمجھ سکے کہ ذِمّی کون ہوتا ہے اور کوئی شخص ذمّی کب کہلاتا ہے اور اس کے حقوق کیا ہیں اور مسلمانوں کے ان پر کیا حقوق ہیں؟

ذِمّی کون؟

قبل اس کے کہ بات کو آگے بڑھایا جائے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ امام ابن تیمیہؒ نے ذِمّی کے بارے میں جو اس قدر لمبی چوڑی بحث کی ہے آخر یہ ذِمّی ہے کیا اور کسے ذِمّی کہا جاتا ہے اور کوئی ذِمّی کس صورت میں اور کون بنتا ہے؟

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ذِمّی کا تعلق خاص اسلامی مملکت سے ہے۔ جہاں پورے طور پر اسلامی تعلیمات کا نفاذ ہوتا ہو۔ دیکھا جائے تو آج کے دور میں دنیا کا کوئی ایک ملک بھی ایسا نہیں جہاں اسلامی نظام پوری طرح سے نافذ ہو۔عرف عام میں اس وقت بھی بہت سے مما لک کو اسلامی ملک کہا جاتا ہے لیکن ہر ملک میں اس وقت پوری طرح سے یا جزوی طور پر جمہوری نظام قائم ہے۔ آغازِ اسلام میں جو نظام حکومت قائم ہوا وہ مکمل طور پر اسلامی نظام تھا جس میں تمام امور قرآن وسنت کی روشنی میں نافذ العمل تھے۔لیکن آج کے دور میں وہ اسلامی نظام حکومت کسی جگہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔اس لئے اس دور میں ذِمّی کی بحث ہی بے مقصد دکھائی دیتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں کسی بھی ملک میں کسی کو بھی آپ ذِمّی کے زمرہ میں شمار نہیں کر سکتے۔

آنحضرت ﷺ نے جب دنیا والوں کو توحید کا پیغام دیا تو آپ ﷺ کی شدید مخالفت شروع ہوئی۔آپؐ کو بہت دکھ دیئے گئے اور تکالیف پہنچائی گئیں۔آپؐ پر ایمان لانے والے بھی اس سے محفوظ نہ تھے۔حتیٰ کہ آپؐ کو مکہ سے ہجرت کرنی پڑی اور آپؐ مدینہ تشریف لے گئے۔اس پر کفار مکہ نے آپؐ اور آپؐ کے ماننے والوں پر جنگ مسلّط کر دی جس پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو دفاعی جنگ کی اجازت دی جس کا ذکر قرآن کریم کی سورت حج آیت نمبر ۴۰ میں موجود ہے کہ ''وہ لوگ جن سے (بلاوجہ) جنگ کی جارہی ہے ان کو بھی جنگ کرنے

کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے'' جب یہ دفاعی جنگیں ہوئیں تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات سے نوازا۔ اسلام کا اصل مقصد دنیا میں توحید کا قیام تھا۔ جن علاقوں کو بھی مسلمان فتح کرتے وہاں لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جاتی جو تو اسلام قبول کرتے ان پر اسلامی قوانین نافذ کئے جاتے۔ بہت سے ایسے بھی ہوتے جو اپنے دین پر قائم رہتے اور اسلام قبول نہ کرتے۔ ان سے اس فتح یافتہ ملک میں قیام کی صورت میں معاہدہ کیا جاتا جن میں بعض شرائط رکھی جاتیں جن کو دونوں فریق بخوشی قبول کرتے۔ تو ایسے لوگ جو مغلوب ہو کر باہمی رضامندی سے قائم کی گئی شرائط پر عمل کرنے کی شرط پر اسلامی مملکت میں رہنا پسند کرتے انہیں اسلامی اصطلاح میں ''ذِمّی'' کہا جاتا ۔اور یہ لوگ ذِمّی کہلاتے۔ ان میں اور مسلمانوں میں ٹیکس کے معاملہ میں بھی الگ الگ اصطلاح قائم تھی۔ مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اور ذِمّیوں سے جو ٹیکس وصول کیا جاتا وہ ''جزیہ'' کہلاتا تھا۔

اگر لغت میں دیکھا جائے تو اس کے معنی یہ بیان ہوئے ہیں کہ

''الذِّمِّیُّ یعنی وہ شخص جس سے معاہدہ کر کے اس کی جان و مال عزت و آبرو اور مذہب کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا ہو۔ ھی ذِمِّیَّۃٌ ''

عرب میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین موجود تھے اس لئے ذِمّی کا اطلاق عام طور پر ان قوموں کے مفتوح ہو جانے اور ان سے معاہدات کر لینے کے بعد ہوتا تھا لیکن آج کے دور میں اگر کسی جگہ اسلامی حکومت قائم ہو جہاں تمام اسلامی اصول نافذ ہونگے تو اگر وہاں ان کے علاوہ دیگر مذاہب والے بھی اپنے دین پر رہتے ہوئے معاہدہ کرتے ہیں تو وہ بھی ذِمّی ہی کہلائیں گے اور انہیں معاہدہ کرنے کے بعد جزیہ دینا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بیان فرماتا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبۃ آیت ۲۹)

یعنی:۔ جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ یوم آخرت پر اور نہ اسے جسے اللہ اور رسول نے حرام قرار دیا ہے حرام قرار دیتے ہیں اور نہ سچے دین کو اختیار کرتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے ان سے جنگ کرو جب تک کہ وہ اپنی مرضی سے جزیہ ادا نہ کریں اور وہ تمہارے ماتحت نہ آجائیں۔

قرآن کریم کی اس آیت سے کسی کو یہ نہیں سجھ لینا چاہئے کہ یہود سے یا کسی اور قوم سے بنا کسی دلیل کے جنگ جائز ہے جنگ کی جو شرائط ہیں ان میں سے ایک کا تو اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ جنگ کی ایسی صورت میں اجازت دی گئی ہے کہ جب دوسرا جنگ مسلط کردے اور مسلمانوں کو یہ اجازت ہے کہ وہ ایسی صورت میں دفاعی جنگ کریں گے۔ پس اگر یہود یا کوئی دوسری قوم بھی حملہ کرے تو یہ بتایا گیا ہے کہ پھر ان سے جنگ کرو اور اس وقت تک کرو کہ وہ مغلوب ہو جائیں اور شکست کھا کر جزیہ دینے کے لئے تیار ہو جائیں۔ تو فرمایا کہ پھر لڑائی کو لمبا نہ کرو بلکہ ان کی پہلی غلطی کو معاف کردو۔ وَهُمْ صَاغِرُوْنَ کے معنے مفسرین نے یہ کئے ہیں کہ جزیہ دیتے وقت بہت تذلیل اختیار کریں۔ لیکن اس آیت کا یہ مطلب نہیں صرف یہ مطلب ہے کہ وہ عَنْ يَّدٍ جزیہ دیں یعنی اپنی مرضی سے اور شکست کھا کر اس کا اقرار کریں تو ان سے جزیہ کی شرط قبول کرلو ردّ نہ کرو اور لڑائی کو لمبا نہ کرو۔ پس یہ احسان ہے ظلم نہیں۔ صَاغِرُوْنَ سے اس طرف اشارہ ہے کہ چونکہ وہ شکست قبول کر چکے ہیں اس لئے وہ اس کے متعلق معاہدہ کریں۔

قرآن کریم کی یہ آیت بتاتی ہے کہ مسلمانوں پر حملہ کرنے والے جب جنگ میں شکست کھا جائیں تو ان سے جزیہ کی شرط پر معاہدہ کر کے انہیں امان دیدیا کرو۔ تو ایسے لوگ جو جزیہ کی ادائیگی کی شرط پر معاہدہ کرتے ہیں وہ ''ذِمّی'' کہلاتے ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب میں جو ساری بحث اٹھائی ہے وہ اس ذِمّی کے بارے میں ہے کہ جب بھی کوئی ذمّی گالی دیگا تو اس کے گالی دینے کی بنا پر وہ معاہدہ جو جزیہ دینے کے شرط کے ساتھ مسلم مملکت میں رہنے کے لئے کیا تھا وہ ٹوٹ جاتا ہے لہذا اسے قتل کر دیا جائے۔ امام ابن تیمیہؒ کی اس بات میں ایک بہت ہی باریک نقطہ ہے جسے سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص ذمّی اس وقت بنتا ہے جب کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے نتیجہ میں شکست کھا کر جزیہ کی شرط پر ایک معاہدہ کرتا ہے اور اس میں امن و امان قائم رکھنے کی بھی شرط شامل ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص کسی کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچا کر ملک میں فتنہ پردازی کرنا چاہے ایسی صورت میں وہ گویا عہد شکنی کرتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کی شکل یہ بنتی ہے کہ جب کوئی ذِمّی رسول کریم ﷺ کو گالی دیتا ہے تو اس کو قتل کی سزا اس کے گالی دینے کی بنا پر نہیں دی جائے گی بلکہ اس کی معاہدہ شکنی اور فتنہ پردازی کو ہوا دینے کی بنا پر دی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (البقرۃ آیت ۲۱۸)

یعنی اور فتنہ قتل سے بھی بڑا ہوتا ہے۔

اسلامی مملکت میں رہتے ہوئے ذمیؓ کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ کوئی بھی ایسی بات نہیں کرے گا جس سے فتنہ کا اندیشہ ہو۔ جب بھی اس کی طرف سے کوئی بھی ایسی بات ہوگی یا معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور وہ شخص ان لوگوں میں شمار ہوگا

جن سے عہد شکنی کا بدلہ لیا جا سکتا ہے۔ جزیہ کے بدلہ میں ذمی کی ہر طرح کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے اور انہیں پوری طرح سے امان دی جاتی ہے۔ یہ امان کس قسم کی ہوتی تھی اس کا ایک نمونہ میں اس جگہ پیش کر دیتا ہوں اگرچہ معاہدات میں وہاں کے حالات اور علاقہ کی مناسبت سے کچھ کم یا زیادہ شرائط رکھ لی جاتی تھیں۔ بیت المقدس کے عیسائیوں کے لئے جو امان نامہ لکھا گیا تھا وہ اس طرح پر ہے۔

''یہ وہ امان نامہ ہے جو امیر المؤمنین عمرؓ نے ایلیا والوں کو دیا ہے۔ ایلیا والوں کی جان۔ مال۔ گرجے۔ صلیب۔ بیمار۔ تندرست سب کو امان دی جاتی ہے اور ہر مذہب والے کو امان دی جاتی ہے۔ ان گرجاؤں میں سکونت نہ کی جائے گی اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ان کے احاطوں کو بھی نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور مالوں میں کمی کی جائے گی۔ نہ مذہب کے بارے میں کسی قسم کا کوئی تشدد کیا جائے گا اور نہ ان میں سے کوئی کسی کو ضرر پہنچائے گا۔ اور ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ اور ایلیا والوں پر فرض ہے کہ جزیہ دیں اور یونانیوں کو نکال دیں پس یونانیوں یعنی رومیوں میں سے جو شہر سے نکل جائے گا اس کے جان و مال کی امان دی جائے گی جب تک کہ وہ محفوظ مقام تک نہ پہنچ جائے۔ اگر کوئی رومی ایلیا میں رہنا پسند کرتا ہے۔ تو اس کو باقی اہل شہر کی طرح جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر اہل ایلیا میں سے کوئی شخص رومیوں کے ساتھ جانا چاہے تو اس کو امن و امان ہے۔ یہاں تک کہ وہ محفوظ مقام تک پہنچ جائیں۔ جو کچھ اس عہد نامہ میں درج ہے اس پر خدا اور رسول اور خلفاء اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ بشرطیکہ اہل ایلیا مقررہ جزیہ کی ادائیگی سے انکار نہ کریں۔''

(بحوالہ تاریخ اسلام جلد اوّل صفحہ ۳۵۰ مصنفہ مولانا اکبر نجیب آبادی مطبوعہ تاج پرنٹرز

۶۹ نجف گڑھ روڈ انڈسٹریل ایریا نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱۵)

الغرض جزیہ ادا کرنے کی شرط پر ذمّیوں کے مذہب، مذہبی امور، عبادت گاہوں، جان و مال عزت وآبرو حق وانصاف وغیرہ تمام امور کی حفاظت کی جاتی تھی۔

جزیہ

جوشخص جزیہ ادا کرتا ہے وہ ذمّی کہلاتا ہے۔جزیہ کیا چیز ہے جس کی ادائیگی کسی کو ذمّی بناتی ہے اس کے متعلق بھی جاننا ضروری ہے کہ جزیہ کیوں اور کس قدر لگایا جاتا تھا؟ اور اس کا مقصد اور مصرف کیا تھا؟ اس مسئلہ پر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ؓ نے اپنی تصنیف ''سیرت خاتم النبیین ﷺ میں ایک نوٹ لکھا ہے جس میں اس کی پوری وضاحت موجود ہے میں اسے اس جگہ لکھنا مناسب خیال کرتا ہوں۔آپ لکھتے ہیں

''جزیہ کا مسئلہ بعض لوگوں کو قابل اعتراض نظر آتا ہے حالانکہ وہ محض ایک ٹیکس تھا جو نظام حکومت کو چلانے کے لئے غیر مسلم رعایا سے لیا جاتا تھا اور جس کا فائدہ بالواسطہ خود ٹیکس دینے والے کو ہی پہنچتا تھا۔کیونکہ اس روپئے سے حکومت ان کے حقوق کی حفاظت ان کے آرام و آسائش اور ان کی بہبود کا انتظام کرتی تھی اور ان کے جان و مال کی حفاظت کے لئے افواج مہیا کرتی تھی اور اگر یہ اعتراض ہو کہ یہ ٹیکس غیر مسلم رعایا کے ساتھ مخصوص کیوں تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو یہ ٹیکس فوجی خدمت کا معاوضہ سمجھا جاتا تھا جو مسلمان سپاہی سرانجام دیتے تھے مگر جس سے غیر مسلم رعایا آزاد رکھی گئی تھی یعنی جہاں ہر مسلمان گویا جبری بھرتی کے قانون کے ماتحت تھا وہاں غیر مسلم رعایا آزاد رکھی گئی تھی۔اس صورت میں یہ انصاف کا تقاضا تھا کہ اسلامی حکومت کے فوجی اخراجات کا بوجھ ایک حد تک غیر مسلم رعایا پر بھی ڈالا جاتا اور یہی جزیہ تھا۔ علاوہ ازیں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل اسلام میں ٹیکس کے معاملہ کو تین شاخوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔اوّل وہ ٹیکس صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص تھے مثلاً زکوٰۃ۔دوم وہ ٹیکس جو غیر مسلموں کے ساتھ خاص تھے مثلاً جزیہ۔سوم مشترک ٹیکس جو حسب حالات سب پر لگائے جا سکتے تھے مثلاً زمین کا مالیہ۔اس تقسیم و تفریق کی وجہ یہ تھی کہ اسلامی حکومت کو بعض ایسے کام بھی

کرنے پڑتے تھے جو مسلمانوں کے دینی مصالح کے ساتھ خاص تھے اور یہ انصاف سے بعید تھا کہ ان کا بوجھ غیر مسلم رعایا پر ڈالا جاتا لہذا کمال دیانت داری کے ساتھ اسلام نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے بعض ٹیکس جدا جدا کر دئے۔ چنانچہ جہاں مسلمانوں کے مخصوص ٹیکس یعنی زکوٰۃ میں دینی اور سیاسی اغراض ہر دو مخلوط طور پر شامل کر دی گئیں۔(سورۃ توبہ آیت ۱۷) وہاں غیر مسلموں کے مخصوص ٹیکس یعنی جزیہ کے مصارف میں کوئی دینی غرض شامل نہیں کی گئی بلکہ اسے عام رکھا گیا(سورۃ توبہ آیت ۲۹) یہی وجہ ہے کہ بیشتر صورتوں میں زکوٰۃ کا ٹیکس جو مسلمانوں کے لئے خاص ہے جزیہ کے ٹیکس سے بھاری ہوتا ہے کیونکہ اس کے مصارف زیادہ ہیں۔ پس غور کیا جاوے تو جزیہ کے ٹیکس کا غیر مسلموں کے ساتھ مخصوص کر دیا جانا اسلام اور بانئ اسلام کی اعلیٰ درجہ کی دیانت کا ثبوت ہے۔ مگر افسوس کہ نادان لوگوں نے اسی کو ایک اعتراض کی بنیاد بنالیا ہے۔

اب رہا جزیہ کی تشخیص وتحصیل کا سوال۔ سو اس معاملہ میں بھی اسلام نے ایک ایسا اعلیٰ نمونہ قائم کیا ہے جس کی نظیر کسی دوسری جگہ نہیں ملتی۔ اس کے متعلق سب سے پہلی بات تو یہ جاننی چاہیئے کہ اسلام نے جزیہ کے ٹیکس کی کوئی شرح معیّن نہیں کی بلکہ اسے ہر زمانہ اور ہر قوم کے حالات پر چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے عرب کے مختلف قبائل کے ساتھ جزیہ کے متعلق مختلف صورتیں اور مختلف شرحیں اختیار کی تھیں۔ چنانچہ مثلاً نجران کے عیسائیوں سے آنحضرت ﷺ نے مجموعی طور پر دو ہزار چادریں اور بعض ضروری چیزیں سالانہ مقرر کی تھیں۔(بخاری بحوالہ فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۷۳ وابوداؤد کتاب الخراج باب فی اخذ الجزیۃ و کتاب الخراج قاضی ابو یوسف) مگر اس کے مقابل پر یمن کے لوگوں سے اوسطاً ایک دینار فی کس سالانہ مقرر تھا۔(ابوداؤد کتاب الخراج باب فی اخذ الجزیۃ) اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بعد آپ

کے خلفاء نے بھی یہی طریق جاری رکھا کہ ہر قوم کے مناسب حال ان سے جزیہ کا ٹیکس وصول کیا جاتا تھااور افراد پر اس ٹیکس کی تقسیم ایسے رنگ میں کی جاتی تھی کہ ہر شخص پر اس کی مالی طاقت کے مطابق بوجھ پڑتا تھا۔ چنانچہ تاریخ سے پتہ لگتا ہے کہ خلفاء اربعہ کے زمانہ میں جزیہ کے ٹیکس کی صورت عموماً یہ تھی کہ خوشحال لوگوں سے اڑتالیس درہم سالانہ لیا جاتا تھا۔ اور متوسط الحال لوگوں سے چوبیس درہم سالانہ اور ان سے کم حیثیت لوگوں سے صرف بارہ درہم سالانہ لیا جاتا تھا۔ (کتاب الخراج قاضی ابویوسف فصل فی من تجبُ علَیہِ الجِزیَۃ)

یہ خفیف ٹیکس بھی ساری غیر مسلم آبادی پر نہیں لگایا جاتا تھا بلکہ مندرجہ ذیل اقسام کے لوگ اس سے مستثنیٰ تھے۔

۱۔ تمام وہ لوگ جو مذہب کے لئے اپنی زندگی وقف رکھتے تھے۔

۲۔ تمام عورتیں اور بچے۔

۳۔ تمام بوڑھے اور معمّر لوگ جو کام کے ناقابل تھے

۴۔ تمام نابینا لوگ اور اسی قسم کے دوسرے معذور لوگ جو کام نہ کر سکتے تھے۔

۵۔ تمام مساکین اور غرباء جن کی مالی حالت جزیہ کی ادائیگی کے قابل نہ تھی۔

(کتاب الخراج فصل فِیْ مَنْ تُجِبُ علیہ الجزیۃ)

جزیہ کی تحصیل میں یہ اصول مدنظر رکھے جاتے تھے۔

(الف) جزیہ دینے والے کو اختیار تھا کہ خواہ نقد ادا کرے یا اس کی قیمت کے اندازے پر کوئی چیز دے دے۔

(ب) جزیہ کی وصولی کے متعلق تاکیدی حکم تھا کہ اس معاملہ میں کسی قسم کی سختی سے کام نہ لیا جاوے اور بالخصوص بدنی سزا سے منع کیا گیا تھا۔

(ج) اگر کوئی شخص ایسی حالت میں مرجاتا تھا کہ جس کے ذمہ جزیہ کی کوئی رقم واجب الادا ہوتی تھی تو وہ معاف کر دی جاتی تھی۔ اور مرنے والے کے ورثاء اور ترکہ کو اس کا ذمہ وار نہیں قرار دیا جاتا تھا۔ (بحوالہ درجہ بالا)

کیا یہ سلوک آج کوئی قوم کسی دوسری قوم سے کرتی ہے؟ پھر یہی نہیں کہ جزیہ کی تشخیص میں نرمی سے کام لیا جاتا تھا بلکہ اگر جزیہ واجب ہو جانے کے بعد بھی کسی شخص کی مالی حالت جزیہ ادا کرنے کے قابل نہ رہتی تھی تو اسے جزیہ کی رقم معاف کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ ذیل کا تاریخی واقعہ اس کی ایک دلچسپ مثال ہے۔ روایت آتی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں بعض غیر مسلموں سے جزیہ وصول کرنے میں کچھ سختی کی جارہی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ فوراً رک گئے اور غصہ کی حالت میں دریافت فرمایا کہ ''یہ معاملہ کیا ہے؟'' عرض کیا گیا کہ ''یہ لوگ جزیہ ادا نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی طاقت نہیں'' حضرت عمرؓ نے فرمایا ''تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان پر وہ بوجھ ڈالا جاوے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے۔ انہیں چھوڑ دو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص دنیا میں لوگوں کو تکلیف دیتا ہے وہ قیامت کے دن خدا کے عذاب کے نیچے ہوگا۔ چنانچہ ان لوگوں کا جزیہ معاف کر دیا گیا'' (کتاب الخراج فصل فی من تجب علیہ الجزیۃ)

حضرت عمرؓ کو آنحضرت ﷺ کے تاکیدی ارشادات کے ماتحت اپنی غیر مسلم رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ انہوں نے فوت ہوتے ہوئے خاص طور پر ایک وصیّت کی جس کے الفاظ یہ تھے۔ ''میں اپنے بعد میں آنے والے خلیفہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا سے بہت نرمی اور شفقت کا معاملہ کرے۔ ان کے معاہدات کو پورا کرے ان کی حفاظت کرے۔ ان کے لئے ان کے دشمنوں سے لڑے اور ان پر قطعاً کوئی ایسا بوجھ یا ذمہ داری نہ

ڈالے جوان کی طاقت سے زیادہ ہو۔'' (کتاب الخراج صفحہ ۷۲)

۔۔۔۔حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب شام فتح ہوا تو معاہدہ کی رو سے مسلمانوں نے شام کی عیسائی آبادی سے ٹیکس وغیرہ وصول کیا۔لیکن اس کے تھوڑے عرصہ بعد رومی سلطنت کی طرف سے پھر جنگ کا اندیشہ پیدا ہو گیا جس پر شام کے اسلامی امیر حضرت ابو عبیدہؓ نے تمام وصول شدہ ٹیکس عیسائی آبادی کو واپس کر دیا اور کہا کہ جب جنگ کی وجہ سے ہم تمہارے حقوق ادا نہیں کر سکتے تو ہمارے لئے جائز نہیں کہ یہ ٹیکس اپنے پاس رکھیں۔عیسائیوں نے یہ دیکھ کر بے اختیار مسلمانوں کو دعا دی اور کہا ''خدا کرے تم رومیوں پر فتح پاؤ اور پھر اس ملک کے حاکم بنو'' چنانچہ جب مسلمانوں نے دوبارہ فتح حاصل کی تو علاقہ کی عیسائی آبادی نے بڑی خوشی منائی اور واپس شدہ ٹیکس پھر مسلمانوں کو ادا کئے۔'' (کتاب الخراج صفحہ ۸۰، ۸۱، ۸۲) یہ اسی قسم کے حسن سلوک کا نتیجہ تھا کہ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی شام میں تشریف لے گئے تو وہاں کے عیسائی لوگ گاتے اور بجاتے ہوئے ان کے استقبال کے لئے نکلے اور ان پر تلواروں کا سایہ کیا اور پھولوں کی بارش برسائی۔'' (فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۴۶)

(بحوالہ سیرت خاتم النبیین ﷺ صفحہ ۶۵۱ تا ۶۵۵ مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے شائع شدہ نظارت نشر و اشاعت قادیان ۲۰۰۱ء)

اسی پر بس نہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلم رعایا نادار اور غریب ذمیوں کی امداد کا بھی انتظام تھا۔''چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو اسے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ اس نے کہا۔بوڑھا ہو گیا ہوں۔اور نظر کمزور ہے۔کام ہو نہیں سکتا اور جزیہ کی رقم بھی ابھی مجھ پر لگی ہوئی ہے۔یہ سن کر حضرت عمرؓ بے چین ہو گئے۔فوراً اسے اپنے ساتھ لیا اور اپنے گھر لا کر مناسب امداد دی اور پھر بیت المال کے افسر کو بلا کر کہا کہ یہ کیا بے انصافی

ہے کہ ایسے لوگوں پر جزیہ لگایا جاتا ہے! ہمیں تو حکم ہے کہ غرباء کی امداد کریں نہ کہ الٹا ان پر ٹیکس لگائیں۔ اس کے بعد ایک عام حکم جاری فرمایا کہ ایسے لوگوں پر جزیہ نہ لگایا جاوے بلکہ اس قسم کے لوگوں کو بیت المال سے وظیفہ دیا جاوے۔'' (کتاب الخراج قاضی ابو یوسف فصل فی من تجب علیہ الجزیۃ صفحہ ۷۴ بحوالہ سیرت خاتم النبیین ﷺ صفحہ ۶۵۶)

الغرض ذمیّ اسے کہا جاتا ہے جو اسلامی مملکت میں اپنے دین پر رہنا چاہے اور اپنی ہر طرح کی امان کے لئے جزیہ ادا کرے۔ ایسے شخص پر اسلامی قانون تو نافذ نہ ہونگے البتہ جزیہ کے بدلہ میں ایک معاہدہ کے تحت اپنے آپ کو اس مملکت کا ایک شہری ہونا تسلیم کرے گا۔ اور ملکی قوانین کی پابندی اس پر لازم ہوگی۔ اور جب تک وہ جزیہ ادا کرتا رہے اور مسلمانوں کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کی پاسداری کرے گا اس وقت تک اس کو امن امان سے اس ملک میں رکھنے کی ذمہ داری مسلمانوں کی ہوگی۔ اور مذہبی معاملہ میں اس پر کوئی جبر نہیں ہوگا۔

فی زمانہ اگر دیکھا جائے تو اس وقت دنیا میں کوئی ایک بھی اسلامی مملکت ایسی نہیں جہاں غیر مسلموں سے جزیہ لیا جاتا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی زمانہ ہر ملک میں ایک جمہوری نظام قائم ہے کہیں اس کی کوئی صورت ہے اور کہیں اس کی کوئی اور صورت لیکن ہے جمہوری نظام۔ خواہ پاکستان ہو یا بنگلہ دیش، سعودی عرب ہو یا یمن، ایران ہو یا عراق کسی ایک ملک میں بھی اس وقت جزیہ کا اصول قائم نہیں جبکہ ان ممالک میں ہندو، عیسائی، یہودی، مشرک، ناستک ہر طرح کے لوگ آباد ہیں۔ اس اعتبار سے تو کسی غیر مسلم سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا اور نہ ہی کسی کو آج کے زمانہ میں ذمّی کہا جاتا ہے۔ جمہوری نظام میں ہر کسی کو مذہبی آزادی حاصل ہے اور ہر شخص اپنے ملکی قوانین کا پابند ہے۔ اس لحاظ سے فی زمانی ذمّی کی بحث بے مقصد معلوم ہوتی ہے۔ جبکہ امام ابن تیمیہؒ نے شاتم رسول کی سزا کے عنوان کو کتاب کے ۶۰ فی صد حصہ میں ذمّی کے بارے

میں ہی بیان کیا ہے۔تاہم اس کے تعلق سے بھی قرآن وحدیث سے جو دلائل آپؒ نے پیش فرمائے ہیں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا واقعی کسی ذمّی کو صرف گالی دینے کی بناء پر ہی قتل کیا جا سکتا ہے؟ قرآن کریم اس سلسلہ میں کیا تعلیم پیش کرتا ہے۔اور آئمہ کا اس سلسلہ میں کیا کہنا ہے۔؟

کیا ذمّی شاتم رسول واجب القتل ہے؟

امام ابن تیمیہؒ نے ذمّی کے بارے میں جو گالی دیکر نقص عہد کرتا ہے اس کے دلائل جو قرآن کریم سے پیش کئے ہیں اس کی پہلی دلیل کے طور پر قرآن کریم کی جو سب سے پہلے آیت پیش کی وہ یہ ہے۔

پہلی دلیل:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ٥ (التوبۃ آیت ۲۹)

یعنی: جولوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ یوم آخرت پر اور نہ اسے جسے اللہ اور رسول نے حرام قرار دیا ہے حرام قرار دیتے ہیں اور نہ سچے دین کو اختیار کرتے ہیں۔یعنی وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے ان سے جنگ کرو جب تک کہ وہ اپنی مرضی سے جزیہ ادا نہ کریں اور وہ تمہارے ماتحت نہ آجائیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ

''اس آیت کریمہ میں ہمیں اہل کتاب سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں۔ان کے قتل سے اس وقت تک رکنا جائز نہیں جب تک وہ ذلیل ورسوا ہو کر جزیہ ادا نہ کریں۔''

نیز لکھا ہے

''جب ان سے لڑنا ہم پر واجب ہے تاوقتیکہ وہ ذلیل ہوں اور وہ ذلیل نہیں ہیں تو ہم ان

سے لڑنے کے لئے مامور ہیں، اور جن کفار سے بھی ہمیں لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جب ہم ان پر قابو پالیں تو انہیں قتل کر دیں گے، نیز یہ کہ جب ہم ان کے خلاف لڑنے کے لئے اس حد تک مامور ہیں تو اس سے کم درجے کا کوئی معاہدہ ہم ان سے نہیں کریں گے اور اگر کریں گے تو یہ معاہدہ فاسد ہوگا اور وہ بدستور مباح الدم والمال رہیں گے۔''

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۵۰، ۵۱)

اسی طرح پیر زادہ شفیق الرحمٰن شاہ صاحب الدّراوی نے بھی اس آیت کو پیش کر کے امام ابن تیمیہؒ کی کتاب سے ہی درجہ بالا حوالہ پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ حوالہ بھی پیش کرتے ہیں کہ

''اگر (کوئی ذمّی) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں ایسے الفاظ کہے جو سابقہ کفریہ عقیدہ و کلام کے علاوہ ہیں، تو معاہدہ ذمّیت ٹوٹ جائے گا۔

امام شافعیؒ کے اکثر شاگردوں کا یہ خیال ہے کہ اگر معاہدہ میں اس کی شرط لگائی گئی ہو تو معاہدہ ٹوٹ جائے گا، کیونکہ یہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگی، ورنہ نہیں ٹوٹے گا''

(شاتم رسول کی شرعی سزا صفحہ ۱۸۰)

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس آیت کے بارے میں تفصیل جزیہ اور ذمّی کی بحث میں گزر چکی ہے اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں بس اس قدر بیان کرنا ہی کافی ہے کہ کسی کو اس آیت سے یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اسلام ہر اہل کتاب سے ہر وقت اور ہر جگہ بنا کسی وجہ کے جنگ کا حکم دیتا ہے۔ جنگ کس صورت میں جائز ہوگی اس کا ذکر قرآن کریم کی دوسری آیات میں موجود ہے۔ ہاں جب جنگ جاری ہوگئی تو اس وقت اہل کتاب سے اس وقت تک لڑنے کا حکم ہے کہ یا تو وہ اسلام لے آئیں یا پھر وہ اپنی امان کی خاطر جزیہ دینے پر رضامند ہو

جائیں۔اور مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کرلیں۔ وہ لوگ جو جزیہ پر راضی ہو جاتے ہیں وہ ذمّی کہلاتے ہیں۔ذمّی کے لئے مسلمانوں کا یہ حق ہے کہ وہ اس کو پوری طرح سے امان دیں گے۔ اور ذمّی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان کی پابندی کرے گا۔اگر کوئی ذمّی مسلمانوں کے ساتھ کئے گئے اپنے عہد کو توڑتا ہے مثلاً کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے یا مسلمانوں میں فتنہ انگیزی کرتا ہے یا رسول کریم ﷺ یا امہات المؤمنین کے بارے میں گستاخی کرتا ہے یا گالی دیتا ہے تو اسے اس جگہ پر کھڑا سمجھا جائے گا جس پوزیشن میں وہ جزیہ دینے کے معاہدہ سے پہلے کھڑا تھا۔اسے ان لوگوں میں شامل سمجھا جائے گا جن سے جنگ کی جاسکتی ہے۔لیکن اگر وہ شخص جس نے عہد توڑا ہے اپنے اس فعل سے توبہ کرلے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ یہ بھی دیکھنے والی بات ہے۔امام ابن تیمیہؒ نے اس سلسلہ میں ایک عنوان باندھا ہے کہ

"ذمّی اگر رسول کریم ﷺ کو گالی دے کر توبہ کرلے تو اُس کا شرعی حکم کیا ہے؟

مسئلہ زیر قلم میں ہم نے تین اقوال ذکر کئے ہیں۔

قول اول:۔ اسے ہر حال میں قتل کیا جائے، امام احمدؒ کا مشہور مذہب یہی ہے، امام مالکؒ کا مذہب بھی یہی ہے، الاّ یہ کہ پکڑے جانے کے بعد وہ توبہ کرلے، امام شافعیؒ کے اصحاب کا بھی ایک قول یہی ہے۔

قول دوم:۔ اسے قتل کیا جائے، الاّ یہ کہ اسلام لا کر توبہ کرلے، امام مالک اور احمدؒ کی بھی رویت یہی ہے۔

قول سوم:۔ اسے قتل کیا جائے بجز اس صورت کے جبکہ وہ اسلام لا کر توبہ کرلے یا حسب سابق ذمی بن جائے، امام شافعیؒ کے کلام کا عموم بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔الاّ یہ کہ اس کی

تاویل کی جائے ، بنا بریں اگر دوبارہ ذمیّ بن جائے تو اسے سزا دی جائے گی ،مگر قتل نہیں کیا جائے گا۔

جن لوگوں کا مؤقف یہ ہے کہ اسلام لانے سے اس سے قتل ساقط ہو جاتا ہے وہ اس قسم کے دلائل پیش کرتے ہیں جو ہم نے مسلم کے بارے میں پیش کئے ہیں۔ ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر اگر اسلام لائے تو گالی کی سزا اس سے ساقط ہو جائے گی۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ صحابہؓ نے ذکر کیا ہے کہ جب بھی وہ ایسا کرے گا تو وہ عہد شکنی کرنے والا محارب ہو گا اور ظاہر ہے کہ جو شخص جنگ کرے اور عہد توڑے پھر مسلمان ہو جائے تو اس کا خون اور مال محفوظ ہو جاتا ہے، بکثرت مشرکین ایسے تھے جو مختلف طریقوں سے رسول کریم ﷺ کی ہجو کیا کرتے تھے، پھر اسلام لا کر اپنا خون اور مال بچا لیا کرتے تھے، مثلاً ابن الزبعریٰ، کعب بن زبیر، ابوسفیان بن حارث وغیرہم، اگرچہ یہ لوگ محارب تھے مگر معاہد نہ تھے، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حقوق العباد، جن کو کافر حلال سمجھ کر انجام دیتا ہے، جب وہ اسلام لے آئے تو حقوق اللہ کی طرح اس سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

اسی لئے تمام مسلمان کتاب وسنت کے پیش نظر اس امر پر متفق چلے آتے ہیں کہ حربی کافر جب مسلمان ہو جائے تو ماضی میں مسلمانوں کا خون بہانے، ان کا مال لینے اور ان کی عزت کو بٹہ لگانے کی وجہ سے اس پر گرفت نہیں کی جائے گی، اور ذمی جب رسول کریم ﷺ کو گالی دیتا ہے تو وہ اسے حلال سمجھتا ہے اور ذمّی ہونے سے اس پر لازم نہیں کہ وہ اسے حرام تصور کرے، چنانچہ جب وہ اسلام لائے گا تو اس کی وجہ سے اسے پکڑا نہیں جائے گا، بخلاف ازیں مسلمانوں کی جو خونریزی وہ کرتا ہے یا ان کا مال لیتا ہے یا ان کو بے آبرو کرتا ہے، عقد ذمّہ ان سب کو اس پر حرام ٹھہراتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح ذمی کا خون و مال اور آبرو مسلمان پر

حرام ہو جاتے ہیں، اگرچہ وہ ہم پر واجب ٹھہرتا ہے کہ ہم ان کے مذہب کو گالی نہ دیں اور نہ ان پر طعن کریں۔''

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۴۳۰ و ۴۳۱)

اسی طرح لکھا ہے کہ

''مزید برآں گالی دینے کی صورت میں ذمّی کو یا تو اس کے کفر اور جنگ آزمائی کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے، جس طرح گالی دینے والے حربی کو قتل کیا جاتا ہے، یا اس کو حد لگانے کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے، مثلاً یہ کہ وہ ذمّی عورت کے ساتھ زنا کرے یا کسی ذمّی پر ڈاکہ ڈالے، ظاہر ہے کہ دوسری صورت باطل ہے، پس پہلی صورت متعین ہوئی اور وہ اس لئے کہ گالی اس حیثیت سے گالی ہے، بے آبروئی کے سوا کچھ نہیں اور اتنے سے جرم کی سزا صرف کوڑے مارنا ہے، بلکہ یوں کہنا اقرب الی القیاس ہے کہ اس کی وجہ سے ذمّی پر کوئی بھی سزا عائد نہیں ہوتی، اس لئے کہ وہ اسے حلال سمجھتا ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ہم نے اس سے صلح کی ہے کہ وہ ان باتوں سے باز رہے گا، لہذا جب وہ علانیہ گالی دیگا تو اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور وہ حربی بن جائے گا''

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۴۳۱ و ۴۳۲)

ان حوالوں کو دیکھنے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ذمیّ اگر گالی دیتا ہے تو اس سے اس کا وہ عہد ٹوٹ جاتا ہے جو اس نے مغلوب ہونے کی صورت میں مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔ اس صورت میں وہ ان لوگوں میں شمار ہو گا جو مسلمانوں کے ساتھ بحیثیت کفر کے جنگ پر آمادہ ہوتے ہیں۔ ہاں جنگ کی صورت میں وہ حربی ہونے کی صورت میں قتل کیا جائے گا صرف گالی دینے کی وجہ سے اس کا قتل واجب نہیں ٹھہرتا۔ یا پھر ذمّی کو اس پر اگر کوئی حد واقع ہو جائے تو قتل کیا جائے گا۔ جس آیت کے تحت یہ ساری بحث کی جارہی ہے اس پر پھر سے غور کریں اللہ فرماتا

ہے ’’جو لوگ اہل کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر، اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ تمہارے ماتحت ہو کر تمہیں جزیہ دیں‘‘

تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اوّل ایک کافر جب جنگ کرنے پر مغلوب ہو جاتا ہے ہو مسلمانوں کے تحت آ کر جزیہ دینے کے عہد کے ساتھ ذمّی ہونا قبول کر لیتا ہے اور وہ اس مملکت کے احکامات کا پابند ہو جاتا ہے جو اس میں جاری ہوتے ہیں اور مسلمانوں اور ملک کے خلاف وہ کسی قسم کو فتنہ و فساد نہیں کرے گا۔ لیکن اگر وہ ان احکامات کی پابندی سے باہر جاتا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فتنہ و فساد کی باتیں کرتا ہے دین کو اور رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے تو گویا وہ اپنا ذمّی ہونے کا عہد توڑ کر اس سے باہر جاتا ہے ایسی صورت میں اسے حربی کافر مانا جائے گا گویا کہ وہ اب مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہے ایسا حربی جب جنگ کرنے کے لئے میدان میں اترے گا تو لازماً قتل ہو گا۔ یا پھر اس کی دوسری صورت جو اوپر بیان کی گئی ہے یہ ہے کہ وہ اپنے اس فعل سے توبہ کرتے ہوئے پھر سے اپنا ذمّی ہونا تسلیم کرتے ہوئے تابعداری اختیار کر لے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا یا پھر وہ اسلام قبول کر لے تو امن میں آ جائے۔

دوسری دلیل:

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُولِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ج فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ o كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ط يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ج وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ o (التوبہ آیت ۷و۸)

یعنی ۔اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے کس طرح عہد و پیمان کر سکتے ہیں سوائے ان (مشرکوں کے) جن کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا تھا پس جب تک وہ (تمہارے مقابلہ پر) اپنے عہد پر قائم رہیں، تم بھی ان کے ساتھ معاہدہ پر قائم رہو۔اللہ (عہد توڑنے سے) بچنے والوں کو ہی پسند کرتا ہے ۔(ہاں اس قسم کے مشرکوں کو کوئی رعایت) کس طرح (دی جا سکتی ہے) کیونکہ وہ اگر تم پر غالب آجائیں تو تمہاری کسی رشتہ داری یا معاہدہ کی پرواہ نہیں کریں گے وہ تم کو اپنے منہ (کی باتوں) سے خوش رکھتے ہیں حالانکہ ان کے دل (ان باتوں سے) انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر عہد و پیمان کو توڑنے والے ہوتے ہیں۔

فتح مکہ کے بعد مکہ والے یہ مشہور کرتے تھے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر سب کفار کو معافی مل گئی ہے ۔اور ان سے معاہدہ ہو گیا ہے ۔قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے جب تک وہ خود نیچے ہو کر معاہدہ کی درخواست نہ کریں ان سے کس طرح عہد ہو سکتا ہے ۔دوسری بات جو عہد کی گئی ہے اس سے مراد ان مشرکوں سے عہد قائم ہے جنہوں نے صرف فتح مکہ کو معاہدہ قرار نہیں دیا بلکہ درخواست کر کے اپنے لئے امن کا اعلان کروایا تھا۔

ان آیات میں قرآن کریم نے مشرکوں کے ساتھ معاہدات کرنے کا ایک اصول بیان کیا ہے اور یہ تعلیم دی ہے کہ مشرکوں کے ساتھ ہمارے عہد و پیمان اس وقت تک قائم رہیں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان کو پورا کرتے رہیں گے لیکن اگر انہوں نے اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیا تو ہماری طرف سے کئے گئے عہد و پیمان بھی ختم ہو جائیں گے ۔جنگ کی صورت میں جب دشمن اپنی شکست کو تسلیم کر لے اور خود معاہدہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تو ہی ان سے معاہدہ کیا جاتا ہے اور اگر دشمن اس بات پر امادہ نہ ہو تو ایسی صورت میں جنگ جاری رہتی ہے کسی دشمن کا صرف شکست تسلیم کر لینا معاہدہ کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔دشمن کو یا تو اسلام قبول

کر کے امن حاصل کرنا ہوگا یا اگر وہ اپنے مذہب پر رہتے ہوئے مسلمانوں کی طرف سے فتح کئے گئے ملک میں رہنا چاہتے ہیں تو انہیں جزیہ کی شرط پر معاہدہ کر کے ذمّی کی حیثیت سے اس ملک میں رہنا ہوگا۔ ان آیات میں اسی بات کو بیان کیا گیا ہے اور یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ہم معاہدہ نہیں توڑیں گے لیکن اگر مخالف معاہدہ توڑتا ہے تو ہماری طرف سے بھی معاہدہ ختم ہو جائے گا اس طرح معاہدہ توڑنے والے حربی کہلائیں گے۔

اسلام نے ہمیشہ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا ہے دیگر مذاہب کو دیکھا جائے تو دشمنوں پر غلبہ کے بعد مفتوح قوموں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جاتی اور نہ ہی انہیں سوچنے اور سمجھنے اور فیصلہ لینے کا موقعہ دیا جاتا ہے بلکہ اپنے فیصلے صادر کئے جاتے ہیں۔ اوپر بیان کردہ آیت میں خدا تعالیٰ نے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ ان مشرکوں کو کوئی رعایت کس طرح سے دی جا سکتی ہے کیونکہ اگر یہ تم پر غالب آ جائیں تو یہ تمہاری کسی رشتہ داری یا تمہارے کسی معاہدہ کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے۔ امام ابن تیمیہ بھی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں

''ان آیات میں فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے جن لوگوں سے عہد کیا ہے ان میں سے کسی کا عہد بھی درست نہیں، البتہ اس قوم کا عہد درست ہے جو اپنے عہد پر قائم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرک کے ساتھ عہد اسی وقت تک قائم رہتا ہے جب تک وہ اپنے معاہدہ پر قائم رہے۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جو شخص برملا ہمارے رب اور رسول کو گالیاں دیتا اور دین اسلام کی تنقیص کرتا ہو وہ اپنے معاہدے پر قائم نہیں ہے''

''مطلب یہ کہ ان کے ساتھ معاہدہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ صورت حال یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پا لیں تو نہ قرابت داری کا لحاظ کریں گے اور نہ اس عہد کا جو تمہارے اور ان کے درمیان ہے؟ پس معلوہوا کہ جس کا یہ حال ہو اور جو علانیہ ہمارے دین کو ہدف طعن بناتا ہو تو یہ اس امر کی

دلیل ہے کہ وہ کسی چیز کی پرواہ نہ کرے گا، خواہ وہ قرابت داری ہو یا پاس عہد۔ جب عہد نامہ کی موجودگی میں ذلت کے باوجود یہ کام کرسکتا ہے تو غلبہ اور قدرت کی صورت میں وہ کیا کچھ نہ کر گزرے گا! برخلاف اس شخص کے جس نے ہمارے ساتھ ایسی گفتگو نہیں کی، عین ممکن ہے کہ وہ اپنے عہد کو غلبے کی صورت میں بھی پورا کرے، اگرچہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے جو مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کر کے اپنے علاقہ میں مقیم ہوں تاہم یہ ان اہل ذمہ پر بھی بطریق اولیٰ صادق آتی ہے جو ہمارے ساتھ دارالسلام میں رہتے ہوں۔''

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۵۲ و ۵۳)

اسلام چونکہ سلامتی کا مذہب ہے اور یہ دنیا میں فساد نہیں چاہتا مشرکین کی ایسی سوچ کے باوجود انہیں سوچنے سمجھنے اور اپنی ذات پر فیصلہ کرنے کی مہلت دیتا ہے کہ وہ غور کر لیں کہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کوئی معاہدہ کرنا ہے یا ہجرت کرنی ہے یا پھر غور و فکر کے بعد اسلام قبول کرنا ہے۔ اس تعلق سے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝ (التوبۃ آیت ۲)

یعنی۔ چنانچہ ملک عرب میں چار مہینے پھر کر دیکھ لو اور جان لو کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور یہ (بھی جان لو) کہ اللہ کفار کو رسوا کر کے چھوڑے گا۔

اس آیت کی تشریح میں حضرت مرزا بشیر الدین رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

''اس آیت میں جن لوگوں کو چار ماہ کی مہلت دی گئی ہے اس سے مراد مشرکین ہیں جنہوں نے مسلمانوں سے کوئی معاہدہ نہیں کیا تھا۔ اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف عملاً جنگ جاری رکھی تھی اور جو لوگ ایسے ہوں ان کا کوئی حق نہیں تھا کہ وہ عرب میں رہتے کیونکہ وہ لڑائی کرنے

والے تھے اور لڑائی کرنے والوں کو دنیا کی کوئی حکومت اپنے ملک میں نہیں رہنے دیتی۔ یہاں کسی شخص کو شبہ ہو سکتا ہے کہ مکہ والوں کو چار مہینے کے بعد نکلنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا حکم قرآن میں کہیں نہیں بلکہ چار مہینے کی اجازت کا ذکر ہے کہ چار مہینے تک پھر کر دیکھ لو کہ عرب پر اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے اور تمہارے جو اعتراضات تھے وہ غلط ثابت ہو گئے ہیں۔ باقی رہا یہ کہ اس کے بعد کیا ہوگا اس کا قرآن کریم میں کوئی ذکر نہیں۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر فرض کیا جائے کہ ان کے نکالنے کا حکم تھا تب بھی جن لوگوں کو نکالنے کا حکم تھا یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کو مکہ سے نکالا تھا حالانکہ وہ بھی مکہ کے شہری تھے پس یہ حکم کوئی ظلم نہیں بلکہ جو کچھ انہوں نے کیا ویسا ہی ان کے ساتھ معاملہ کیا گیا۔

پھر یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ ان مشرکوں کی اولاد کو خود رسول کریم ﷺ نے مکہ میں رہنے کی اجازت دی تھی۔ چنانچہ ابوجہل جو سب سے بڑا مشرک اور دشمن اسلام تھا فتح مکہ کے موقعہ پر اس کے بیٹے عکرمہ نے بھاگ کر ایبے سینا جانے کا ارادہ کیا تو اس کی بیوی رسول کریم ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا یا رسول اللہ آپ کے بھائی یعنی قومی بھائی آپ کے ملک میں رہے تو اچھا ہے یا عیسائیوں کے ملک میں چلا جائے تو اچھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو اسے کوئی نہیں نکالا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ وہ ڈر کے مارے چلا گیا ہے کیا میں اسے واپس لے آؤں؟ آپ نے فرمایا لے آؤ۔ پھر اس نے کہا یا رسول اللہ! وہ بڑا باغیرت آدمی ہے وہ اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ جب تک اس کی سمجھ میں نہ آئے وہ زبردستی اسلام قبول کرے۔ کیا وہ مشرک ہوتے ہوئے بھی آپ کی حکومت کے نیچے رہ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ رہ سکتا ہے۔ تب وہ گئی اور عکرمہ کو سمجھا کر لے آئی پہلے تو اس نے اعتبار نہ کیا مگر پھر بیوی کے اصرار پر

آ گیا۔ جب وہ آیا تو اس کی بیوی اسے رسول کریم ﷺ کے پاس لے گئی۔ اس نے کہا یا رسول اللہ میری بیوی کہتی ہے کہ آپ نے مجھے مکہ میں رہنے کی اجازت دی ہے کیا یہ ٹھیک ہے؟ آپ نے فرمایا ٹھک ہے۔ پھر اس نے کہا یا رسول اللہ جب تک اسلام میری سمجھ میں نہیں آتا میں اسلام قبول نہیں کرونگا، کیا غیر مسلم اور مشرک ہونے کی حیثیت میں بھی مجھے مکہ میں رہنے کی اجازت ہوگی؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس پر وہ بے اختیار بولا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ آپ نے فرمایا یہ کیا؟ تم تو ابھی کہہ رہے تھے کہ اسلام ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ آپ نے جو اپنے ابتدائی اور سب سے بڑے دشمن اسلام کے بیٹے سے یہ سلوک کیا ہے کہ وہ مشرک رہتے ہوئے بھی مکہ میں رہ سکتا ہے یہ سوائے خدا کے رسول کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ پس آپ کے اس فیصلہ سے میرا دل صاف ہو گیا ہے اور میں نے سمجھ لیا ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ رسول کریم ﷺ بھی یہی سمجھتے تھے کہ اس صورت کا یہ مطلب نہیں کہ مشرکین کو عرب سے نکال دیا جائے، بلکہ صرف شریر کفار کو نکالنے کا حکم ہے جو کفار اس بات پر آمادہ ہوں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ محبت سے رہیں گے تو ان کو نکالنے کا کہیں حکم نہیں۔ اوّل قرآن کے الفاظ اور دوم رسول کریم ﷺ کا عمل ثابت کرتا ہے کہ اس سورۃ میں کفار کو جبری نکالنے کا کوئی حکم نہیں، بلکہ زیادہ سے زیادہ ایسے لوگوں کو نکالنے کا حکم ہے جو شریر ہوں اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں جاری رکھنے والے ہوں۔ اور ایسے لوگوں کو دنیا کی ہر حکومت نکالتی ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی حرج نہیں سمجھتی۔ یہ فعل ان کا اپنا ہوتا ہے اور ہر شخص اپنے فعل کا آپ ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔''

(تفسیر صغیر تشریح آیت نمبر ۲ سورۃ التوبہ صفحہ ۲۳۱ و ۲۳۲)

الغرض اسلام کسی پر جبر کی تعلیم نہیں دیتا، ہاں مخالف کی طرف سے جنگ تھوپی جانے کی صورت میں دفاع کی اجازت دیتا ہے اور فتح کی صورت میں بھی کسی پر اسلام قبول کرنے کے لئے جبر نہیں کرتا۔ مفتوح قوم خواہ وہ کسی بھی دین سے تعلق رکھتی ہو معاہدہ کی شرط پر اسلامی مملکت میں رہ سکتی ہے لیکن اس کے لئے شرط یہی ہے کہ وہ اپنے معاہدہ کی پاسداری کرے گی، اگر وہ معاہدہ کو توڑتی ہے تو ان کی حیثیت حربی کی ہوگی۔ ان آیات میں کسی کے گالی دینے پر اسے قتل کئے جانے کا کوئی حکم نہیں البتہ معاہدہ توڑنے کی صورت میں وہ لوگ قابل مؤاخذہ ہونگے اور حربی کہلائیں گے۔

تیسری دلیل:

امام ابن تیمیہؒ نے جو آیت تیسری دلیل کے طور پر پیش کی وہ یہ ہے۔

وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡـنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّةَ الۡـكُفۡرِ (التوبہ آیت ۱۲)

یعنی۔ اور اگر (یہ لوگ) اپنے عہد و پیمان کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعن کریں، تو (ایسے) سرداران کفر سے لڑائی کرو۔

اس آیت کے آگے کے الفاظ یہ ہیں

اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ

یعنی، تا کہ وہ شرارتوں سے باز آجائیں کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے اس آیت کے اوّل حصہ کو پیش کر کے وہاں سے دین پر طعن کرنے کی بات کو لیکر یہ دلیل پکڑی ہے کہ جو طعن فی الدین کرتا ہے اس کے نتیجہ میں اس کی طرف سے کیا ہوا عہد ٹوٹ جاتا ہے ایسا اگر ذمّی کرتا ہے تو اسے اس جرم میں قتل کیا جائے گا۔

بات یہ ہے کہ اس میں کسی کے قتل کرنے یا نہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ بات یہ ہو رہی ہے کہ ایسے لوگ جن کے ساتھ عہد و پیمان ہو چکے ہیں ان میں سے اگر کوئی اپنے عہد کو توڑتے ہیں اور دین کے بارے میں بھی طعن کرتے ہیں یعنی تحقیر سے پیش آتے ہیں اور غصہ دلانے والی باتیں کرتے ہیں تو ایسے لوگوں سے جنگ کروں۔ جنگ کسی ایک شخص سے نہیں کی جاتی بلکہ پوری قوم سے کی جاتی ہے یہاں کسی ایک آدمی کا ذکر ہی نہیں ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے، بلکہ فرمایا کہ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ یعنی سرداران سے جنگ کرو اور جب سرداران سے جنگ ہو گی تو اس کی قوم پیچھے نہیں رہتی ہے۔ پھر یہ کہ ان سے جنگ کیوں کرنی ہے فرمایا ’’تا کہ وہ شرارتوں سے باز آجائیں کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے‘‘ تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنگ اگر کرنی ہی پڑتی ہے تو وہ بھی صرف اس لئے تا کہ وہ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں۔ اور طعن فی الدین کرنا چھوڑ دیں۔ یہ کہیں نہیں فرمایا کہ طعن فی الدین کرنے والے کو فوری قتل کر دو۔ جنگ کرنے کی بھی دو وجوہات ہیں ایک تو طعن فی الدین ہے جس سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے سے فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو اور دوسرا سب سے بڑا جرم نقص عہد ہے۔

اسی آیت کے ضمن میں پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ الدّراوی، امام ابن تیمیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

’’(کوئی) ایک ذمّی اللہ یا رسول اللہ ﷺ کو گالی دے، یا اعلانیہ اسلام میں عیب نکالے، تو اس نے طعن فی الدین کا ارتکاب کر کے اپنی قسم کو توڑ دیا ہے، اس لئے بلا خوف و نزاع اسے سزا دی جائے گی، اور اس کی تادیب کی جائے گی۔ (الصارم المسلول ۱۳۵ (اردو ترجمہ صفحہ ۵۶) بحوالہ شاتم رسول کی شرعی سزا صفحہ ۱۸۱)

سزا دینااور تأدیب کرناایک الگ بات ہے اور سیدھا سیدھا قتل کرنے کی بات کرنا یہ اور بات ہے۔ قرآن کریم کی یہ آیت کسی گالی دینے والے کو قتل کرنے کا کوئی حکم نہیں دیتی۔ اس آیت میں ایک بات تو طعن فی الدین کی بیان کی گئی ہے اور دوسری بات نقض عہد ہے اور یہی وہ بڑا جرم ہے جسے بیان کر کے آئمہ کفر سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اسی وجہ خاص کو اس آیت میں دوبارہ سے بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں کی قسموں کا کوئی اعتبار رہی نہیں ہے۔ تو گالی سے بڑا جرم نقض عہد بنتا ہے خواہ وہ کسی وجہ سے بھی ہو۔ اسی بات کا اظہار امام ابن تیمیہؒ نے بھی اس طرح کیا ہے کہ۔

''تیسری وجہ یہ ہے کہ طعن فی الدین کی وجہ سے اللہ نے ان کو''أئمۃ الکفر'' کہا ہے اور ضمیر کی جگہ اسم ظاہر استعمال کیا ہے۔ ''أئمۃ الکفر'' سے یا تو وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنا عہد توڑا یا دین اسلام کو ہدف طعن بنایا ان میں سے بعض مراد ہیں، مگر ان میں سے بعض مراد لینا اس لئے درست نہیں کہ وہ فعل جنگ کا موجب ہوا ہے وہ سب سے صادر ہوا ہے، لہذا بعض کو سزا کے لئے مخصوص کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ علّت کا سب میں پایا جانا ضروری ہے، الّا یہ کہ کوئی مانع موجود ہو مگر یہاں کوئی مانع نہیں ہے۔

اللہ نے دوسری علّت یہ بتائی ہے کہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، اور یہ علّت سب عہد توڑنے والوں اور طعن فی الدین کا ارتکاب کرنے والوں میں پائی جاتی ہے، نیز یہ کہ ''نکث''(عہد شکنی) اور طعن فی الدین ایک وصف مشتق ہے جو وجوبِ قتال کا مناسب ہے اور یہاں جزا کو شرط پر حرف الفاء کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ یہ اس بات پر نص ہے کہ یہ فعل سزا کا موجب ہے، پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد وہ سب لوگ ہیں اس لئے وہ سب لوگ ''أئمۃ الکفر'' ہیں'' (الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۵۷)

ایک معترض کے دل میں پیدا ہونے والے ایک سوال کے تعلق سے آپؒ فرماتے ہیں

''اگر معترض کہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص عہد شکنی اور طعن فی الدین دونوں کا مرتکب ہو تو اس سے لڑنا واجب ہے مگر جو شخص صرف طعن فی الدین کا ارتکاب کرے آیت اس کے بارے میں خاموش ہے۔ آیت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ محض طعن فی الدین کرنے والے کے خلاف جنگ واجب نہیں، اس لئے کہ جو حکم دو صفات کے ساتھ معلّق ہو ایک صفت کی موجودگی میں اس حکم کا وجود واجب نہیں۔''

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۵۴ و ۵۵)

دیکھا جائے تو معترض کا ایسا کہنا درست دکھائی دیتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صرف طعن فی الدین کرنے پر کوئی سزا مقرر نہیں کی اس کے ساتھ نقص عہد کو جوڑ کر بیان فرمایا ہے۔ اسی لئے مذکورہ آیت میں نقص عہد کی بات کو دوبارہ سے بیان کیا گیا ہے۔ پھر بات کو اسی جگہ ختم نہیں کیا گیا بلکہ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَا تُقَاتِلُوْا قَوْماً نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (سورۃ التوبۃ آیت ۱۳ و ۱۴)

یعنی۔ (اے مومنو!) کیا تم اس قوم سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو (اس کے گھر سے) نکالنے کا فیصلہ کر لیا اور تم سے (جنگ چھیڑنے میں) انہوں نے ہی ابتداء کی کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ (اگر ایسا ہے تو) اگر تم مومن ہو تو سمجھ لو کہ اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ ان سے لڑو۔ اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دلوائے گا اور

ان کو رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر غلبہ دیگا اور اس (ذریعہ) سے مومن قوم کے دلوں کو (صدمہ اور خوف سے) نجات دیگا۔

انہیں آیات کو علامہ پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ الدّراوی نے بھی اپنی کتاب ''شاتم رسول ﷺ کی شرعی سزا'' میں پیش کر کے اسی نظریہ کو ظاہر کیا ہے جس نظریہ کو امام ابن تیمیہؒ پیش فرما رہے ہیں۔لیکن یہ آیات ساری بات کو کھول کر بیان کرتی ہیں کہ جنگ کی وجوہات کیا ہیں۔اور سب سے پہلی بات ہی یہ بیان کی گئی ہے جیسا کہ پہلی آیت میں بھی بیان کی گئی تھی کہ انہوں نے اپنے عہدو پیمان کو توڑا ہے نقص عہد کیا ہے، اپنی قسموں کو توڑا ہے پھر طعن فی الدین بھی کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ کیا جنہوں نے اپنی قسمیں توڑی ہیں اور رسول کریم ﷺ کو ان کے گھر سے نکال دینے کا ارادہ کیا ہے کیا ایسے لوگوں سے تم جنگ نہیں کرو گے؟ تو جنگ کا جو حکم دیا گیا ہے اس کی وجہ صرف طعن فی الدین نہیں بلکہ نقص عہد اور قسموں کو توڑنا مسلمانوں کے خلاف جنگ شروع کرنا اور رسول کو اس کے گھر سے نکالنے کا ارادہ کرنا ہے۔ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ جو شخص بھی ایسے جرائم کا مرتکب ہوگا اس کے خلاف جنگ کرنا اور انہیں قتل کرنا بالکل جائز ہوگا۔لیکن صرف طعن فی الدین پر ایسی سزا نہیں دی جاسکتی قرآن کریم صرف اکیلے طعن فی الدین کی کوئی سزا مقرر نہیں کرتا۔طعن فی الدین تو کوئی ایک آدمی یا دو چار کریں گے لیکن یہاں قتال کا حکم پوری قوم کے خلاف دیا جارہا ہے جو اس بات پر بیّن ثبوت ہے کہ ائمۃ الکفر نے طعن فی الدین کے علاوہ دیگر جو کام کئے ہیں ان کی سزا دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر جنگ مسلّط کی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں مومنوں کے ہاتھوں نقص عہد کرنے کے نتیجہ میں ان کو عذاب بھی دے اور رسوا بھی کرے۔

امام ابن تیمیہؒ اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

''مذکورہ صدر آیت کریمہ میں عہد شکنی کرنے والوں اور دین کو ہدفِ طعن بنانے والوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا اور ہمیں یقین دلایا کہ اگر ہم اس طرح کریں کے تو وہ ہمارے ہاتھوں انہیں عذاب دیگا، انہیں رسوا کرے گا، ان کے خلاف ہمیں مدد دیگا اور مومنین کے سینوں کو شفا دے گا جو کفار کے نقص عہد اور طعن کی وجہ سے زخم خردہ ہو چکے ہیں، اس طرح ان کے دل میں جو غصہ ہے وہ دور ہو جائے گا، اس لئے کہ اس کو ہمارے جنگ کرنے پر اس طرح مرتّب کیا ہے جس طرح جزا شرط پر مترتّب ہوتی ہے۔عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم ان سے لڑو گے تو یہ سب کچھ ہو کر رہے گا، پس معلوم ہوا کہ عہد شکنی کرنے والا ان سب باتوں کا مستحق ہوتا ہے، ورنہ کفار کبھی ہم پر غالب ہوتے ہیں اور کبھی ہم ان پر غلبہ حاصل کرتے ہیں اگرچہ انجام کار کامیابی متقی لوگوں کے حصہ میں آتی ہے۔

حدیث میں جو کچھ آیا ہے یہ آیت اس کی تصدیق کرتی ہے۔حدیث میں فرمایا:

''جو قوم بھی عہد شکنی کرتی ہے دشمن اس پر غالب آجاتا ہے'' (سنن ابن ماجہ)''

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۶۰ و ۶۱)

اس جگہ ایک اور بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری خیال کرتا ہوں کہ قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات کی وضاحت کرتے وقت ایک بات بڑی عجیب دکھائی دیتی ہے وہ یہ کہ ایک قوم اپنے ہی دین پر قائم رہتے ہوئے اسلامی حکومت میں عہد و پیمان کر کے بطور ذمیّ رہنا قبول کر لیتی ہے پھر وہ نقص عہد کرتی طعن فی الدین کی بھی مرتکب ہوتی ہے پھر وہ رسولؐ کو بھی ان کے گھر سے نکالنے کا ارادہ کرتی ہے ان سب باتوں کی بنا پر اللہ نے یہ حکم دیا کہ تم ان کے خلاف جنگ کرو۔اور امام ابن تیمیہؒ نے قرآن کریم کی ان آیات کا ترجمہ کرتے وقت فَقَاتِلُوْا کا ترجمہ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ اور قَاتِلُوْهُمْ کا ترجمہ جنگ کرو جنگ کیوں نہیں کرتے ان سے

جنگ کرو ہی کیا ہے، لیکن ایک جگہ ان معانی سے ہٹ کر اس کی تشریح بیان فرماتے ہیں جس کا کہ اس میں ذکر تک موجود نہیں فرماتے ہیں

''جو شخص بھی ہم سے عہد باندھنے کے بعد دین اسلام کو ہدف طعن بناتا ہے اسے اس سے احتراز کرنا چاہئے، لہذا وہ کفر کا امام ہے اور اس کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے اس کو قتل کرنا واجب ہے۔'' (الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۵۹)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن آیات کو استدلال کے طور پر پیش کیا گیا ہے اس میں تو ایسا کوئی حکم دکھائی نہیں دیتا، مذکورہ آیات سے تو یہ امر صاف دکھائی دیتا ہے کہ نقض عہد اور طعن فی الدین کی بنا پر اور رسول ؐ کو گھر سے نکالنے کی پاداشت میں ان سے جنگ کا حکم ہے، ہاں جنگ میں کوئی مارا جائے تو یہ الگ بات ہے کیونکہ جنگ کے نتیجہ میں یا تو نقض عہد کرنے والے توبہ کر کے نئے معاہدہ کے ساتھ مسلمانوں کے زیر ہو جائیں گے یا پھر قتل ہونگے۔لیکن ان آیات کے کسی بھی لفظ سے یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ عہد باندھنے کے بعد طعن کرنے والوں کو قتل کر دیا جائے۔ان آیات میں ایسے لوگوں سے جنگ کا حکم دیا گیا ہے ہاں جنگ کے نتیجہ میں وہ قتل کئے جائیں گے۔

پھر اسی طرح ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ

''ہمارے ہاتھوں عذاب دینے سے مراد قتل ہے، لہذا عہد شکنی کرنے والا اور طعن فی الدین کا ارتکاب کرنے والا قتل کا مستحق ہے، اور ظاہر ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والا اپنے عہد کو توڑ دیتا ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا ہے، اس لئے وہ قتل کئے جانے کا مستحق ہے۔''

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۶۱)

عرض ہے کہ جن آیات سے استنباط کیا جا رہا ہے اس میں تو ایسا کوئی بھی مضمون مذکور نہیں

جہاں تک ہمارے ہاتھوں عذاب دینے کی بات ہے تو وہ دوران جنگ ہے۔ اگر عہد شکنی کرنے والوں سے جنگ ہوتی ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ ایسی صورت میں ہم تمہارے ہاتھوں سے ان کو عذاب دیں گے اس میں ایک تو صورت یہ ہے کہ وہ دوران جنگ قتل ہونگے، یا يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ، وہ جزیہ دیکر محکوم ہو جائیں گے۔ لیکن ان آیات میں ایسی کوئی بھی صورت نہیں بیان کی گئی ہے کہ گالی دینے کے نتیجہ میں چونکہ نقص عہد ہوتا ہے اس لئے ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے۔ میں یہاں اس بحث کو دہرانا نہیں چاہتا کیونکہ اس پر پہلے ہی گزشتہ صفحات میں بحث ہو چکی ہے۔ صرف اس قدر ہی بتانا کافی ہے کہ مندرجہ بالا آیات کو پیش کر کے جو نتیجہ نکالا گیا ہے اس کا ان آیات میں کوئی بھی ذکر موجود نہیں۔

تیسری بات جو اس میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو یوں ہی جنگ کرنے کا حکم نہیں دیدیا گیا کہ چونکہ انہوں نے عہد شکنی کی ہے طعن فی الدین کیا ہے اور رسول کو اس کے گھر سے نکال دینے کا ارادہ کیا ہے اس لئے جنگ شروع کر دو ایسا نہیں ہے، بلکہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انہوں نے فتنہ کی ابتداء کی انہوں نے ہم سے پہلے جنگ شروع کر دی ہے اس لئے اب ہمارا یہ حق بنتا ہے کہ ہم بھی ان کے خلاف جنگ کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ یعنی اور تم سے (جنگ چھیڑنے میں) انہوں نے ہی ابتداء کی ہے۔ اب دیکھیں کہ کس قدر جرائم کئے ہیں عہد شکنی بھی کی، طعن بھی کیا، رسول کو اس کے گھر سے نکال دینے کا ارادہ بھی کیا، اس کے بعد انہوں نے جنگ کا بھی آغاز کیا تو حکم ہوا کہ اب ان کے خلاف تم بھی جنگ کرو۔ ان آیات میں صرف طعن فی الدین کرنے کی کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی ہے اور نہ ہی اسلام ایسی ناانصافی کی کوئی تعلیم دیتا ہے کہ کوئی زبان کا استعمال کرے تو آپ اس کے سامنے تلوار سونت لیں۔ اسلام نے ہمیشہ مخالفین کے خلاف اس وقت تلوا اٹھانے اور

جنگ کرنے کا حکم دیا ہے جب مخالف نے پہلے اسلام کے خلاف تلوار اٹھائی اس جگہ بھی یہی مضمون دکھائی دیتا ہے۔اوران آیات کے کسی بھی حصہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صرف طعن فی الدین کے نتیجہ میں کسی کو قتل کرنے کا قرآن کریم حکم دیتا ہے۔

چوتھی دلیل

امام ابن تیمیہؒ قرآن کریم سے چوتھی دلیل دیتے ہوئے یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝ (التوبۃ آیت ٦٣)

یعنی۔کیاان کو معلوم نہیں کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اس کے لئے جہنم کی آگ (مقدر) ہے وہ اس میں رہتا چلا جائے گا اور یہ بڑی بھاری رسوائی ہے۔

اس آیت پر بحث کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ نے اس سے یہ دلیل لی ہے کہ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو وہ گویا نقص عہد کرتا ہے اس لئے ایسا شخص واجب القتل ہے۔دیکھا جائے تو اس آیت سے اوپر والی آیات اور بعد والی آیات جن پر پہلے بحث ہو چکی ہے منافقین کے بارے میں ہیں کہ وہ کس کس طرح سے رسول کریم ﷺ کے بارے میں باتیں کرتے ہیں اور یہ آیت ان آیات کے درمیان آئی ہے اس میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا جا رہا ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ جو منافقین ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ یہ یاد رکھیں کہ ان کے اعمال کے نتیجہ میں ان کے لئے جہنم کا عذاب مقدر کیا جا چکا ہے۔ اور جسے جہنم کا عذاب دیا جائے اس کے لئے اس سے زیادہ اور کیا رسوائی ہو سکتی ہے۔لیکن یہاں یہ کہنا کہ رسوا کن عذاب کا مطلب یہ ہے کہ ان کو قتل کیا جائے یہ بات بالکل بھی درست دکھائی نہیں دیتی۔اور قرآن کریم کی اس آیت کے کسی بھی لفظ سے یہ مضمون نہیں نکلتا کہ جس سزا

کواللہ نے اپنے ہاتھوں میں رکھا ہے کہ وہ ان کو جہنم میں ڈال کر رسوا کرنے والا عذاب دیگا اسے وہ بندوں کے ہاتھ میں دیدے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو رسوا کرے تو اس کے مقابلہ پر بندوں کی طرف سے کی گئی رسوائی کیا حیثیت رکھتی ہے۔ کس کو عزت بخشنی ہے اور کس کو رسوا کرنا ہے یہ اللہ نے اپنے اختیار میں رکھا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔

وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ بِيَدِكَ الۡخَيۡرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ (ال عمران آیت ۲۷)

یعنی۔ اور تُو جسے چاہتا عزت عطا کرتا ہے اور تو جسے چاہتا رسوا کرتا ہے ہر قسم کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور تو یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔

جہاں تک منافقین کا تعلق ہے وہ بھی اگر نقص عہد کرتے ہیں اور فتنہ وفساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے فعل سے باز نہیں آتے تو وہ بھی مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہیں تو ان کے لئے بھی جنگ کی صورت میں مسلمانوں کے ہاتھوں رسوا کن عذاب مقدر کیا جائے گا جیسا کہ دوسرے انکار کرنے والوں اور عہد شکنی کرنے والوں کے لئے اللہ کی طرف سے مقدر ہوتا ہے۔

پانچویں دلیل

ذمّی کے عہد شکنی پر سزا کی بحث میں جو پانچویں دلیل دی گئی ہے وہ یہ ہے

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ

(الاحزاب آیت ۵۸)

یعنی۔ وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں اللہ ان کو (اس) دنیا میں اور آخرت میں اپنے قرب سے محروم کر دیتا ہے۔

اس آیت کے اگلے الفاظ ہیں۔ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا یعنی اور اس نے (یعنی اللہ نے) ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر چھوڑا ہے۔

یاد رہے کہ لعنت کے معنی اللہ کے قرب سے دوری کے بھی ہوتے ہیں اور آیت پر اس سے قبل بھی سیر حاصل بحث ہو چکی ہے اس لئے اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔ لعنت کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ اس کو قتل کیا جائے بلکہ اللہ نے خود ہی آگے اس کی تشریح بیان فرما دی ہے کہ ان کے اس فعل کی وجہ سے اللہ نے اپنے قرب سے انہیں محروم کر دیا ہے اور اللہ ہی نے ان کے لئے رسوا کر دینے والا عذاب بھی تیار کر چھوڑا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے لعنت سے اور رسوا کن عذاب سے جو یہ جواز اخذ کیا ہے کہ ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے یہ بالکل درست نہیں۔ اور اس سے یہ جواز قطعاً نہیں نکالا جا سکتا کہ اس سے مراد قتل ہے۔

الغرض امام ابن تیمیہؒ نے جن تین موضوعات کو باندھ کر شاتم رسول کی سزا قتل کے حوالہ سے قرآن کریم سے جس قدر بھی دلائل دیئے ہیں جن کو انہیں کے حوالہ سے دیگر علماء نے اپنی کتب میں پیش کیا ہے ان میں سے کسی ایک آیت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے شاتم رسول کرنے والوں کو سزا دینے کا حق بندوں کو دیا ہے بلکہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو سزا دینے کا ذمہ اپنے پاس رکھا ہے۔ جس کی مثالیں قرآن کریم کے حوالہ سے ہی پیش کی گئی ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب میں جو بحث کی ہے اس کا جو خلاصہ نکل کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو گالی دینے کے نتیجہ میں ذمّی نے اسلامی ملک میں رہنے کے لئے جو عہد کیا تھا وہ عہد ٹوٹ جاتا ہے۔ تو سزا عہد توڑنے کی ملے گی نہ کہ گالی دینے کی۔ دوسرے یہ کہ عہد توڑنے کے ساتھ ساتھ اگر وہ فتنہ انگیزی کرتا ہے تو سزا نقص عہد اور فتنہ پردازی کی ملے گی۔ یا جو شخص بھی مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھاتا ہے اس کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی سزا

ملے گی جو کہ قتل کی صورت میں بھی مل سکتی ہے۔

قرآن کریم کی واضح اور بیّن تعلیم کے ساتھ ساتھ ایسے معاملات میں ہمارے پاس ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اسوہ بھی موجود ہے کہ آپؐ نے ایسی گستاخیاں کرنے والوں کے ساتھ کیا کیا؟ اور اگر کسی کو قتل کی سزا سنائی تو اس کی وجوہات کیا تھیں قرآن و احادیث اور تاریخ اس سلسلہ میں کیا بیان کرتی ہے۔ یہ بات بالکل بھی نظرانداز نہیں کی جاسکتی کہ ہم یہ دیکھیں کہ جو عمل رسول خدا ﷺ کی طرف ہم منسوب کر رہے ہیں وہ کہیں قرآن کریم کی کسی واضح تعلیم کے خلاف تو نہیں! کیونکہ ایسا سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ آنحضرت ﷺ کا کوئی عمل معاذ اللہ قرآنی تعلیم کے خلاف بھی ہوسکتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اسلامی تعلیمات کے ماخذ اور ذرائع:

اسلامی تعلیمات کو جاننے کے لئے ہمارے پاس سب سے بڑا ذریعہ اور ماخذ قرآن کریم ہے۔اس کے بعد دوسرے نمبر پر بڑا ماخذ وہ روایات ہیں جو احادیث مبارکہ کی صورت میں ہمارے پاس ہیں یا پھر تفاسیر اور تاریخ اسلام کا وہ حصہ ہے جو ابتداء ہی سے ایک منظم سلسلہ روایات کے ذریعہ اصحاب رسول ﷺ تابعین اور پھر تبع تابعین سے آگے آنے والوں سے ہم تک پہنچی ہیں۔ابتداء میں تو یہ روایات سینہ بسینہ چلتی رہیں لیکن بعد میں کتابوں کی صورت میں ضبط تحریر میں لائی گئیں۔اس طرح یہ تعلیمات اور روایات ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئیں۔

روایت و درایت سے متعلق واقعات کو جن لوگوں نے بھی جمع کیا ہے ان میں اکثر نے تعلیمات اور عقائد کے معاملہ میں تو بڑی احتیاط سے کام لینے کی کوشش کی ہے اور ہر روایت کو جانچ پھٹک کر اصل حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔لیکن ایسی روایات اور واقعات جن کا تعلق تاریخ سے ہے اس میں اس قدر احتیاط سے کام نہیں لیا گیا بلکہ جو بات بھی جیسی بھی ملی اس کو جمع کر لیا بعض ایسی باتیں بھی درج کی گئی ہیں جو قرآن اور سنت اور عقل کے بھی خلاف دکھائی دیتی ہیں۔اس لئے بعض لوگوں نے روایت و درایت کو پرکھنے کے لئے کچھ اصول مقرر کئے جن کو بیان کرنا بھی ضروری ہے۔چونکہ اس مضمون کا تعلق تاریخ سے ہے جن کی بنیاد روایات و درایت سے ہے اور آگے چل کر وہ واقعات بھی بیان ہونگے جو تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں جن کو علماء اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں کہ توہینِ رسالت کی سزا قتل ہے۔وہاں ان اصولوں کو مدنظر رکھ کر غور کرنا ضروری ہوگا تا قرآن وسنّت و حدیث کی روشنی میں روایت و درایت کو پرکھا جا سکے۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی سیرت "سیرۃ

خاتم النبیین'' کے نام سے تصنیف فرمائی ہے روایت و درایت کے سلسلہ میں آپ نے کتاب کے شروع میں مثالیں دیکر ایک نوٹ لکھا ہے میں اسے اس جگہ درج کرنا ضروری خیال کرتا ہوں تا درست اور صحیح روایت و درایت کو جانچنے کے اصول کا علم ہو سکے اور جب تاریخی واقعات پر غور کیا جائے تو ان اصولوں کو بھی مدنظر رکھا جا سکے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''**روایت کا طریقہ**۔۔۔ناظرین کی واقفیت کے لئے یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ روایت بیان کرنے کا طریق مسلمانوں میں اس طرح رائج تھا کہ نیچے کے راوی سے شروع ہو کر درجہ بدرجہ ہر راوی کا نام لیتے ہوئے اُوپر کو چلتے جاتے تھے حتّٰی کہ روایت آنحضرت ﷺ پر یا آپؐ کے کسی صحابی پر جا کر ختم ہو جاتی تھی۔ آنحضرت ﷺ تک پہنچنے والی روایت حدیث کہلاتی ہے اور صحابی پر پہنچ کر ختم ہو جانے والی روایت اثر کہلاتی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کی بہت سی صورتیں ہیں۔ طریق بیان عموماً یہ ہوتا تھا کہ ؛- مُجھ سے الف نے بیان کیا اور الف نے ب سے سنا تھا اور ب سے ت نے روایت کی تھی اور ت کو ج نے خبر دی تھی کہ ایک مجلس میں آنحضرت ﷺ نے میرے سامنے فلاں امر کے متعلق یہ الفاظ بیان فرمائے تھے۔ یا یہ کہ ہمارے سامنے یہ یہ واقعہ پیش آیا تھا۔۔۔۔۔

روایت و درایت کے اصول۔۔ اصل الاصول اس علم کا یہ ہے کہ ہر واقعہ کی صحت دو طریق پر آزمائی جا سکتی ہے اور جب تک ان دونوں طریق سے کسی واقعہ کی صحت پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ جاوے اس پر پورا اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ پہلا طریق روایت ہے۔ یعنی یہ دیکھنا کہ جو واقعہ ہم تک پہنچا ہے۔ وہ واسطہ کس حد تک قابل اعتماد ہے۔ دوسرا طریق درایت ہے یعنی یہ دیکھنا کہ واقعہ کی صحت کے متعلق اندرونی شہادت کیسی ہے۔ یعنی قطع نظر واسطہ کے کیا وہ واقعہ اپنی ذات میں اور اپنے ماحول کی نسبت سے ایسا ہے کہ اسے دُرست اور صحیح یقین کیا جائے۔ یہ وُہ دو بنیادی

اصول ہیں جو مسلمانوں نے اپنے ہر روایتی اور تاریخی علم کی پڑتال کے لئے ایجاد کئے۔اور ابتدائے اسلام سے ان کا اس پر عمل رہا ہے۔ان ہر دو اصول کے ماتحت بہت سے قابل لحاظ امور قرار دئے گئے ہیں جن میں سے زیادہ معروف امور کو ہم اپنے الفاظ میں درج ذیل کرتے ہیں۔

روایت کے اصول کے ماتحت یہ باتیں زیادہ قابل لحاظ قرار دی گئی ہیں:۔

(۱) راوی معروف الحال ہو۔

(۲) راوی صادق القول اور دیانت دار ہو۔

(۳) بات کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

(۴) اس کا حافظہ اچھا ہو۔

(۵) اسے مبالغہ کرنے خلاصہ نکال کر رپورٹ کرنے یا روایت میں کسی اور طرف تصرّف کرنے کی عادت نہ ہو۔

(۶) روایت بیان کردہ میں راوی کا کوئی اپنا ذاتی تعلق نہ ہو جس کی وجہ سے یہ خیال کیا جاسکے کہ اس کی روایت متأثر ہوسکتی ہے

(۷) دو اوپر نیچے راویوں کا آپس میں ملنا زمانہ یا حالات کے لحاظ سے قابل تسلیم ہو۔

(۸) روایت کی دو کڑیاں محفوظ ہوں اور کوئی راوی اوپر سے یا درمیان سے یا نیچے سے چھوٹا ہوا نہ ہو۔

(۹) مذکورہ بالا اوصاف کے ماتحت کسی روایت کے راوی جتنے زیادہ معتبر اور قابل اعتماد ہونگے اتنی ہی وہ روایت زیادہ پختہ سمجھی جائے گی۔

(۱۰) اسی طرح ایک روایت کے متعلق معتبر راویوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی وہ

روایت زیادہ مضبوط قرار دی جائے گی۔

درایت کے اصول کی ماتحت مندرجہ ذیل امور زیادہ قابل لحاظ سمجھے گئے ہیں۔

(۱) روایت کسی معتبر اور مستند عصری ریکارڈ کے خلاف نہ ہو۔اس اصل کے ماتحت ہر درایت جو قرآن شریف کے خلاف ہے قابل رد ہوگی۔

(۲) کسی مسلمہ اور ثابت شدہ حقیقت کے خلاف نہ ہو۔

(۳) کسی دوسری مضبوط تر روایت کے خلاف نہ ہو۔

(۴) کسی ایسے واقعہ کے متعلق نہ ہو کہ اگر وہ صحیح ہے تو اس کے دیکھنے یا سننے والوں کی تعداد یقیناً زیادہ ہونی چاہیئے، لیکن پھر بھی اس کا راوی ایک ہی ہو۔

(۵) روایت میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو اسے عقلاً یقینی طور پر غلط یا مشتبہ قرار دیتی ہو۔

درایت کے متعلق بعض ابتدائی مثالیں

یہ وہ اصول ہیں جو مسلمان محقیقن نے اپنی روایات کی چھان بین کے لئے آغازِ اسلام میں مقرر کئے اور انہیں کے مطابق وہ اپنی روایات کی تحقیق و تدقیق کرتے رہے ہیں۔اور ہر عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ روایات کی پڑتال کے لئے ان سے بڑھ کر کوئی کسوٹی نہیں ہوسکتی۔ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ یہ ساری باتیں لازماً ہر مسلمان محدّث یا مؤرخ کے پیش نظر رہی ہیں۔مگر اس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہ وہ اصول ہیں جو مسلمان محققین نے ابتدائے اسلام میں اپنی روایات کی تحقیق کے لئے وضع کئے اور جنہیں وہ بالعموم اپنی تصانیف میں ملحوظ رکھتے رہے ہیں۔یہ ممکن ہے کہ ذاتی میلان کی وجہ سے ایک محقق کسی بات کو زیادہ وزن دیتا ہو اور دوسرا کسی اور کو یا کوئی مصنّف اپنے مجموعہ کو زیادہ جامع بنانے کے لئے یا بعض روایات کی امکانی صحت

کے خیال سے کمزور روایتوں کو بھی لے لیتا ہو یا کوئی مصنّف ایسے ہی غیر محتاط ہو، کیونکہ کسی طبقہ کے سب لوگ ایک درجہ کے نہیں ہوتے مگر بہر حال روایت و درایت دونوں کے اصول کو ابتدائی مسلمانوں نے بالعموم اپنے مدنظر رکھا ہے اور زیادہ محتاط مصنّفین پوری سختی کے ساتھ ان پر کاربند رہے ہیں۔ روایت کے اصول کے متعلق تو ہمیں مثالیں دینے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اسلامی تحقیق کا یہ پہلو دوست و دشمن سب کے نزدیک مسلّم ہے، البتہ چونکہ بعض عربی محققین نے جن میں سر ولیم میور بھی شامل ہیں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ مسلمانوں نے درایت کے پہلو کو مدّنظر نہیں رکھا اور صرف روایت کے اصول کے ماتحت اپنی روایتوں کی پڑتال کرتے رہے ہیں۔ (لائف آف محمد مصنفہ سر ولیم میور دیباچہ xxxviii) اس لئے درایت کے پہلو کے متعلق اس جگہ بعض مثالیں درج کی جاتی ہیں تا کہ ناظرین کو اس بات کا اندازہ کرنے کا موقعہ ملے کہ یہ اعتراض کس قدر غلط اور بے بنیاد ہے۔

سب سے پہلے خود قرآن شریف اس بات کو پیش کرتا ہے کہ محض روایت پر بنیاد رکھنا ہر صورت میں کافی نہیں بلکہ کسی خبر کو صحیح سمجھنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے تمام پہلوؤں کے متعلق اچھی طرح تحقیق کر لی جائے چنانچہ فرماتا ہے۔

اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات آیت ۷)

یعنی اگر تمہارے پاس کوئی خبر پہنچے تو یہ دیکھ لیا کرو کہ خبر لانے والا کیسا آدمی ہے۔ پھر اگر یہ راوی قابلِ اعتماد نہ ہو تو اچھی طرح سارے پہلوؤں پر نظر ڈال کر سوچ لیا کرو۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف روایت کی صحت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مگر غور کرنے سے یہ بات مخفی نہیں رہتی کہ دراصل یہ آیت روایت و درایت دونوں پہلوؤں کی حامل ہے، چنانچہ فاسق کے لفظ میں تو روایت کے پہلو کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ دیکھ لیا کرو کہ

خبر لانے والا کیسا ہے اور تبینوا کے لفظ میں درایت کا پہلو مدّنظر ہے یعنی دوسری جہت سے بھی خبر کی اچھی طرح چھان بین کر لیا کرو۔

پھر فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ عُصۡبَةٌ مِّنۡكُمۡ....لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا.....وَ لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ قُلۡتُمۡ مَّا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ (سورۃ نور آیت ۱۲۔ ۱۷)

''یعنی جو لوگ رسول خدا کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ کے خلاف بہتان لگانے میں شریک ہوئے ہیں وہ اے مسلمانوں! تمہیں میں سے ایک پارٹی ہیں مگر تمہیں چاہئے تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے متعلق نیک گمان کرتے۔ پس کیوں نہ ہوا کہ تم نے اس بہتان کے سنتے ہی یہ کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ پاک اور بے عیب ہے۔ یہ تو ایک صاف بہتان نظر آتا ہے۔''

اس آیت میں صراحت کے ساتھ درایت کے اصول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے بلکہ صحابہ کو اس بات پر توبیخ کی گئی ہے کہ خواہ حضرت عائشہ پر الزام لگانے والے بظاہر مسلمان ہی تھے، مگر جب تم حضرت عائشہ کے حالات سے اچھی طرح آگاہ تھے اور تم جانتے تھے کہ وہ خُدائے پاک کے رسول کی بیوی اور دن رات آپ کی صحبت میں رہنے والی ہے تو تمہیں چاہئے تھا کہ ان ساری باتوں کو دیکھتے ہوئے اس خبر کو سنتے ہی بہتان اور افتراء قرار دیکر ٹھکرا دیتے۔ گویا اس آیت میں ضمناً یہ بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ ایک روایت کے متعلق صرف یہ دیکھ کر کہ اس کے راوی بظاہر اچھے لوگ ہیں اسے نہیں مان لینا چاہئے بلکہ خداداد عقل کے ماتحت دوسری باتیں بھی دیکھنی ضروری ہیں۔ اور اگر دوسری باتیں روایت کو مشتبہ قرار دیں تو اسے قبول نہیں کرنا چاہئے۔

اسی قرآنی اصل کے ماتحت حدیث میں بھی یہ تاکید آتی ہے کہ محض کسی کی بات کو سن کر اسے

سچا نہیں سمجھ لینا چاہئے۔ بلکہ ہر جہت سے تحقیق کر کے معلوم کرنا چاہئے کہ حقیقت کیا ہے، چنانچہ حدیث میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ۔

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ

(صحیح مسلم جلد ا باب اَلنَّهْيُ عَنِ الْحَدِيْثِ)

''یعنی ایک انسان کے جھوٹا ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ وہ جو بات بھی سنے اسے بلا تحقیق آگے روایت کرنا شروع کردے۔''

اس حدیث میں گو روایتی تحقیق کی طرف بھی اشارہ ہے، مگر اصل مقصود روایتی تحقیق ہے جیسا کہ بِكُلِّ سَمِعَ کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔یعنی محض کسی بات کا سننا اس کے قبول کئے جانے کا باعث نہیں بننا چاہئے بلکہ دوسری جہات سے بھی غور کرنا چاہئے کہ آیا جو خبر ہمیں پہنچی ہے وہ قابل قبول ہے یا نہیں، بلکہ اس حدیث میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ جو شخص تحقیق کرنے کے بغیر یونہی ہر سنی سنائی بات آگے روایت کر دیتا ہے وہ جھوٹ کی اشاعت کا ایسا ہی ذمہ دار ہے جیسا کہ جھوٹ بولنے والا شخص۔

الغرض قرآن شریف وحدیث دونوں اس اصول کو بیان کرتے ہیں کہ ہر خبر کی تصدیق کے متعلق روایت ودرایت دونوں پہلو مدنظر رہنے چاہئیں، چنانچہ اس اصول کے ماتحت حدیث میں کثرت کے ساتھ ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ صحابہ اور ان کے بعد آنے والے مسلمان محققین نے ہمیشہ روایت کے پہلو کے ساتھ درایت کے پہلو کو بھی مدنظر رکھا ہے اور بسا اوقات روایتی لحاظ سے ایک روایت کے مضبوط ہونے کے باوجود درایت کی بنا پر اسے رد کر دیا ہے۔مثلاً حدیث میں آتا ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّعَمْ اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ

فَقَالَ لَهٗ ابْنُ عَبَّا سٍ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ اَنَتَوَ ضَّاءُ مِنَ الدُّھْنِ اَنَتَوَضَّاءُ مِنَ الْحَمِیْمِ۔۔۔۔فَقَا لَ اَبُوْ عِیْسٰی وَاَکْثَرُاَھْلِ الْعِلْمِ عَلٰی تَرْکِ الْوُضُوْءِ ۔

(ترمذی کتاب الطہارۃباب مَا غَیَّرَتِ النَّارِ)

''یعنی ایک مجلس میں ابوھریرہ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ جس چیز کو آگ نے چُھوا ہواس کے استعمال سے وضوءضروری ہوجاتا ہے۔اس پر ابن عباس نے ابو ہریرہ کوٹوک کر کہا کہ کیا پھر ہم گھی یا تیل کے استعمال کے بعدوضو کیا کریں۔اور کیا ہم گرم پانی کے استعمال کے بعدبھی وضو کیا کریں؟ یہ روایت درج کرکےترمذی علیہ رحمۃ عرض کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے اکثر علماءکا اسی پرعمل ہے کہ آگ پر تیار کی ہوئی چیز کے استعمال سے وضوضروری نہیں ہوجاتا۔

اس حدیث سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ تک کی روایت کوجن کی روایات کی تعداد سارے صحابہ سے زیادہ ہے حضرت ابن عباس نے اس عقلی دلیل سے رد کردیا کہ اوّل تومحض آگ پر کسی چیز کا تیار ہونا اس بات سے کوئی جوڑنہیں رکھتا کہ اس کے استعمال سے وضوضروری ہوجائے۔دوسرے یہ کہ جب دین کی بناءیُسر اور آسانی پر ہے تو آنحضرت ﷺ کی طرف یہ قول کس طرح منسوب ہوسکتا ہے کہ بس جس چیز کوبھی آگ چھوجائے اس سے وضوواجب ہو جاتا ہےاور اسی لئے باوجودحضرت ابوہریرہ کی اس صریح حدیث کے اکثر ائمہ حدیث وفقہ کا یہی مذہب ہے کہ آگ والی چیز کے استعمال سے وضوواجب نہیں ہوتا۔اور بعض دوسری حدیثوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔اوراس کا یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ حضرت ابن عباس یابعد کے ائمہ حدیث کے نزدیک ابوہریرہ نے جوروایت بیان کی ہے وہ آنحضرت ﷺ کا ارشادتو ہے،مگر قابل عمل نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ابن عباس اوردوسرے محققین کے نزدیک

اس روایت میں ابو ہریرہ کو غلط فہمی ہوئی ہے یا آپ کا ارشاد بعض خاص قسم کے حالات کے متعلق ہوگا جسے ابو ہریرہ نے عام سمجھ کر اُسے وسعت دے لی ۔ بہر حال باوجود اس کے کہ اصولِ روایت کے لحاظ سے یہ حدیث بالکل صحیح قرار پاتی ہے، مسلمان محققین نے درایت کی بنا پر اسے صحیح تسلیم نہیں کیا۔ اور جب ابو ہریرہ جیسے کُہنہ مشق راوی کی روایت درایت کی جرح سے محفوظ

نہیں سمجھی گئی تو میور صاحب کے اس قول کی حقیقت ظاہر ہے کہ مُسلمان صرف روایتی پہلو کو دیکھ کر ہر بات کو صحیح مان لیا کرتے تھے اور درایت کو کام میں نہیں لاتے تھے ۔

پھر ایک اور حدیث میں آتا ہے

عَنْ اَبِیْ اِسْحٰق قَالَ کُنْتُ مَعَ الْاَسْوَدِ بْنِ یَزِیْدَ فَحَدَّثَ الشَّعْبِیُّ عَنْ حَدِیْثِ فَاطِمَۃَ بِنْتِ قَیْسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّعَم لَمْ یَجْعَلْ لَھَا سُکْنٰی وَلَا نَفَقَۃَ فَاَخَذَ الْاَسْوَدُ مِنْ حَصًی فَحَصِبَہٗ بِہٖ فَقَالَ وَیْلَكَ تُحَدِّ ثُ بِمِثْلِ ھٰذَا وَقَالَ عُمَرُ لَا نَتْرُكَ کِتَا بَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم بِقَوْلِ امْرَأَۃٍ لَا نَدْرِیْ حَفِظَتْ اَوْ نَسِیَتْ۔ (مسلم کتاب الطلاق باب المطلقه ثلا ثاًلا نفقة لها)

یعنی۔ ابو اسحٰق سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں ایک مجلس میں اسود بن یزید کے ساتھ بیٹھا تھا کہ شعبی نے یہ روایت بیان کی کہ فاطمہ بنت قیس صحابیہ بیان کرتی ہے کہ جب اس کے خاوند نے اسے طلاق دیدی تو آنحضرت ﷺ نے اسے مکان اور خرچ نہیں دلایا۔ اس پر اسود نے ایک کنکروں کی مٹھی اٹھا کر شعبی کو ماری اور کہا کیا تم یہ حدیث بیان کرتے ہو حالانکہ حضرت عمرؓ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی تو انہوں نے فرمایا ہم ایک عورت کے بیان پر قرآن اور

سنتِ رسول کونہیں چھوڑ سکتے کیونکہ نہیں معلوم کہ اصل بات کیا تھی اور اس نے کیا سمجھا یا اصل بات کیا تھی اور اسے کیا یاد رہا۔

اس حدیث میں گویا حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی ایک صحابیہ کی روایت کو اس بنا پر رد کرتے ہیں کہ وہ ان کی رائے میں قرآنی تعلیم اور سنّتِ رسولؐ کے خلاف ہے اور اس کی توجیہہ یہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہوگا اُسے یا تو وہ سمجھی نہیں ہوگی یا بعد میں بھول گئی ہوگی۔ بہرحال حضرت عمرؓ نے روایت کی بنا پر ایک روایتی لحاظ سے صحیح حدیث کو ردّ کر دیا اور جمہور اسلام کا یہی فتویٰ ہے کہ فاطمہ کی روایت غلط تھی اور حضرت عمرؓ کا خیال درست ہے۔

پھر ایک اور حدیث میں آتا ہے:۔

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِیْعِ اَنَّہٗ سَمِعَ عُتْبَانَ بْنَ مَالِكِ الْاَنْصَارِیَّ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ حَرَّمَ عَلَی النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَبْتَغِیْ بِذَالِكَ وَجْهَ اللّٰہِ قَالَ مَحْمُوْدُ فَحَدَّثْتُھَا قَوْماً فِیْهِمْ اَبُوْ اَیُّوْبَ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلْعَمْ فَاَنْکَرَھَا عَلَیَّ اَبُوْ اَیُّوْبَ وَقَالَ وَ اللّٰہِ مَا اَظُنُّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَا قُلْتُ قَطُّ۔ (بخاری باب صلوٰۃ النوافل جماعۃ)

’’یعنی محمود بن الربیع روایت کرتے ہیں کہ میں نے عتبان بن مالک سے یہ سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے جو سچی نیت سے اللہ کی رضا کی خاطر لَآ اَلٰہَ اَلَّا اللّٰہ کا اقرار کرتا ہے، لیکن جب میں نے یہ روایت ایک ایسی مجلس میں بیان کی جس میں ابو ایوب انصاری بھی موجود تھے تو ابو ایوب نے اس روایت سے انکار کیا اور کہا کہ خدا کی قسم میں ہرگز نہیں خیال کر سکتا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرمائی ہو۔‘‘

اس حدیث میں حضرت ابوایوب انصاریؓ ایک ایسی حدیث کو جو اصول روایت کی لحاظ سے صحیح تھی اپنی روایت کی بنا پر قبول کرنے سے انکار کر دیا۔اور گو یہ ممکن ہے کہ حضرت ابو ایوبؓ کا استدلال دُرست نہ ہومگر بہر حال یہ حدیث اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ صحابہ یونہی کورانہ طور پر ہر روایت کو قبول نہیں کر لیتے تھے، بلکہ درایت و روایت ہر دو کے اصول کے ماتحت پوری تحقیق کر لینے کے بعد قبول کرتے تھے۔

پھر ایک اور حدیث میں آتا ہے:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَلَمَّا مَاتَ عُمَرُ ذَكَرْتُ ذَالِكَ لِعَائِشَةَ فَقَالَتْ يَرْحَمُ اللهُ عُمَرَ وَاللهِ مَا حَدَثَ رَسُوْلُ اللهِ صلّعم اَنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ وَلٰكِنْ قَالَ اِنَّ اللهَ يَزِيْدُ الْكَافِرِ عَذَابًا بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ قَالَ وَ قَالَتْ عَائِشَةُ حَسْبُكُمُ الْقُرْاٰ نُ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ باب البکاء علی المیّت)

"یعنی ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ یہ روایت بیان کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میت پر رونے سے میّت پر عذاب ہوتا ہے۔ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد میں نے یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے بیان کی تو فرمانے لگیں اللہ تعالیٰ عمرؓ پر رحم فرمائے۔خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہرگز نہیں فرمایا بلکہ یہ کہا تھا کہ ایک کافر کے مرنے کے بعد اگر اس کے ورثاء اس پر روئیں تو اس وجہ سے اس کا عذاب اور زیادہ ہو جاتا ہے۔(کیونکہ جب وہ زندہ تھا تو ان کے اس فعل میں ان کا مؤید ہوا کرتا تھا) اور پھر حضرت عائشہ کہنے لگیں کہ ہمیں قرآن کا یہ قول کافی ہے کہ کوئی نفس کسی دوسرے نفس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا"

اس حدیث سے بھی درایت کے پہلو کا استعمال نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے یعنی حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر انسان کی روایت کو صرف ایک بالمقابل روایت بیان کر دینے سے ہی ردّ نہیں کیا بلکہ ساتھ ہی اپنے خیال میں اس کے غلط ہونے کی قرآن شریف سے ایک دلیل بھی دی۔ ہمیں اس جگہ اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ حضرت عائشہ کا خیال درست تھا یا کہ حضرت عمرؓ کا۔ صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ الزام بالکل غلط ہے کہ مُسلمان محققین صرف ایک روایت کو سن کر اسے قبول کر لیتے تھے۔ کیونکہ حق یہ ہے کہ وہ پوری طرح درایت کو کام میں لاتے اور ہر چیز کو اپنی عقلِ خداداد کے ساتھ تول کر پھر اسے قبول کرتے تھے اور اس بنا پر بعض اکابر صحابہ تک میں باہم اختلاف ہو جاتا تھا۔

درایت کے کمزور پہلو یہ چار مثالیں جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں اور جو صرف نمونہ کے طور پر درج کی گئی ہیں ورنہ اس قسم کی مثالیں اسلامی تاریخ میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ ان میں آنحضرت ﷺ کے چار جلیل القدر صحابیوں کے فعل سے بھی قطعی طور پر ثابت ہے کہ ابتدائے اسلام سے ہی درایت کا پہلو روایت کے پہلو کے ساتھ ساتھ چلا آیا ہے اور مسلمان محققین پوری دیانتداری اور آزادی کے ساتھ درایت کے اصول کو اپنی روایت کی تحقیق اور پڑتال میں استعمال کرتے رہے ہیں اور اسی قسم کی مثالیں بعد کے زمانوں کے متعلق بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر ہم اپنے اس مضمون کو زیادہ لمبا نہیں کرنا چاہتے کیونکہ ایک عقل مند انسان کے لئے اسی قدر کافی ہے۔۔۔۔۔۔ اگر ہمارے معترضین کا یہ منشاء ہے کہ ہر حال میں درایت کے پہلو کو ترجیح اور غلبہ ہونا چاہئے اور خواہ ایک بات اصول روایت کے لحاظ سے کیسی ہی پختہ اور مضبوط ہو اور اگر درایت کے پہلو کے لحاظ سے مشکوک نظر آتی ہے تو ہر صورت اسے رد کر دینا چاہئے تو یہ خیال نہ صرف بالکل غلط ہے بلکہ علمی ترقی کے لئے بھی سخت مضر اور نقصان دہ

ہے۔درایت خواہ کیسی ہی اچھی چیز ہومگر اس کے ساتھ دو خطرناک کمزوریاں بھی لگی ہوئی ہیں۔ اوّل یہ کہ اس کا تعلق استدلال کے ساتھ ہوتا ہے اور استدلال ایک ایسی چیز ہے کہ اس میں اختلاف رائے کی بہت گنجائش ہے۔دوسرے یہ کہ درایت کی بنا زیادہ تر انسان کے سابقہ تجربہ اور معلومات پر ہوتی ہے اور تجربہ اور معلومات ایسی چیزیں ہیں کہ روز بدلتی رہتی ہیں کیونکہ اس میں ہر وقت وسعت اور ترقی کی گنجائش ہے اِن وجوہ کی بنا پر درایت کے پہلو پر زیادہ بھروسہ کرنا اپنے اندر ایسے خطرات رکھتا ہے جنہیں کوئی دانا شخص نظر انداز نہیں کر سکتا۔مثلاً ایک شخص کسی روایت کو قرآن شریف کی کسی آیت کے خلاف سمجھ کر ردّ کر دیتا ہے،مگر ہوسکتا ہے کہ ایک دوسرا شخص اسے کسی قرآنی آیت کے خلاف نہ پائے بلکہ وہ دونوں کی ایسی تشریح کر دے کہ ان کے درمیان کوئی تضاد نہ رہے۔یا مثلاً ایک شخص ایک روایت کو کسی ثابت شدہ حقیقت کے خلاف سمجھتا ہے،مگر ہوسکتا ہے کہ ایک دوسرے شخص کے نزدیک وہ چیز جسے ایک ثابت شدہ حقیقت سمجھا گیا ہے۔وہ ثابت شدہ حقیقت نہ ہو۔یا ایک شخص ایک روایت کو انسانی تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف سمجھتا ہے،مگر ہوسکتا ہے کہ دوسرا شخص جس کا تجربہ اور مشاہدہ زیادہ وسیع ہے وہ اسے اس کے خلاف نہ سمجھے وغیرہ ذالک۔ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ درایت کے پہلو پر زیادہ زور دینا نہ صرف اصولاً غلط ہے، بلکہ علمی ترقی کے لئے بھی ایک بہت بھاری روک ہے اور اس پر زیادہ زور دینا انہی لوگوں کا کام ہے جو اپنے محدود علم اور محدود تجربہ اور محدود مشاہدہ اور محدود استدلال سے ساری دنیا اور سارے زمانوں کے علم کو ناپنا چاہتے ہیں۔اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ نظریہ دنیا کی علمی ترقی کے لئے ایک سمّ قاتل سے کم نہیں۔اگر ابتدائی مسلمان محدّث یا مؤرخ درایت پر اس قدر زور دیتے جتنا میور صاحب اور ان کے ہم عقیدہ اصحاب چاہتے ہیں کہ دینا چاہئے تھا تو یقیناً باءِ اسلام کے متعلق بہت سی مفید معلومات کا ذخیرہ ہمارے ہاتھ سے نکل

جاتا، کیونکہ اس صورت میں ان میں سے کوئی مصنّف کسی بات کو اور کوئی کسی کو اپنی درایت کے خلاف پا کر ترک کر دیتا، حالانکہ بالکل ممکن ہے کہ وہ صحیح درایت کے خلاف نہ ہوتیں، چنانچہ ہم عملاً دیکھتے ہیں کہ کئی باتیں جو گزشتہ زمانوں میں سمجھ نہیں آتی تھیں آج ان کا سمجھنا آسان ہو رہا ہے۔ پس پختہ اور صحیح اصول وہی تھا جو ابتدائی مسلمان مصنّفین نے اختیار کیا کہ انہوں نے اصل بنیاد روایت کے اصول پر رکھی مگر روایت کی مدد کے لئے ایک حد تک درایت کو بھی کام میں لاتے رہے۔ اور اس طرح انہوں نے اپنے پیچھے آنے والوں کے لئے ایک عمدہ ذخیرہ روایات کا جمع کر دیا۔ اور اب یہ ہم لوگوں کا کام ہے کہ روایت و درایت کے اصول کے مطابق اس ذخیرہ کی چھان بین کر کے صحیح کو سقیم سے جُدا کر لیں۔

روایت کا قلمبند ہونا گو اصولِ روایات کے لحاظ سے کسی روایت کا لکھا ہوا ہونا ضروری نہیں ہے اور اسلامی روایات میں ایک بڑا حصہ ایسی روایتوں کا شامل ہے جو کم از کم ابتداء میں صرف زبانی طور پر سینہ بہ سینہ مروی ہوئی ہیں لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ابتدائے اسلام سے ہی بعض راویوں کا یہ طریق رہا ہے کہ جو حدیث بھی وہ سنتے تھے یا جو روایت بھی ان تک پہنچتی تھی اسے وہ فوراً لکھ کر محفوظ کر لیتے تھے اور جب کسی کو آگے روایت سناتے تھے تو اس لکھی ہوئی یادداشت سے پڑھ کر سناتے تھے۔ جس سے ان روایات کو مزید مضبوطی حاصل ہو جاتی تھی۔ اس قسم کے لوگ صحابہ کرام میں بھی پائے جاتے تھے اور بعد میں بھی۔ بلکہ بعد میں جوں جوں علم ترقی کرتا گیا اور فن تحریر زیادہ پھیلتا گیا، ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ اس زمانہ میں آ کر جبکہ روایات کتابی صورت میں جمع ہونے لگیں اور موجودہ کتب حدیث وغیرہ کے مجموعے عالم وجود میں آنے شروع ہوئے جس کا آغاز دوسری صدی ہجری سے سمجھا جا سکتا ہے روایات کو لکھ کر محفوظ کر لینے کا طریق عام طور پر رائج ہو چکا تھا

اور راوی لوگ اپنی روایات کو دوسروں تک پہنچاتے اپنی تحریری یاداشتوں سے کثرت کے ساتھ مدد لینے لگ گئے تھے،لیکن چونکہ محض کسی تحریر یا یاداشت کا موجود ہونا اسے قابل سند نہیں بنا سکتا جب تک کہ اس کی تائید میں معتبر زبانی تصدیق بھی موجود نہ ہو اور اس لئے آج تک ہر مہذب ملک کی عدالتوں میں ہر دستاویز کی تصدیق کے لئے زبانی شہادت ضروری قرار دی جاتی ہے اس لئے بالعموم محدّثین نے زبانی اور تحریری روایات کے امتیاز کو اپنے مجموعوں میں ظاہر نہیں کیا۔لیکن اس میں ہرگز کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ اب جو احادیث کے مجموعے ہمارے سامنے ہیں ان سب میں ایک معتدبہ حصہ ایسی روایات کا شامل ہے جو زبانی انتقال کے ساتھ ساتھ تحریری طور پر بھی ایک راوی سے دوسرے راوی تک منتقل ہوتی ہوئی نیچے اتری ہیں۔اس دعویٰ کی تصدیق میں ہم اس جگہ اختصار کی غرض سے صرف صحابہ کے زمانہ کی چند مثالیں درج کریں گے کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ خود صحابہ میں ایسے لوگ موجود تھے جو آنحضرت ﷺ کی احادیث اور روایات کو لکھ کر محفوظ کر لیا کرتے تھے اور پھر اسی مجموعہ سے آگے سلسلہ روایات چلاتے تھے تو یہ ایک قطعی ثبوت اس بات کا ہوگا کہ یہ طریق بعد کے زمانہ میں (جبکہ فن تحریر بہت زیادہ وسیع ہو گیا اور روایات کے لکھنے کے لئے ہر قسم کی سہولت میسّر آ گئی) بدرجہ اولیٰ جاری رہا۔سب سے پہلی اور اصولی حدیث ہم اس معاملہ میں وہ درج کرنا چاہتے ہیں جن میں خود آنحضرت ﷺ نے یہ تحریک فرمائی ہے کہ جس شخص کو میری باتیں یاد نہ رہتی ہوں اسے چاہئے کہ انہیں لکھ کر محفوظ کر لیا کرے، چنانچہ ترمذی میں یہ روایت آتی ہے کہ :۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ یَجْلِسُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ فَیَسْمَعُ مِنَ النَّبِیِّ الْحَدِیْثَ وَلَا یَحْفَظُهُ فَشَکَا ذٰلِكَ اِلَی النَّبِیِّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِسْتَعِنْ بِیَمِیْنِكَ وَ اَوْمَاءَ بِیَدِهٖ لِلْخَطِّ۔ (ترمذی ابواب العلم

باب ما جاء فی الرخصته فیه)

''یعنی ابوھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک انصاری آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں آپ کی باتیں سنتا ہوں مگر مجھے وہ یاد نہیں رہتیں۔آپ نے فرمایا: تم اپنے دائیں ہاتھ کی مدد حاصل کر کے میری باتوں کو لکھ لیا کرو۔''

اس حدیث سے ہمیں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ بعض صورتوں میں آنحضرت ﷺ خود تحریک فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو میری باتیں یاد نہ رہتی ہوں وہ انہیں لکھ کر محفوظ کرلیا کرے اور آپ کے اس فرمان کے ہوتے ہوئے اگر ہمیں تاریخ میں صراحت کے ساتھ یہ ذکر نظر نہ بھی آئے کہ فلاں فلاں صحابی حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے تو بھی قیاس یہی ہوگا کہ بعض صحابی ضرور حدیثیں لکھا کرتے تھے، کیونکہ یہ ممکن نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت ﷺ کی اس ہدایت سے صحابہ جیسی جماعت میں سے کسی فرد نے بھی فائدہ نہ اٹھایا ہو در بہر حال جس صحابی کو آپ نے براہِ راست مخاطب کر کے یہ الفاظ فرمائے تھے اُس نے تو ضرور اس ارشاد کی تعمیل کی ہوگی۔مگر یہ صرف قیاس ہی نہیں ہے بلکہ حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ ذکر آتا ہے کہ بعض صحابی آنحضرت ﷺ کی حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے، چنانچہ روایت آتی ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جو سنتے تھے وہ لکھ لیا کرتے تھے۔اس پر بعض لوگوں نے انہیں منع کیا کہ آنحضرت ﷺ کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی غصہ میں ہوتے ہیں، تم سب کچھ لکھتے جاتے ہو۔عبداللہ بن عمرو نے اس پر لکھنا چھوڑ دیا،لیکن جب آنحضرت ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا

اُكْتُبْ فَوَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا یَخْرُجُ مِنْہُ اِلَّا الْحَقُّ (ابوداؤد کتاب العلم باب کتابۃ العلم)

’’یعنی تم بے شک لکھا کرو کیونکہ خدا کی قسم میری زبان سے جو کچھ نکلتا ہے حق اور راست نکلتا ہے‘‘

(یہاں روایات کے لکھے جانے پر جو بحث کی گئی ہے اسے طوالت کی بنا پر چھوڑتا ہوں البتہ آپ نے حدیث اور سیرت کی روایات میں جو بنیادی فرق بیان کیا ہے اسے درج کرنا مناسب خیال کرتا ہوں تا کہ آئندہ صفحات میں جب اس سلسلہ میں بات کی جائے گی تو معاملہ کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو)

آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

حدیث وسیرت کی روایات میں ایک بنیادی فرق:۔ اس اصولی بحث کے ختم کرنے سے قبل یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ گو مسلمان مصنّفین نے اپنی روایات کی پڑتال میں روایت ودرایت ہر دو قسم کے اصول کو علیٰ قدر مراتب ملحوظ رکھا ہے مگر انہوں نے ہر قسم کی روایت کے لئے ایک ہی معیار نہیں رکھا بلکہ وہ ایک دانشمند محقق کی طرح اس غرض وغایت کے مناسب حال جس کے لئے کوئی روایت مطلوب ہوتی تھی اپنی معیار کو نرم یا سخت کرتے رہے ہیں۔ یعنی بعض علوم میں اپنا معیار سخت رکھا اور بعض میں نرم۔ مثلاً حدیث میں جہاں عقائد واعمال کا تعلق تھا محدّثین نے بڑی سختی کے ساتھ روایات کو پرکھا ہے اور اپنے معیار کو بہت بلند رکھا ہے۔ لیکن سیرت وتاریخ وغیرہ میں اتنی سختی نہیں کی، چنانچہ علاّمہ علی بن برہان الدین حلبیؒ اپنی سیرت میں لکھتے ہیں کہ

لَا يَخْفٰى اَنَّ السِّيَرَ تَجْمَعُ الصَّحِيْحَ وَالضَّعِيْفَ وَالْمُرْسَلَ وَالْمُنْقَطِعَ۔

(سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۱)

’’یعنی یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ سیرت کی روایتوں میں صحیح اور ضعیف اور مرسل اور منقطع سبھی قسم کی روایتیں شامل ہیں۔‘‘

اور پھر امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے آئمہ حدیث کی زبانی اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ

اِذَا رَوَیْنَا فِی الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ شَدَّدْنَا وَاِذَا رَوَیْنَا فِی الْفَضَائِلِ وَ نَحْوِھَا تَسَاھَلْنَا (سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ا)

"یعنی ہمارا اصول یہ ہے کہ جب ہم حلال وحرام کے مسائل کے لئے کوئی روایت بیان کرتے ہیں تو ہم اس کی تحقیق میں بڑی سختی سے کام لیتے ہیں۔لیکن فضائل اور سیرۃ میں اپنے معیار کو نرم کر دیتے ہیں"

اور اسی اصول کی مزید تشریح یوں کرتے ہیں کہ

اَلَّذِیْ ذَھَبَ اِلَیْہِ کَثِیْرٌ مِنْ اَھْلِ الْعِلْمِ اَلتَّرَخُّصُ فِی الرَّقَائِقِ وَمَا لَا حُکْمَ فِیْہِ مِنْ اَخْبَارِ الْمَغَازِیْ وَمَا یَجْرِیْ مَجْرٰی ذَالِکَ وَاِنَّہٗ یُقْبَلُ فِی الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ لِعَدَمِ تَعَلُّقِ الْاَحْکَامِ بِھَا۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۲)

"یعنی اکثر اہل علم نے یہی طریق رکھا کہ ایسی باتیں جن میں شرعی احکام نہ بیان ہوں جیسے سیرت مغازی وغیرہ ان میں اپنے معیار کو نرم رکھنا چاہئے، کیونکہ ان امور میں ہم ایسی روایتوں کو بھی قبول کر سکتے ہیں جنہیں دینی اور فقہی احکام کے معاملہ میں قبول نہیں کر سکتے۔"

امام احمد بن حنبلؒ نے اس اصول کی تشریح میں ایک لطیف مثال بھی بیان کی ہے؛ چنانچہ فرماتے ہیں

اِبْنُ اِسْحَاقَ رَجُلٌ نَکْتُبُ عَنْہُ ھٰذِہِ الْاَحَادِیْثَ یَعْنِی الْمَغَازِیْ وَ نَحْوَھَا وَ اِذَا جَاءَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ اَرَدْنَا قَوْمًا ھٰکَذَا وَقَبَضَ اَصَابِعَ یَدَیْہِ الْاَرْبَع۔

(فتح المغیث صفحہ ۱۲۰)

"یعنی ابن اسحاق صاحب سیرۃ و مغازی بیشک اس رتبہ کے آدمی ہیں کہ ان سے سیرۃ و

تاریخ میں روایات لیتے ہوئے تامل نہیں ہونا چاہیئے ،لیکن جب حلال وحرام کے مسائل کا سوال ہوتو ہمیں ایسے آدمی چاہئیں ۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کی چار انگلیاں مضبوطی کے ساتھ ملا کر باہم جفت کرلیں ۔جس سے مراد یہ تھی کہ حدیث میں ایسے راوی درکار ہیں جن میں کوئی رخنہ نہ نکالا جاسکے۔

الغرض حدیث اور سیرۃ کی روایات کے معیار میں ہمیشہ سے ایک اصولی فرق مدّنظر رکھا گیا ہے اور یہی ہونا چاہئے تھا، کیونکہ حدیث میں جس کی روایت نے دین کی بنیاد بننا تھا سخت معیار رکھنا ضروری تھا تا کہ کوئی کمزور روایت حدیث کے ذخیرہ میں راہ پا کر دینی فتنہ کا باعث نہ بنے، لیکن سیرۃ وتاریخ میں یہ پہلو ایسا خطرناک نہیں تھا۔ بلکہ سیرۃ وتاریخ میں زیادہ قابل توجہ یہ بات تھی کہ اساسی مواد جمع ہو جائے جس میں بعد میں اصولِ مقررہ کے ماتحت چھان بین کی جا سکے۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی کُتب حدیث کا روایتی پہلو کتب سیرۃ ومغازی وغیرہ کی نسبت بہت زیادہ مضبوط اور بلند سمجھا گیا ہے۔مگر یہ کوئی نقص نہیں ہے بلکہ ایسا ہی ہونا چاہئے تھا تا کہ جہاں ایک طرف دین کو فتنہ واختلاف سے بچایا جاتا وہاں تاریخ میں جامعیّت قائم رہتی۔خوب سوچ لو کہ تاریخ کے لئے یہی پالیسی مناسب تھی۔سوائے اس کے کہ کوئی روایت بالبداہت غلط اور باطل ہو ہر وہ روایت لے لی جاوے تا کہ بعد کی تحقیق اور ریسرچ کے لئے ایک بنیادی ذخیرہ محفوظ ہو جائے مگر حدیث کے لئے یہ پالیسی سخت نقصان دہ تھی، کیونکہ اس کے لئے ضروری تھا کہ معیار کو ایسا سخت رکھا جائے کہ خواہ کوئی مضبوط روایت گر جائے مگر بہر حال جو حدیث لی جائے وہ پختہ اور قابل اعتماد ہو۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ احادیث کا سارا مجموعہ غلطی سے پاک ہے یا یہ کہ سیرۃ وتاریخ کا مجموعہ کمزور روایات پر مبنی ہے بلکہ غرض صرف یہ ہے کہ بالعموم حدیث کا معیار سیرۃ وتاریخ سے بالا و بلند ہے۔اور اسی لئے مسلمان مؤرخین میں سے جو لوگ زیادہ

محقق گزرے ہیں انہوں نے سیرۃ وتاریخ کے واقعات کے لئے ان روایات کو ترجیح دی ہے جو دینی مسائل کے ضمن میں کتب حدیث میں مروی ہوئی ہیں۔ اور مصنّف کتاب ہذا کا بھی تصنیف میں یہی مسلک رہا ہے۔‘‘

(سیرت خاتم النبیّین حصہ اوّل صفحہ ۱۰ تا ۲۴ مصنّفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ سن اشاعت ۲۰۰۱ شائع شدہ نظارت نشر و اشاعت قادیان)

ایک بنیادی اصول

ہمارے وہ علماء کرام جنہوں نے شاتمِ رسول یا گستاخِ رسول کی سزا قتل کے مؤقف کو اختیار کیا ہے انہوں نے جن آیاتِ قرآنی یا حدیثِ رسول ﷺ وروایات و درایت کو اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کیا ہے ان کو پیش کر کے ان پر کچھ لکھنے سے قبل ایک اصولی بات پیش کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے ہمارے ہاتھ میں تین چیزیں دی ہیں سب سے اوّل نمبر پر قرآن کریم ہے جو کہ اللہ کا کلام ہے جو غیر محرف و مبدّل ہے جس کی حفاظت کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہی کیا ہے۔ دوسرے نمبر پر سنّت رسول ﷺ ہے جو کہ آپ کا عمل ہے۔ تیسری چیز حدیث ہے۔

قرآن کریم کی شریعت کا نزول آنحضرت ﷺ پر وحی کے ذریعہ ہوا اور یہ ایک ایسی شریعت ہے جو قیامت تک کے لئے ہے جس میں کسی تبدیلی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے جیسے قرآن کریم کا نزول ہوا ویسے ویسے ہی آنحضرت ﷺ نے اسے خود بھی یاد رکھا اور آپ ؐ کے ساتھ ساتھ صحابہ رضوان اللہ علیھم نے بھی یاد کیا۔ اس کا ایک ایک لفظ خدا کا کلام ہے جس میں کسی قسم کی غلطی کا کوئی احتمال نہیں۔ اس کا کوئی بھی حکم خواہ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے وہ قابل عمل ہے یہ ایک کامل اور مکمل شریعت ہے جس میں کسی قسم کی کوئی کمی دکھائی نہیں دیتی۔ اس کا ہر حکم حدیث وسنّت پر آخری ڈگری کا حکم رکھتا ہے۔ اگر کوئی حدیث یا سنّت کی کوئی بات قرآن کریم کے کسی حکم سے ٹکرا جائے تو فیصلہ قرآن کریم کے مطابق ہوگا۔ اختلاف کی بنا پر اگر کوئی توجیح ہو سکتی ہو جو قرآن کریم کے کسی حکم سے نہ ٹکرائے تو کی جا سکتی ہے جس میں انسانی عقل کا بھی دخل ہے کہ وہ خود بھی اس امر پر غور کرے اور وہ راستہ اختیار کرے جس کی طرف قرآن

کریم کی شریعت راہنمائی کرتی ہے۔اس بات کو بیان کرنااس لئے ضروری ہے آئندہ پیش آمدہ امور میں قرآن وسنّت اور حدیث کے حوالہ سے جب بات ہوگی تو اس اصول کو مدنظر رکھنا ضروری ہوگا تا کہ بات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔روایت اور درایت کے اصول جوفقہاء اور علماء نے مرتب کئے ہیں وہ بھی آپ کے سامنے بیان کر دئے گئے ہیں جواس بات کی بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کوعقل سلیم بھی عطا کی ہے اس لئے اس کا استعمال بھی ضروری ہے خاص طور پر ایسے مقامات پر جہاں قرآن کریم یا آنحضرت ﷺ کی ذات مبارکہ پر زد پڑتی ہو۔آنحضرت ﷺ کا مقام ومرتبہ کیا ہے اس سے ہر مسلمان اچھی طرح واقف ہے اور قرآن کریم کی عظمت بھی کسی سے پوشیدہ نہیں اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ایک طرف تو ہم قرآن کریم کی تعلیمات کو پیش نظر رکھیں اور دوسری طرف ان تعلیمات پر رسول مقبول ﷺ کے عمل کولوگوں کے سامنے اسوۂ کے طور پر پیش کریں۔توہین رسالت کے حوالے سے سزاؤں کے سلسلہ میں جہاں بات ہوگی اوپر بیان کردہ امور کو مدنظر رکھنا بہت ضروری ہوگا۔ خاص طور پر ان واقعات پر چھان بین اور غور خوض کی ضرورت ہوگی جو تاریخ میں رسول مقبول ﷺ کی جانب سے جاری کی گئی سزاؤں کے سلسلہ میں درج ہیں۔ان کے بارے میں دیکھنا ہوگا کہ کون کون سی ایسی وجوہات تھیں جن کی بنا پر ایسے خطرناک دشمنان رسول اور دشمنان اسلام کوقتل کرنے کا آنحضور ﷺ نے حکم صادر فرمایا۔

جہاں تک ہمارے پیارآقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی ذات مبارکہ کی بات ہے تو آپؐ نہایت درجہ رقیق القلب اور شفقت کرنے والے رحم دل عفو و درگزری سے کام لینے والے تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کوساری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الانبیاً آیت ۱۰۸)

یعنی اور (اے نبی) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت (بنا کر) بھیجا ہے

اس بات میں کیا شک ہے کہ واقعی آپؐ تمام جہانوں کے لئے رحمت تھے بنی نوع انسان سے لے کر چرند پرند تک بھی آپؐ کی رحمت سے مستفید ہوئے۔ آپؐ کی رحمت کے پہلو کو دیکھتے ہوئے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپؐ نے کسی دشمن پر بھی ایسی سختی کی ہو جس میں رحمت کا پہلو نہ پایا جاتا ہو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبہ ۱۲۸)

یعنی (اے لوگو) تمہارے پاس تمہاری ہی قوم میں سے ایک فرد رسول ہو کر آیا ہے۔ تمہارا تکلیف میں پڑنا اس پر شاق گزرتا ہے اور وہ تمہارے لئے خیر کا بہت بھوکا ہے اور مومنوں کے ساتھ محبّت کرنے ولا (اور) بہت کرم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کو خطاب فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ یہ وہ رسول ہے کہ جب تم میں سے کسی کو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کو بہت شاق گزرتا ہے کیونکہ یہ رسول کسی کا بھی تکلیف میں پڑا ہونا پسند نہیں کرتا اور ہمیشہ ہی یہ تمہارے لئے خیر چاہنے والا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بات بھی بیان فرما دی کہ جہاں تک اس کو مومنوں سے تعلق کی بات ہے تو یہ رسول مومنوں سے بہت محبت کرنے والا ہے۔ رسول کریم ﷺ کی سیرت پر غور کرنے سے ہر معاملہ میں یہ پہلو بھی نمایاں دکھائی دیتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ (آل عمران ۱۶۰)

یعنی اور تو اس عظیم الشان رحمت کی وجہ سے (ہی) جو اللہ کی طرف سے (تجھے دی گئی) ہے ان کے لئے نرم واقع ہوا ہے اور اگر تو بد اخلاق اور سخت دل ہوتا تو یہ لوگ تیرے گرد سے تتّر بتّر ہو جاتے پس تو انہیں معاف کر دے اور ان کے لئے (خدا سے) بخشش مانگ اور حکومت (کے معاملات) میں ان سے مشورہ (لیا) کر پھر جب تو (کسی بات کا) پختہ ارادہ کرلے تو اللہ پر توکل کر۔ اللہ توکل کرنے والوں سے یقیناً محبت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بھی یہ بات بیان فرمائی ہے کہ اے محمد ﷺ لوگوں کی خاطر تیرے دل میں جو نرمی پائی جاتی ہے وہ اس لئے ہے کہ ہم نے تجھے عظیم الشان رحمت سے نوازا ہے۔ اگر یہ لوگ کوئی غلطی بھی کریں تب بھی تو انہیں معاف کر دے نہ صرف معاف کر بلکہ اللہ تعالیٰ سے ان لوگوں کے لئے بخشش بھی طلب کر۔ پس یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے اشد ترین دشمنوں کو بھی معاف کیا اور ان کے ساتھ نرمی کا سلوک فرمایا اور ان لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش کی دعا بھی کی۔ ان آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کی طرف سے عطا کی گئی رحمت کے ہر فرد بشر کے لئے عام تھی بلکہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس رحمت سے محروم نہ تھا۔ پس آپؐ کی رحمت وشفقت کا پہلو ہمیں ہر جگہ پھیلا ہوا صاف دکھائی دیتا ہے۔ پس جب ہم ان واقعات پر غور کریں گے جو سزاؤں سے تعلق رکھتے ہیں وہاں ہمیں آنحضور ﷺ کے اس رحمت کے پہلو کو بھی ضرور مدنظر رکھنا ہوگا۔ اور اس بات پر عمیق نظر سے غور کرنا ہوگا کہ آنحضور ﷺ نے جن لوگوں کے بارے میں سخت فیصلہ لیتے ہوئے انہیں قتل

کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا اس کی وجوہات کیا تھیں۔ کیا ایسے لوگوں کو صرف رسول خدا ﷺ کی توہین کرنے کی بنا پر قتل کیا گیا یا پھر اس کی کوئی اور بھی وجوہات تھیں۔ ایک طرف تو ہمیں ایسے بہت سے واقعات دکھائی دیتے ہیں رسول کے مخالفوں نے رسول کریم ﷺ کے سامنے ہی آپؐ کی توہین کی اور استہزآ کیا مگر آپؐ نے انہیں معاف فرما دیا اور انہیں کسی قسم کی بھی کوئی سزا نہیں دی۔ تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ آپؐ بعض کے لئے صرف توہین کی بنا پر قتل کا حکم فرما دیں۔ جبکہ قرآن کریم میں ہمیں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا کہ کسی بھی نبی نے استہزآ کرنے والوں میں سے کسی کو قتل کرنے کا حکم دیا ہو یا کسی کو اس بنا پر قتل کر دیا ہو۔ تو ایسا نبی جسے اللہ تعالیٰ نے ساری جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہو وہ صرف کسی کے استہزآ کرنے یا توہین کرنے کی بنا پر کسی کو قتل کرنے کا حکم کس طرح صادر فرما سکتا ہے۔ اس لئے ایسے واقعات پر ہمیں بہت زیادہ غور و تدبر کی ضرورت ہے کہ قتل کرنے کے واقعات میں تمام پہلوؤں پر غور کر کے اصل وجوہات کو تلاش کیا جائے۔ جس پر آئندہ جو واقعات پیش ہوں ان پر غور کیا جا سکے گا۔ ان شأاللہ۔

احادیث اور توہین رسالت کی سزا

ہمارے ایسے علماء جو توہین رسالت کی سزا قتل مانتے ہیں انہوں نے بعض احادیث اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کی ہیں۔ بعض علماء نے تو حوالے پیش کئے ہیں اور بعض کوئی حوالہ بھی پیش نہیں کیا۔ کچھ علماء نے واقعات کو ذکر کرتے وقت واقدی کی بعض روایات پیش کی ہیں۔ جب کہ بہت سے علماء کا یہ بھی ماننا ہے کہ واقدی ان لوگوں میں شامل ہے جو جھوٹے قصے اور واقعات بیان کرنے اور بناوٹی باتوں کو حقیقت کا رنگ بھر کے پیش کرنے میں ماہر ہے۔ اس لئے واقدی کی روایات پر انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جو واقعات احادیث میں پیش ہوئے ہیں ان پر غور کیا جانا ضروری ہے۔ احادیث پر غور کرنے کے ساتھ اس بات کو بھی مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے کہ جو روایت پیش کی جا رہی ہے اور جسے رسول کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے وہ کہیں قرآن کریم کی کسی واضح تعلیم کے خلاف تو نہیں؟ اگر ایسی بات دکھائی دے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس حدیث کی کوئی نہ کوئی توجیح کرنی ہوگی جو کہ قرآن کے عین مطابق ہو۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی طرف سے کوئی ایسی بات کہیں جو کہ قرآن کریم کی تعلیم کی صریح خلاف ہو۔ علماء نے توہین رسالت کی سزا قتل کو ثابت کرنے کے لئے جن احادیث کا سہارا لیا ہے وہ چند ہی ہیں اور عجیب بات ہے کہ تمام علماء نے ہی ان احادیث کو اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کیا ہے۔ کسی نے کسی حدیث کو پہلے پیش کر دیا اور کسی نے کسی دوسری حدیث کو۔ اور دیکھا جائے تو امام ابن تیمیہؒ نے ان ساری احادیث کو ہی بیان کر دیا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے جس حدیث کو سب سے پہلے بیان کیا ہے وہ حدیث ہے جس میں ایک نابینا شخص کے ایک یہودیہ کے قتل کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ لکھا ہے کہ

"شعبی نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی عورت رسول کریم ﷺ کو

گالیاں دیا کرتی تھی۔ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا تو آپ ﷺ نے اس عورت کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔''

(سنن ابوداؤد۔رقم الحدیث ۴۳۶۲)

سب سے پہلی بات جو اس حدیث کے سلسلہ میں معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث کے نیچے درج ہے کہ ''ضعیف الاسناد'' کہ اس حدیث کی جو سند ہے وہ ضعیف ہے۔جو حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہو اس پر بحث کرنے کا کوئی مقصد ہی دکھائی نہیں دیتا۔

اسی طرح اس سے ملتی جلتی ایک اور حدیث بھی اس طرح سے بیان ہوئی ہے کہ

''اسماعیل بن جعفر نے بطریق اسرائیل از عثمان شحّام از عکرمہ از ابن عباس سے روایت کیا کہ ایک اندھے شخص کی ام ولد لونڈی تھی جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی وہ اسے روکتا مگر وہ باز نہ آتی وہ ڈانٹتا مگر وہ رکتی نہ تھی۔ایک رات اس نے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے کا آغاز کیا۔اس نے بھالا لیکر اس کے شکم میں پیوست کر دیا اور اسے زور سے دبا دیا جس سے وہ ہلاک ہوگئی۔صبح کو اس کا تذکرہ رسول کریم ﷺ سے کیا گیا تو لوگوں کو جمع کر کے آپ ﷺ نے فرمایا

''میں اس آدمی کو قسم دیتا ہوں جس نے کیا جو کچھ کیا اور میرا اس پر حق ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے''

یہ سن کر اندھا آدمی کھڑا ہوا اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آپ ﷺ کے پاس آیا اور بیٹھ گیا اور کانپ رہا تھا۔اس نے کہا' یارسول اللہ! اسے میں نے قتل کیا ہے وہ آپ ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔میں اسے روکتا اور وہ باز نہ آتی تھی۔میں اسے ڈانٹ ڈپٹ کرتا مگر وہ پرواہ نہ کرتی۔میں نے بھالا لیکر اس کے پیٹ میں گاڑ دیا اور اسے زور سے دبا دیا۔اس کے

بطن سے میرے دو ہیروں جیسے بیٹے ہیں۔ وہ میری رفیقہ حیات تھی۔ گزشتہ شب جب وہ آپ ﷺ کو گالیاں بکنے لگی تو میں نے بھالا لے کر اس کے پیٹ میں گاڑ دیا اور اسے زور سے دبا دیا حتیٰ کہ وہ مرگئی۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

"تم گواہ رہو کہ اس کا خون ہدر ہے"   (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۳۶۱)

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۱۲۶ و ۱۲۷)

اس جگہ یہ دو احادیث پیش کی گئی ہیں ان دونوں احادیث کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی واقعہ کو کچھ کمی بیشی سے بیان کیا گیا ہے امام ابن تیمیہؒ نے بھی اسی خیال کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"ممکن ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہو جیسا کہ امام احمدؒ کے کلام سے واضح ہوتا ہے۔ بروایت عبداللہ امام احمد سے روایت کیا گیا کہ ذمّی اگر رسول کریم ﷺ کو گالی دے تو اس کو قتل کرنے کے بارے میں کوئی حدیث وارد ہوئی ہے۔؟ فرمایا: جی ہاں! ان میں سے ایک حدیث اندھے شخص کے بارے میں ہے جس نے عورت کو قتل کیا تھا۔ فرمایا کہ اس نے اسے گالی دیتے ہوئے سنا تھا۔ پھر عبداللہ نے امام احمد سے دونوں حدیثیں روایت کی ہیں۔ ممکن ہے کہ پہلے اس شخص نے اس کا گلا گھونٹا ہو اور پھر بھالا اس کی شکم میں پیوست کر دیا ہو یا ہو سکتا ہے کہ ایک روایت میں قتل کی کیفیت محفوظ نہ ہو"

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۱۲۷)

غور کیا جائے تو یہ بات صاف دکھائی دیتی ہے کہ ان دونوں احادیث میں ایک ہی واقعہ بیان ہوا ہے یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ دو اشخاص کی بیویاں یہودی ہوں اور دونوں ہی گالیاں دیتی ہوں اور دونوں نے ہی اپنی بیویوں کو قتل کیا ہو ۔ قاضی ابویعلی کا بھی یہی خیال ہے۔ اور یہ امر

بعید از قیاس نہیں ہے۔

ان روایات پر غور کرتے ہوئے ان امور کو یاد رکھنا بہت ضروری ہے کہ اوّل یہ عورت یہودیہ تھی۔دوم یہ کہ اس کی حیثیت ذمّی کی تھی۔سوم یہ کہ اس عورت کا تعلق یہود کے قبیلہ بنو قینقاع سے تھا اور یہ وہ قبیلہ تھا جس نے مسلمانوں کے ساتھ کئے گئے عہد کو سب سے پہلے توڑا تھا۔چہارم یہ کہ یہ یہودیہ مدینہ میں ایک مسلمان کے گھر تھی اور اس نابینا شخص کے بچوں کی ماں تھی۔پنجم یہ کہ اس قتل کا مقدمہ رسول کریم ﷺ کے سامنے پیش ہوا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ العالمین بنا کر بھیجا تھا۔ششم یہ کہ اس حدیث میں ایسا کوئی لفظ دکھائی نہیں دیتا کہ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ رسول کریم ﷺ نے اس فعل کو قابل تحسین ٹھہرایا ہو۔ہفتم یہ کہ کسی عالم نے بھی اس حدیث کے پیش کرنے کے ساتھ کوئی بھی ایسی حدیث پیش نہیں کی کہ اور نہ ہی کر سکتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایسا فعل کرنے والے کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا ہو۔اور نہ ہی ایسی کوئی حدیث پیش کی ہے یا کی جا سکتی ہے کہ یہ قتل رسول کریم ﷺ کے حکم سے کیا گیا ہے۔یا آئندہ ایسی گستاخی کرنے والے کے لئے قتل کو جائز ٹھہرایا ہے۔

تمام مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو آپؐ نے مدینہ میں پہنچ کر سب سے پہلا کام ہی یہ کیا تھا کہ آپؐ نے مدینہ کے اندر اور قریب قریب میں یہود کے جو قبیلے آباد تھے ان کے ساتھ ایک معاہدہ کیا اور یہود کو بھی آپؐ نے اس معاہدہ پر پابند رہنے کو کہا اور خود مسلمانوں کی طرف سے آپؐ نے اس کی ذمہ داری لی۔وہ معاہدہ کیا تھا اس جگہ میں درج کرنا مناسب خیال کرتا ہوں تا کہ اس معاہدہ کی روشنی میں غور کیا جا سکے۔کیونکہ توہین رسالت کے جرم میں قتل کئے جانے کے ثبوت کے طور پر جن لوگوں کی سزاؤں کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے اکثر کا تعلق ان معاہد سے ہے جو یہود اور

زمیوں میں سے ہیں۔اس وقت جو معاہدہ ہوا وہ اس طرح سے تھا۔

مہاجرین وانصار اور یہود کا تاریخی معاہدہ

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ یہ نوشتہ یادستہ ویز ہے جو محمد (ﷺ) کی طرف سے جو نبی ہیں قریش اور اہل یثرب میں سے ایمانداروں اور اطاعت گزاروں نیز ان لوگوں کے درمیان جو ان کے تابع ہوں' ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیں۔

۱۔دوسرے لوگوں کے بالمقابل وہ ایک امت' (سیاسی وحدت) ہوں گے

۲۔قریش کے مہاجر قبل اسلام کے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے۔اور اپنے اسیروں کا فدیہ ادا کریں گے تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۳۔اور بنی عوف کے لوگ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۴۔اور بنی حارث اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے۔اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۵۔اور بنی ساعدہ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے۔اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۶۔اور بنی جُشم اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے۔اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۷۔اور بنی نجّار اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے۔اور ہر گروہ اپنے قیدی خود

فدیہ دے کرچھڑائے گا تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۸۔اور بنی عمر بن عوف اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے۔اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ دے کرچھڑائے گا تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۹۔اور بنی النّبیت اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے۔اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ دے کرچھڑائے گا تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۰۔اور بنی اوس اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے۔اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ دے کرچھڑائے گا تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۱۔اور ایماندار لوگ کسی مفلس اور زیر بار شخص کو مدد دئے بغیر نہ چھوڑیں گے تا کہ اس کا فدیہ یا خون بہا بخوبی ادا ہو سکے۔

۱۲۔اور کوئی مومن کسی دوسرے مومن کی اجازت کے بغیر اس کے مولیٰ (معاہداتی بھائی) سے معاہدہ نہ کرے گا۔

۱۳۔اور متقی اور ایماندار ہر اس شخص کی مخالفت پر کمر بستہ رہیں گے جو ان میں سے سرکشی کرے، جو ظلم یا گناہ یا زیادتی کا مرتکب ہو یا ایماندار لوگوں میں فساد پھیلائے ان سب کے ہاتھ ایسے شخص کی مخالفت پر ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۴۔اور کوئی ایماندار کسی ایماندار کو کافر کی خاطر قتل نہ کرے گا اور نہ کسی ایماندار کے خلاف کافر کی امداد کرے گا۔

۱۵۔اور خدا کا ذمہ ایک ہی ہے مسلمانوں میں سے ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دیکر سب پر پابندی عائد کر سکے گا اور ایماندار دوسرے لوگوں کے مقابلے میں باہم بھائی بھائی ہیں۔

۱۶۔اور یہودیوں میں سے جو اتباع کرے گا اسے امداد و مساوات حاصل ہوگی۔نہ ایسے

لوگوں پر ظلم ہوگا اور نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی۔

۱۷۔ایمانداروں کی صلح ایک ہی ہوگی۔اللہ کی راہ میں ہوتو کوئی ایماندار کسی دوسرے ایماندار کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا جب تک یہ صلح سب کے لئے برابر نہ ہو۔

۱۸۔وہ تمام گروہ جو ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے ایک دوسرے کے پیچھے ہونگے۔

۱۹۔اور ایماندار اس چیز کا بدلہ لیں گے جو خدا کی راہ میں ان کے خون کو پہنچے۔

۲۰۔اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ متقی ایماندار سب سے بہتر اور سب سے سیدھے راستے پر ہے۔

۲۱۔اور کوئی مشرک قریش کے مال اور جان کو پناہ نہ دیگا اور نہ ایماندار کے لئے اس سلسلہ میں رکاوٹ بنے گا۔

۲۲۔اور جو شخص کسی مومن کو ناحق قتل کرے گا اور گواہوں سے اس کا ثبوت بھی مل جائے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا' بجز اس صورت کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے اور تمام ایماندار اس کی تعمیل کے لئے اٹھیں گے اور اس کے سوا ان کے لئے کوئی صورت جائز نہ ہوگی۔

۲۳۔اور کسی ایماندار کے لئے جو اس نوشتے یا دستاویز کے مندرجات کا اقرار کر چکا ہے، نیز خدا اور یوم آخرت پر ایمان لا چکا ہے، جائز نہیں کہ کسی فتنہ اٹھانے والے کی مدد کرے یا اسے پناہ دیگا۔قیامت کے دن خدا کی لعنت اور غضب کا مستوجب ٹھہرے گا اور اس سے کوئی فدیہ یا بدلا قبول نہ کیا جائے گا۔

۲۴۔اور جب کبھی تم میں کسی چیز کے متعلق ،اختلاف پیدا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۵۔اور یہودی جب تک ایمانداروں کے ساتھ مل کر جنگ کرتے رہیں گے مصارف بھی برداشت کرتے جائیں گے۔

۲۶۔اور بنی عوف کے یہودی ایمانداروں کے ساتھ ایک امت (سیاسی وحدت) تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یہودی اپنے دین پر رہیں مسلمان اپنے دین پر خواہ موالی ہوں یا اصل البتہ جو لوگ ظلم اور جرم کے مرتکب ہونگے وہ اپنی ذات یا گھرانے کے سوا کسی کو ہلاکت وفساد میں نہیں ڈالیں گے۔

۲۷۔اور بنی نجار کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۸۔اور بنی حارث کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۹۔اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۰۔اور بنی جشم کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۱۔اور بنی اوس کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۲۔اور بنی نجار ثعلبہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔البتہ جو ظلم اور جرم کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مبتلائے ہلاکت وفساد نہ ہوگا۔

۳۳۔اور جفنہ بھی بنی ثعلبہ کی شاخ ہیں انہیں بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو اصل کو۔

۳۴۔اور بنی شطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو بنی عوف کے یہودیوں کو وفا شعاری ہو نہ کہ عہد شکنی۔

۳۵۔اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو اصل کو۔

۳۶۔اور یہودیوں کے قبائل کی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو اصل کو۔

۳۷۔اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد (ﷺ) کی اجازت کے بنا جنگ کے لئے نہ نکلے گا۔

۳۸۔اور زخم کا بدلہ لینے میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے گی۔جو شخص خون ریزی کرے تو ذمہ داری اس پر اور اس کے گھرانے پر ہوگی۔بجز اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو اور خدا اس کے ساتھ ہو۔

۳۹۔یہودی اپنے خرچ کے ذمہ دار ہونگے اور مسلمان اپنے خرچ کے۔

۴۰۔جو کوئی اس دستور العمل کو قبول کرنے والوں کے خلاف جنگ کرے تو وہ (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔وہ ایک دوسرے کی خیر خواہی پر عمل پیرا ہونگے اور باہم مشورے کریں گے وفا کا شیوہ ہوگا نہ کہ عہد شکنی۔

۴۱۔کوئی شخص اپنے حلیف کی بد عملی کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے گا اور مظلوم کو بہر حال مدد دی جائے گی۔

۴۲۔یہودی اس وقت تک مصارف برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جنگ میں شریک رہیں گے۔

۴۳۔یثرب کا میدان اس نوشتے کو ماننے والوں کے نزدیک مقدّس و محترم ہوگا۔

۴۴۔ پناہ گزین سے ویسے ہی برتاؤ ہوگا جیسا کہ اصل شخص پناہ دہندہ سے ہو رہا ہو۔ نہ اسے کوئی نقصان پہنچایا جائے اور نہ وہ کسی جرم کا مرتکب ہوگا۔

۴۵۔ کسی عورت کو اس کے کنبے والوں کی اجازت کے بغیر پناہ نہ دی جائے گی۔

۴۶۔ اس نوشتے کو قبول کرنے والوں کے درمیان کوئی نیا معاملہ یا جھگڑا پیدا ہو جس پر فساد رونما ہونے کا ڈر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس نوشتے میں جو کچھ ہے، اللہ تعالیٰ کو اس پر زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفاداری پسند ہے۔

۴۷۔ نہ قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ اس شخص کو جو ان کا معاون ہو۔

۴۸۔ اگر کوئی یثرب پر حملہ آور ہو تو ان (معاہد فریقوں یعنی یہودیوں اور مسلمانوں پر) ایک دوسرے کی امداد و نصرت لازم ہوگی۔

۴۹۔ اگر انہیں صلح کر لینے اور اس میں شرکت کرنے کی دعوت دی جائے گی تو یہ اسے قبول کر لیں گے اور شریک ہونگے اسی طرح جب وہ کسی کو صلح کے لئے بلائیں گے تو اسے قبول کریں گے اور مسلمانوں پر بھی قبول کر لینا لازم ہوگا بجز اس صورت کے کہ کوئی دینی جنگ کرے۔

۵۰۔ ہر شخص کے حصے میں اسی کی مدافعت آئے گی جو اس کے بالمقابل ہوگا۔

۵۱۔ اور اوس کے یہودیوں کو اصل ہوں یا موالی وہی حقوق حاصل ہونگے جو اس نوشتے کے ماننے والوں کو حاصل ہیں۔

۵۲۔ یہ نوشتہ کسی ظالم یا مجرم کے آڑے نہ آئے گا جو شخص جنگ کے لئے نکلے وہ بھی اور جو شخص گھر میں بیٹھا رہے وہ بھی امن کا مستحق ہوگا۔ صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو ظلم یا جرم کے مرتکب ہونگے۔

۵۳۔خدا اس شخص کا حامی ہے جو عہد و اقرار میں وفا شعار اور پرہیز گار اور اللہ کے رسول محمد (ﷺ) بھی اس کے حامی ہیں۔‘‘

(سیرت النبی کامل ابن ہشام جلد اول صفحہ ۵۵۴ تا ۵۶۱ مطبوعہ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس سوئی والان دہلی۔سنِ اشاعت ۱۹۸۲)

قارئین! یاد رہے کہ میں نے اس معاہدہ کا پورا متن اس جگہ درج کر دیا ہے۔اس معاہدہ کا ان لوگوں کے ساتھ گہرا تعلق ہے جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انہیں توہین رسالت کے جرم میں قتل کیا گیا تھا۔حالانکہ اس معاہدہ میں اس بات کو بڑی وضاحت سے درج کیا گیا تھا کہ

’’اور متقی اور ایماندار ہر اس شخص کی مخالفت پر کمر بستہ رہیں گے جو ان میں سے سرکشی کرے، جو ظلم یا گناہ یا زیادتی کا مرتکب ہو یا ایماندار لوگوں میں فساد پھیلائے ان سب کے ہاتھ ایسے شخص کی مخالفت پر ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

’’یہ نوشتہ کسی ظالم یا مجرم کے آڑے نہ آئے گا جو شخص جنگ کے لئے نکلے وہ بھی اور جو شخص گھر میں بیٹھا رہے وہ بھی امن کا مستحق ہوگا۔صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو ظلم یا جرم کے مرتکب ہونگے‘‘

یہود کے قبیلوں کا ذکر کیا اور لکھا کہ

’’اور بنی نجار ثعلبہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہونگے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔البتہ جو ظلم اور جرم کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مبتلائے ہلاکت و فساد نہ ہوگا۔‘‘

اول تو سارا معاہدہ ہی قابل غور ہے تاہم جہاں یہود اور ذمّیوں کو سزا دینے کی بات ہوگی تو وہاں کم از کم اب تین شقوں کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہوگا۔اگر غور کیا جائے تو آنحضرت ﷺ

نے جن لوگوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا یا پھر قتل ہونے پر ان کا معاملہ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوا اور آپ ﷺ نے ان کے خون کو رائیگاں اور ہدر قرار دیا وہ دراصل اس معاہدہ کے توڑنے کے مجرم تھے۔ اور یہ عورت جس کے بارے میں اور ذکر کیا گیا ہے اس کا بھی تعلق اس قبیلہ سے تھا جنہوں نے اس معاہدہ کو توڑا تھا۔

امام ابن تیمیہؒ خود تحریر فرماتے ہیں کہ

''ابن اسحاق نے بطریق عاصم بن عمر بن قتادہ روایت کیا ہے کہ بنو قینقاع کے قبیلہ نے یہود میں سے سب سے پہلے عہد شکنی کا ارتکاب کیا۔ انہوں نے غزوہ بدر اور احد کے درمیان مسلمانوں کے ساتھ جنگ کا آغاز کیا، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا اور یہ آپ کے حکم کے مطابق قلعوں سے اتر آئے۔ جب آپ ﷺ نے ان پر قابو پا لیا تو رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی نے رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہا اے محمد ﷺ! میرے حلیفوں پر مہربانی کیجئے، آپ ﷺ نے اس سے اپنا رخِ مبارک پھیر لیا، اس نے اپنا ہاتھ رسول کریم ﷺ کے گریبان کے اندر داخل کیا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو، آپ اس قدر ناراض ہوئے کہ چہرے سے ناراضگی کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تجھ پر افسوس! مجھے چھوڑ دو۔'' اس نے کہا میں آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک آپ میرے حلیفوں پر مہربانی نہ فرمائیں گے۔ چار سو (۴۰۰) کھلے جسم کے جوان اور تین سو (۳۰۰) زرہ پوش، جنھوں نے مجھے سرخ وسیاہ سے بچایا تھا، آپ انہیں ایک ہی صبح میں کاٹ کر رکھ دیں گے! بخدا! میں زمانے کی گردشوں کا خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''میں نے ان کو تمہاری خاطر آزاد کیا۔''

باقی رہے بنو نظیر اور بنو قُریظہ کے قبائل تو وہ مدینہ سے باہر رہتے تھے اور رسول کریم ﷺ

کے ساتھ انہوں نے جو معاہدہ کیا ہوا تھا وہ کسی سے پوشیدہ نہ تھا۔(السیر والمغازی لابن اسحاق صفحہ ۳۱۴)

یہ مقتول عورت، جس کو نابینے آدمی نے قتل کیا تھا، قینقاع کے قبیلہ سے تھی کیونکہ یہ واقعہ مدینہ میں پیش آیا۔ بہر حال اس عورت کا تعلق قبیلہ قینقاع سے ہو یا کسی اور قبیلہ سے وہ ذمّی عورت تھی، اس لئے کہ مدینہ کے سب یہودی ذمّی تھے۔ یہ یہودیوں کی تین قسمیں تھیں اور وہ سب کے سب ذمّی تھے۔''

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۱۲۳)

اوپر پیش کئے گئے حوالوں کو دیکھنے سے چند امور سامنے آتے ہیں جو کہ بڑے غور طلب ہیں مثلاً ایک بات تو یہ سامنے آتی ہے کہ جو دو واقعات الگ الگ روایات اور اختلافِ عمل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں محققین کا یہ کہنا ہے کہ دراصل یہ ایک ہی واقعہ ہے جنہیں دو روایات میں اختلاف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس واقعہ سے جو نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے وہ درست نہیں مانا جا سکتا کہ ہر ایسے شخص کو قتل کیا جا سکتا ہے جو گالی دے۔ کیونکہ گالی دینے کے جرم میں کسی کو قتل کرنے کا جواز اور حکم ان روایات میں کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ کیونکہ اس واقعہ میں ایسی کوئی بات دکھائی نہیں دیتی کہ آنحضرت ﷺ نے اس قتل کو گالی دینے کے بدلہ میں درست عمل قرار دیا ہو۔ اگر گالی کے بدلہ میں قتل کو جائز قرار دیا جائے تو یہ قرآنی تعلیم اور انصاف کے بالکل برعکس دکھائی دیتا ہے کیونکہ قرآن کریم کا یہ واضح حکم ہے کہ ''تمہیں بدلہ لینے کا اسی قدر حق ہے جس قدر تم سے زیادتی کی گئی ہو۔''

دوسری بات جو ان روایات میں ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اس عورت کے گالیاں دینے کے جرم میں اسے قتل کرنے کا کسی کو کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ یہ اس نابینا شخص کا اپنا

ذاتی فعل تھا جسے اس نے خاموشی سے کیا تھا اور کان وکان بھی کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ اگر کسی کو بھی اس کی خبر ہوتی تو وہ پہلے ہی رسول کریم ﷺ کو بتا دیتا۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی شخص کو بھی ایسا کرنے کے لئے کوئی حکم صادر نہیں فرمایا تھا۔ اگر آپ ﷺ نے کوئی حکم صادر فرمایا ہوتا تو آپ اس طور پر دریافت نہ فرماتے۔ آپ کا اس طور سے دریافت فرمانا اس لئے تھا کہ تا آپ ﷺ کو یہ علم ہو سکے کہ اس عورت کو کس نے اور کس بنا پر قتل کیا ہے۔

جہاں تک اس خون کو ہدر قرار دینے کی بات ہے تو اس کی اور وجوہات دکھائی دیتی ہیں۔

ا۔ سب سے اول یہ کہ یہود نے جو معاہدہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ کیا تھا اس معاہدہ کو سب سے پہلے توڑنے والا وہی قبیلہ تھا جس قبیلہ سے اس عورت کا تعلق تھا۔ اور امام ابن تیمیہ خود ہی اپنی کتاب میں یہ لکھ چکے ہیں کہ اگر کوئی معاہد عہد توڑ دے کو وہ حربی ہو جاتا ہے۔ اور یہ عورت معاہدہ توڑنے والوں میں شامل تھی۔

۲۔ اس عورت کا قتل تو ہوا تھا لیکن کوئی ایسی شہادت موجود نہیں ہے کہ کسی نے اس قتل کی دیت کا مطالبہ کیا ہو۔ اگر دیت کا مطالبہ ہوتا بھی تب بھی دیت دینے کا کوئی جواز دکھائی نہیں دیتا کیونکہ یہ عورت معاہدہ توڑ کر پہلے ہی حربی بن چکی تھی۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس نابینا شخص کی بیوی بھی تھی۔ جس سے اس کے دو چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ عورت کو قتل کرنے کا فعل اس نابینا شخص کا اپنا ذاتی فعل تھا۔ قتل کی یا تو دیت ادا ہوتی یا خون بہا جس کا کوئی دعویدار نہ تھا۔ اس کا کسی نے کوئی مطالبہ بھی نہیں کیا تھا۔ اس لئے اس قتل کو ہدر قرار دیا گیا۔

۴۔ پھر اس کو ہدر قرار دینے کی ایک وجہ یہ بھی دکھائی دیتی ہے کہ اس شخص کے اس عورت

سے دو بچے تھے بچوں کی ماں کے نہ رہنے کی وجہ سے ان کی کفالت کی ذمہ داری اب باپ پر تھی۔ ماں کا سایہ اٹھ جانے کے بعد باپ کا سایہ بچوں کے سر پر رہے ہو سکتا ہے اس لئے بھی اس قتل کو ہدد قرار دیا ہو۔

۵۔ پانچویں بات یہ ہے کہ یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوا تھا۔ آپ ﷺ جہاں اللہ کے رسول تھے وہاں آپ حاکم وقت بھی تھے۔ آپ جو بھی فیصلہ فرماتے وہ ایک نبی اور ایک حاکم وقت کی طرف سے جاری کردہ فیصلہ تھا۔ جس پر کسی کو کوئی اعتراض کا یا اس سے اپنی مرضی کا جواز نکالنے کا کوئی حق نہیں رہتا کیونکہ آپ ﷺ نے ہدد کی کوئی وجہ بیان نہیں فرمائی خود سے یہ جواز نکال لینا کہ گالی دینے والے کو قتل کرنا جائز ہے اس لئے آپ ﷺ نے اسے ہدد قرار دیا کسی طرح بھی درست دکھائی نہیں دیتا۔ الغرض اس قتل کو صرف گالی دینے کی بنا پر ہدد قرار دینا کسی صورت میں بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں درست نہیں مانا جا سکتا۔ کیونکہ گالی وہ شخص دیتا ہے جو لاعلم ہے اور جس کو معلوم ہی نہیں کہ وہ جس کو گالی دے رہا ہے اس کا مقام کیا ہے تو اس کو سزا کیسے دی جاسکتی ہے ویسے بھی لاعلمی کی بنا پر صادر ہوا گناہ بھی قابل مواخذہ نہیں ہوتا۔ اسی بات کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ

(الانعام آیت نمبر ۱۰۹)

یعنی اور تم انہیں جنہیں وہ اللہ کے سوا (دعاؤں میں) پکارتے ہیں گالیاں نہ دو نہیں تو وہ دشمن ہو کر جہالت کی وجہ سے اللہ کو گالیاں دیں گے۔

قرآن کریم نے کس قدر صاف اور سیدھی بات بیان کی ہے کہ تم کسی غیر اللہ کو بھی گالی نہ دو اگر تم ایسا کرو گے تو یہ بتایا ہے کہ لوگ ناعلمی اور جہالت کی بنا پر خدا کو گالیاں دیں گے۔ اس

بات کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ آج کے دور میں بھی بہت سے لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو خدا کو گالیاں دیتے ہیں جبکہ خدا کو گالی دینا رسول کو گالی دینے سے بھی بڑا جرم ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس گالی کے بدلہ میں انہیں اس دنیا میں کوئی سزا دینے کی وعید نہیں فرمائی بلکہ یہ فرمایا کہ ایسے لوگ جو بھی عمل کرتے ہیں جب یہ ہمارے پاس آئیں گے تو پھر انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کیا جائے گا کہ تم لوگ کیسی کیسی باتیں اور عمل کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم کے حوالہ سے ہم پہلے بھی یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن کریم اللہ یا اس کے رسول کو گالی دینے والے کو قتل کرنے کا کہیں حکم نہیں دیتا ہاں ایسا کرنے والے کو اللہ کیا سزا دیگا یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔

۲۔دوسری دلیل کے طور پر کعب بن اشرف کے قتل کے واقعہ کی حدیث کو پیش کیا گیا ہے۔کعب بن اشرف وہ شخص ہے جس نے میثاق مدینہ پر دستخط کئے اور یہ معاہد تھا۔بخاری شریف میں آیا ہے کہ

''مجھ سے عبداللہ بن محمد نے بیان کیا کہا ہم سے سفیان نے انہوں نے عمر سے انہوں نے جابر بن عبداللہ سے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے آپ نے فرمایا کعب بن اشرف کے لئے کون کافی ہے۔محمد بن مسلمہ نے کہا کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کروں فرمایاہاں، انہوں نے کہاتو پھر مجھے اجازت دیجئے کہ جو چاہوں کہوں آپ نے فرمایااجازت ہے۔''

(صحیح بخاری مترجم جلد دوم پارہ ۱۲ کتاب الجہاد والسیر صفحہ ۱۶۱ و ۱۶۲ حدیث نمبر ۲۰۲ باب الْفَتْكِ بِاَهْلِ الْحَرْبِ اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس نئی دہلی)

امام بخاریؒ نے اس حدیث کو جس باب کے تحت پیش کیا ہے اس کا مطلب ہے ''حربی کافر کو اچانک دھوکے سے مارنے'' اس باب کو دیکھنے کے ساتھ ہی کعب بن اشرف کے قتل کی وجہ کا علم ہوجاتا ہے کہ یہ شخص حربی تھا۔تفصیل آگے پیش کی جائے گی۔

تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ بدر کی جنگ نے جس طرح مدینہ کے یہودیوں کی دلی عداوت کو ظاہر کردیا تھا یہ کسی سے چھپی نہ تھی اور یہ لوگ اپنی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں میں ترقی کرتے گئے۔چنانچہ کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔کعب گومذہباً یہودی تھالیکن دراصل یہودی النسل نہ تھا، بلکہ عرب تھا۔اس کا باپ اشرف بنونبہان کا ایک ہوشیار اور چلتا پرزہ آدمی تھا جس نے مدینہ میں آکر بنونضیر کے ساتھ تعلقات پیدا کئے اور ان کا حلیف بن گیااور بالآخر اس نے اتنا اقتدار اور رسوخ پیدا کرلیا کہ قبیلہ بنونضیر کے رئیس اعظم ابو رافع بن ابی الحقیق نے اپنی لڑکی اسے رشتہ میں دیدی۔اسی لڑکی کے بطن سے کعب پیدا ہوا جس

نے بڑے ہو کر اپنے باپ سے بھی بڑھ کر رُتبہ حاصل کیا۔ حتیٰ کہ اسے یہ حیثیت حاصل ہوگئی کہ تمام عرب کے یہودی اسے گویا اپنا سردار سمجھنے لگ گئے۔ کعب ایک وجیہہ اور شکیل شخص ہونے کے علاوہ ایک قادر الکلام شاعر اور ایک نہایت دولتمند آدمی تھا اور ہمیشہ اپنی قوم کے علماء اور دوسرے ذی اثر لوگوں کو اپنی مالی فیاضی سے اپنے ہاتھ کے نیچے رکھتا تھا (زرقانی) مگر اخلاقی نقطۂ نگاہ سے وہ ایک نہایت گندے اخلاق کا آدمی تھا اور خفیہ چالوں اور ریشہ دوانیوں کے فن میں اسے کمال حاصل تھا۔ (بحوالہ سیرت خاتم النبیین صفحہ ۴۶۶ و ۴۶۷)

مولانا اکبر نجیب آبادی تحریر فرماتے ہیں

''یہودیوں کو چونکہ مسلمانوں کی ترقی دل سے ناپسند تھی لہذا وہ قریش کی ہمدردی اور مسلمانوں کی بربادی کے لئے برابر کوشاں رہے۔ اب جنگ بدر کے بعد ان کی عداوت مسلمانوں کے ساتھ اور بھی بڑھ گئی اور آتش حسد میں جل کر وہ کباب بن گئے۔ چنانچہ جب بدر سے فتح کی خوش خبری لے کر حضرت زیدؓ بن حارث مدینہ پہنچے ہیں تو کعب بن اشرف نامی ایک یہودی نے اس خبر کو سن کر حضرت زیدؓ سے کہا کہ تیرا برا ہو، مکہ والے لوگوں کے بادشاہ اور اشراف عرب ہیں۔ اگر محمد (صلعم) نے ان لوگوں پر فتح پائی ہے تو پھر اس زمین پر رہنے کا کوئی لطف باقی نہیں رہا۔

جب اس خبر کی خوب تصدیق ہوگئی تو کعب بن اشرف مدینہ چھوڑ کر مکہ کی جانب چلا گیا۔ مکہ میں جا کر اس نے مقتولین بدر کے نوحے لکھنے اور سنانے شروع کئے۔ اور چند روز تک اپنے اشعار سنا سنا کر اہل مکہ کی آتش انتقام کے بھڑکانے میں مصروف رہا۔ پھر مدینہ آ کر مسلمانوں کی ہجو میں اشعار لکھتا اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتا رہا۔''۔۔۔۔

''اس نے اب علانیہ مسلمان عورتوں کے نام عشقیہ اشعار میں استعمال کرنے شروع

کئے۔اس سے مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوتا تھا۔ پھر اس نے آنحضرت صلعم کے قتل کی تدبیریں اورسازشیں شروع کیں۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضرتؐ رات کے وقت باہر نکلنے میں احتیاط سے کام لیتے تھے۔جب کعب بن اشرف کی شرارتیں حد سے بڑھ گئیں تو ایک صحابی محمد بن مسلمہؓ نے آنحضرت صلعم سے اس شریر کے قتل کی اجازت لینے کے بعد کئی دوستوں کو ہمراہ لیا اور اس کے گھر جا کر اس کو قتل کیا۔''

(تاریخ اسلام حصہ اول مصنفہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مطبوعہ تاج کمپنی دہلی صفحہ ۱۵۵و۱۵۶)

ان حوالوں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کعب بن اشرف کس قسم کا انسان تھا اور وہ کن کن ریشہ دوانیوں میں شامل تھا۔اس نے ایک جرم نہیں کیا بلکہ کئی جرموں کا مرتکب ہوا تھا۔یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ اس کا قتل توہین رسالت کی بنا پر کیا گیا تھا۔

اسی طرح سیرت حلبیہ میں لکھا ہے کہ

''حضرت زیدؓ کو آنحضرت ﷺ نے اپنی اونٹنی قصوری پر سوار کر کے بھیجا اور ایک قول ہے کہ عصباء نامی اونٹنی پر بھیجا کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی اور مسلمانوں کو جو عظیم فتح نصیب فرمائی ہے اس کی اطلاع لوگوں کو پہنچا دیں چنانچہ عالیہ کے علاقوں میں حضرت عبداللہ ابن رواحہ اور سافلہ کے علاقوں میں حضرت زید بن حارثہؓ نے جا کر اعلان کیا۔

''اے گروہ انصار! تمہیں خوشخبری ہو۔رسول ﷺ کی سلامتی اور مشرک کے قتل اور گرفتاری کی۔ساتھ ہی یہ دونوں کہتے جاتے تھے کہ قریشی سرداروں میں سے فلاں اور فلاں قتل ہو گئے اور فلاں فلاں گرفتار ہو گئے۔'' ان دونوں کے منہ سے یہ اعلان سن کر اللہ کا دشمن کعب بن اشرف یہودی ان کو جھٹلانے لگا۔وہ کہنے لگا۔

''اگر محمد ﷺ نے ان بڑے بڑے سورماؤں کو مار ڈالا ہے تو بہتر ہے زمین کی پشت پر رہنے سے زمین کے اندر رہنا۔یعنی زندہ رہنے سے موت بہتر ہے۔''

(سیرتِ حلبیہ اردو جلد چہارم صفحہ ۴۲، ۴۳ مطبوعہ زکریہ بکڈپو دیو بند سہارنپور یوپی)

اس حوالہ سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ شخص کس قدر متعصب تھا اسلام اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں کس قدر دشمنی رکھتا تھا

اسی طرح پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ الدراوی کعب بن اشرف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

''بنی نضیر سے اس کا سسرالی رشتہ تھا۔غزوہ بدر میں اسلام کی فتح کے بعد اس کا دل حسد و بغض سے بھر گیا اور اس نے کھل کر اپنی دشمنی کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ایک بار اس نے آنحضرت ﷺ کو دعوت کے بہانے سے بلایا اور کچھ آدمی متعیّن کر دئے کہ جب آپ تشریف لائیں تو قتل کر ڈالے جائیں ۔آپ ﷺ آ کر بیٹھے ہی نہیں تھے کہ جبریل امین نے آ کر آپ ﷺ کو ان کے ارادہ سے مطلع کر دیا،آپ ﷺ فوراً وہاں سے اٹھ کر جبریل امین علیہ السلام کے پروں کے سایہ میں باہر تشریف لائے ،اور واپسی پر اس کے قتل کا حکم دیدیا۔

اسلام کے خلاف سازشوں اور اہل مکہ و دیگر لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر بھڑکانے،اور مسلمان خواتین کی شان میں گستاخی کرنے اور ان کے متعلق عشقیہ غزلیں لکھنے رسول اللہ ﷺ سے کئے گئے عہد''میثاق مدینہ''کو پامال کرنے کے جرم میں رسول اللہ ﷺ نے کعب بن اشرف کا خون مباح کر دیا''

(شاتم رسول کی شرعی سزا صفحہ ۱۹۳۔۱۹۴)

کس قدر صاف بات لکھی ہے اس کے باوجود یہ کہنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ کعب بن اشرف کا قتل صرف اس لئے کیا گیا اور اس کو مباح الدم اس لئے قرار دیا گیا کہ وہ گستاخ رسول ﷺ

تھا۔ جبکہ اس کا صرف یہی جرم اس قابل نہیں بنتا کہ اس کو قتل کیا جاتا اسکے قتل کا سبب وہ سارے جرم ہیں جو اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ دراصل یہ شخص بہت بڑا فتنہ پرداز تھا۔

امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ

''ابن ابی اویس نے بطریق ابراہیم بن جعفر بن محمود بن محمد بن مسلمہ از خود، حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ کعب بن اشرف نے رسول کریم ﷺ سے معاہدہ کیا تھا کہ آپ ﷺ کے دشمن کی مدد نہیں کرے گا اور نہ آپ ﷺ سے جنگ کرے گا، پھر وہ مکہ گیا اور مدینہ واپس آ کر رسول کریم ﷺ کی عداوت کا اعلان کیا اور آپ ﷺ کی ہجو میں اشعار کہے، تب رسول کریم ﷺ نے صحابہ کو اس کے قتل کرنے کے لئے کہا۔''

آگے لکھا ہے

''اہل علم کے نزدیک یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہے کہ رسول کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہود کے تمام گروہوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا تھا۔ اس میں بنوقینقاع نضیر ارقریظہ کے قبائل سب شامل تھے، پھر جب بنوقینقاع نے معاہدہ توڑ دیا تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ جنگ کی، پھر کعب بن اشرف نے اپنا معاہدہ توڑ دیا اور اس کے بعد بنونضیر نے اور پھر بنوقریظہ نے۔ کعب بن اشرف کا تعلق بنونضیر کے ساتھ تھا۔ ان کا معامہ ظاہر ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ مصالحت کر لی تھی۔۔۔۔۔ ہم اس روایت پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ کعب بن اشرف رسول کریم ﷺ کا معاہد تھا، پھر اس نے آنحضرت ﷺ کی ہجو کی اور اپنی زبان سے آپ کو ایذاء پہنچائی تو آپ ﷺ نے اسے معاہدہ توڑنے والا قرار دیا۔''

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۱۳۱ و ۱۳۲ ۔ ۱۳۳)

اسی طرح سے لکھا ہے کہ

''کعب بن اشرف نے رسول کریم ﷺ اور صحابہ کی ایزا رسانی سے باز رہنے سے انکار کر دیا اور جب زید بن حارثہؓ فتح بدر اور مشرکین کو قتل کرنے کی بشارت لائے اور کعب نے قیدیوں کو جکڑے ہوئے دیکھا تو ذلیل و رسوا ہو گیا، پھر اس نے اپنی قوم سے کہا تم پر افسوس ہو، بخدا! زمین کا بطن تمہارے لئے اس سطح سے افضل ہے۔ یہ لوگوں کے سردار تھے جن کو قتل کیا گیا اور قیدی بنایا گیا، اب تمہارے پاس کیا باقی رہا؟ انہوں نے کہا ہم جب تک زندہ رہیں گے ان سے عداوت رکھیں گے، کعب نے کہا تم کیا ہو؟ اس نے تو اپنی قوم کو کچل دیا اور قتل کر دیا، البتہ میں قریش کی طرف جاؤں گا اور ان کے مقتولوں پر نوحہ گری کرونگا ہو سکتا ہے کہ اس پر وہ برانگیختہ ہو جائیں اور میں بھی ان کے ساتھ جنگ کے لئے نکلوں۔

چنانچہ کعب مکہ آیا اور اپنا سامان ابو وداعہ بن ابی صہیر سہمی کے پاس رکھ دیا۔ اس کی بیوی عاتکہ بنت آسید بن ابی العیص تھی۔ اس نے قریش کے مرثیہ پر اشعار کہے۔ نیز حسان نے وہ اشعار سنائے جن میں اس نے ان اہل خانہ کی ہجو کہی تھی جن کے ہاں وہ قیام پزیر تھا۔ جب عاتکہ کو اس کی ہجو گوئی کی خبر پہنچی تو اس نے کعب کا سامان باہر پھینک دیا اور کہا: ''اس یہودی سے ہمیں کیا سروکار؟'' تم دیکھتے نہیں کہ حسان ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟ چنانچہ کعب وہاں سے چلا گیا۔ وہ جب کسی کے پاس قیام کرتا تو رسول کریم ﷺ حسانؓ کو بلاتے اور فرماتے کہ کعب فلاں شخص کے پاس ٹھہرا ہوا ہے۔ حضرت حسان اس کی ہجو کہتے اور وہ کعب کا سامان باہر پھینک دیتا۔''

اسی طرح آگے کعب بن اشرف کے جرائم لکھے ہیں

''کعب بن اشرف کی ذات میں کئی جرم جمع ہو گئے تھے۔

۱۔اس نے قریش کے مقتولوں پر مرثیہ کہا۔

۲۔قریش کو رسول کریم ﷺ کے خلاف اُبھارا اور ان کی پشت پناہی کی۔

۳۔اس نے قریش سے کہا کہ تمہارا دین محمد کے دین سے بہتر ہے۔

۴۔اس نے رسول کریم ﷺ اور مسلمانوں کی ہجو کہی۔''

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۱۳۹۔۱۴۰)

یہ تو وہ جرائم ہیں جن کا صاحب کتاب نے خود اعتراف کیا ہے اس کے علاوہ اور بھی جرائم تھے اس میں سب سے بڑا جرم تو وہ بنتا ہے جو اس نے رسول کریم ﷺ کے نعوذ باللہ قتل کرنے کی سازش کی تھی جس کا حوالہ پیچھے گزر چکا ہے۔ پھر اس کا یہ جرم تھا کہ اس نے اس معاھدہ کو توڑا تھا جو اس نے اور اس کی قوم نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔ پھر اس کا ایک بہت بڑا جرم یہ بنتا ہے جو اس نے مخالفین اسلام کو آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے اُبھارا جس سے وہ خود حربی ٹھہرا۔ امام ابن تیمیہؒ نے خود بھی لکھا ہے کہ ''اس لئے کہ ذمی اگر حربی کافروں کے لئے جاسوسی کرے، انہیں مسلمانوں کی نقائص سے آگاہ کرے اور کفار کو مسلمانوں کے ساتھ لڑنے پر اُبھارے تو ہمارے نزدیک اس کا عہد ٹوٹ جائے گا'' (صفحہ ۱۴۳) پھر اس کا جرم جو بہت بڑا کہلاتا ہے وہ فتنہ پردازی تھا۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ آیت ۱۹۲) یعنی اور فتنہ پردازی قتل سے بھی زیادہ سخت (خطرناک) ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ آیت ۲۱۸) یعنی فتنہ قتل سے بھی بڑا ہوتا ہے۔ یہ وہ سارے جرائم تھے جس بنا پر یہ شخص فتنہ پرداز اور حربی کہلایا تو اسے قتل کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق تو اس کا قتل اس کے فتنہ سے کم تر تھا۔ یہ کہنا بالکل غلط اور سراسر

زیادتی ہے کہ اسے صرف ہجو کرنے کی بنا پر قتل کیا گیا تھا۔ جہاں تک اس کی طرف سے ہونے والی ہجو کی بات ہے تو جب بھی یہ شخص اپنے اشعار میں آنحضرت ﷺ یا اسلام کی ہجو کرتا تو اس کے ہجو کا جواب آنحضرت ﷺ حضرت حسان ؓ کے ذریعہ اشعار ہی میں دلوایا کرتے تھے۔ ایسا کوئی ثبوت کسی جگہ سے پیش نہیں کیا جا سکتا کہ رسول کریم ﷺ نے اس شخص کو صرف ہجو کرنے کے جرم میں قتل کرنے کا ارشاد فرمایا ہو۔ جہاں تک ایذا رسانی کی بات ہے تو اس کے یہ تمام عمل ہی ایذا رسانی پر منتج تھے جس کی اسے سزا دی گئی۔

اس جگہ سیرت خاتم النبیین سے بھی ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے جسے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ؓ نے مضبوط حوالوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"جب اس خبر کی تصدیق ہو گئی اور کعب کو یہ یقین ہو گیا کہ واقعی بدر کی فتح نے اسلام کو وہ استحکام دیدیا ہے جس کا اسے وہم و گمان بھی نہ تھا تو وہ غیض و غضب سے بھر گیا۔ اور فوراً سفر کی تیاری کر کے اس نے مکہ کی راہ لی اور وہاں جا کر اپنی چرب زبانی اور شعر گوئی کے زور سے قریش کے دلوں کی سلگتی ہوئی آگ کو شعلہ بار کر دیا۔ اور ان کے دل میں مسلمانوں کے خون کی نہ بجھنے والی پیاس پیدا کر دی اور ان کے سینے جذبات انتقام و عداوت سے بھر دئے۔ (ابوداؤد کتاب الخراج نیز ابن ہشام و ابن سعد) اور جب کعب کی اشتعال انگیزی سے ان کے احساسات میں ایک انتہائی درجہ کی بجل پیدا ہو گئی تو اسنے ان کو خانہ کعبہ کے صحن میں لے جا کر اور کعبہ کے پردے ان کے ہاتھوں میں دے دے کر ان سے قسمیں لیں کہ جب تک اسلام اور بانئ اسلام کو صفحہ دنیا سے ملیا میٹ نہ کر دیں گے، اس وقت تک چین نہ لیں گے۔ (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۵۹) مکہ میں یہ آتش فشاں پیدا کر کے اس بد بخت نے دوسرے قبائل عرب کا رخ کیا اور قوم بقوم پھر کر مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا۔ (زرقانی جلد ۲ صفحہ ۹) اور پھر مدینہ واپس

آ کر مسلمان خواتین پر تشبیب کہی۔یعنی اپنے جوش دلانے والے اشعار میں نہایت گندے اور فحش طریق پر مسلمان خواتین کا ذکر کیا۔(ابن ہشام) حتٰی کہ خاندان نبوّت کی مستورات کو بھی اپنی ان اوباشانہ اشعار کا نشانہ بنانے سے دریغ نہیں کیا۔(طبری والروض الانف) اور ملک میں ان اشعار کا چرچہ کروایا۔اور بالآخر اس نے آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش کی۔اور آپ کو کسی دعوت وغیرہ کے بہانے سے اپنے مکان پر بلا کر چند نوجوان یہودیوں سے آپ کو قتل کروانے کا منصوبہ باندھا۔مگر خدا کے فضل سے وقت پر اطلاع ہوگئی اور اس کی یہ سازش کامیاب نہیں ہوئی۔(خمیس جلد ا صفحہ ۴۶۷ وزرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۰)

جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی اور کعب کے خلاف عہد شکنی، بغاوت، تحریک جنگ، فتنہ پردازی، فحش گوئی اور سازش قتل کے الزامات پا ئیہ ثبوت کو پہنچ گئے تو آنحضرت ﷺ نے جو اس بین الاقوامی معاہدہ کی رو سے جو آپؐ کے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد اہالیانِ مدینہ سے ہوا تھا۔مدینہ کی جمہوری سلطنت کے صدر اور حاکم اعلیٰ تھے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ کعب بن اشرف اپنی کاروائیوں کی وجہ سے واجب القتل ہے اور اپنے بعض صحابیوں کو ارشاد فرمایا کہ اسے قتل کردیا جائے۔(ابوداؤد کتاب الخراج نیز بخاری باب قتل کعب بن اشرف)

(بحوالہ سیرت خاتم النبیین ﷺ تصنیف حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے صفحہ ۴۶۸ و۴۶۹)

یہ وہ وجوہات تھیں جس بنا پر کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم آنحضرت ﷺ نے صادر فرمایا تھا۔یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ کعب بن اشرف کے قتل کا حکم صرف اس کے ہجو کرنے کی بنا پر دیا گیا تھا۔اس پورے واقعہ سے قطعاً ایسی کوئی دلیل نہیں لی جاسکتی کہ توہین رسالت کی سزا قتل ہے۔

۳۔امام ابن تیمیہؒ نے ایک حدیث درج کی ہے لیکن اس حدیث پر زیادہ تبصرہ نہیں کیا۔ البتہ دیگر علماء نے اس کو اپنے مؤقف کو طاقت دینے کے لئے خوب کھینچا ہے۔حدیث کے الفاظ یہ ہے کہ

(مَنْ سَبَّ نَبِيًّا فَقْتُلُوْهُ وَمَنْ سَبَّ أَصْحَابِيْ فَاجْلِدُوْهُ)

یعنی جو کسی نبی کو گالی دے اسے قتل کردو اور جو میرے صحابی کو گالی دے اسے کوڑے لگاؤ

امام ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو پیش تو کیا ہے لیکن اس کے حوالہ کے تعلق سے لکھا ہے کہ

''المعجم الصغیر للطبرانی (۱/۳۹۳،رقم الحدیث ۶۵۹) اس کی سند میں عبید اللہ بن محمد عمر متہم بالکذب ہے،اسے علامہ ہیثمیؒ نے ضعیف،ابن حجر منکر اور علامہ البانیؒ نے موضوع قرار دیا ہے ۔(مجمع الزوائد ۶/۲۶۳،لسان المیزان ۴/۱۱۲،الضعیف،رقم الحدیث ۲۰۶)''

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۱۵۴،۱۵۵)

جناب پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ الدّ راوی نے تو یہ حدیث یہاں سے لیکر اس پر اس طرح سے بحث کی ہے کہ گویا ان کے ہاتھ میں شاتم رسول کی سزا قتل کی بہت بڑی دلیل آ گئی ہے۔جب کہ دیکھا جائے تو امام ابن تیمیہؒ نے اس روایت کو پیش تو کیا ہے لیکن اس پر زیادہ بحث نہیں کی۔اس کی وجہ صاف ہے کہ اس روایت کے بارے میں خود ہی لکھ رہے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف بھی ہے اور اس کے راویوں میں ایک راوی جھوٹا بھی ہے۔ایک نے اسے منکر بیان کیا ہے اور ایک اسے موضوع قرار دے رہا ہے اور پھر محققین اور غور و تدبر کرنے والوں نے اس حدیث کو ضعیف احادیث میں شامل کیا ہے۔ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے اس روایت کو قابل اعتبار کس طرح مانا جاسکتا ہے جب کہ یہ روایت قرآن کریم اور دیگر روایات کے بھی بر

خلاف ہے۔قرآن کریم کی کوئی ایک آیت بھی ایسی پیش نہیں کی جاسکتی جس میں یہ واضح حکم ہو کہ گستاخ رسول کوقتل کردیا جائے۔اسی طرح کوئی حدیث بھی اس بات کی تائید نہیں کرتی ہے۔ پھر جو روایت ہو ہی ضعیف اور اس کا راوی بھی جھوٹ بولنے والا ہو تو ایسی روایت کو پیش کرنا ہی درست نہیں۔ بلکہ ایسی روایت رد کرنے کے قابل ہے۔

۴۔توہین رسالت کرنے والے کو قتل کرنے کی دلیل کے طور پر ایک حدیث اس طرح سے بیان کی ہے کہ

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ خطمہ قبیلے کی ایک عورت نے رسول کریم ﷺ کی ہجو کہی، آپ ﷺ نے فرمایا ''اس عورت سے کون نمٹے گا'' اس کی قوم میں سے ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ کام میں انجام دونگا، چنانچہ اس نے جا کر اسے قتل کر دیا۔آپ ﷺ نے فرمایا ''دو بکریاں اس میں سینگوں سے نہیں ٹکرائیں''

(بحوالہ الکامل لابن عدی (۲۱۵۶/۲) ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو وضع کرنے میں محمد بن حجاج متہم ہے۔)

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ حدیث ہی ایک متہم کی وجہ سے اس لائق نہیں ٹھہرتی کہ اس پر بات کی جائے کیوں کہ اس حدیث کے صحیح ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اور پھر قرآنی تعلیم اور احکامات کے بالکل خلاف ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے بھی اور پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ صاحب نے بھی اپنی اپنی کتاب میں اس واقعہ کو پیش کیا ہے علامہ قادری صاحب نے بحوالہ الشفاء ۲ ۱۹۵۲ اسے پیش کیا ہے اور پیرزادہ صاحب نے اپنی کتاب میں بحوالہ مسند شہاب ۲ ۲ ۴ اسے پیش کیا ہے۔اس واقعہ کی جو تفصیل امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب میں پیش کی ہے اسی کو ہی پیرزادہ صاحب نے بھی اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔اس واقعہ کے بارے میں لکھا ہے کہ

''واقدی نے بطریق عبداللہ بن حارث بن فضیل از والد خود روایت کیا ہے کہ عصناء بنت مروان بنو اُمیہ بن زید کے خاندان سے تھی اور یزید بن زید بن حصن الخطمی کی بیوی تھی۔یہ رسول کریم ﷺ کو ایذا دیا کرتی تھی، اسلام میں عیب نکالتی تھی اور آپ ﷺ کے خلاف

لوگوں کو بھڑکایا کرتی تھی۔ عمیر بن عدی الخطمی کو جب اس کی باتوں اور اشتعال بازی کا علم ہوا تو اس نے کہا اے اللہ! میں تیرے حضور نذر مانتا ہوں کہ اگر تو نے رسول کریم ﷺ کو (بخیریت وعافیت) مدینہ لوٹا دیا تو میں اس عورت کو قتل کر دونگا۔ رسول کریم ﷺ اس وقت بدر میں تھے، جب آپ ﷺ بدر سے واپس آئے تو عمیر بن عدی آدھی رات کے وقت اس عورت کے گھر میں داخل ہوئے۔ اس کے ارد گرد اس کے بچے سوئے ہوئے تھے، ایک بچہ اس کے سینے کے ساتھ چمٹا ہوا تھا اور وہ اسے دودھ پلا رہی تھی۔ عمیر نے اپنے ہاتھ سے عورت کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ وہ بچے کو دودھ پلا رہی ہے، عمیر نے بچے کو الگ کیا، پھر اپنی تلوار کو اس کے سینے پر رکھا اور اس کی پشت کے پار کر دیا۔

پھر صبح کی نماز رسول کریم ﷺ کے ساتھ ادا کی جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو عمیر کی طرف دیکھ کر فرمایا: ''کیا تُو نے بنت مروان کو قتل کر دیا؟'' عرض کیا جی ہاں! میرا باپ آپ ﷺ پر قربان ہو۔ عمیر اس بات سے ڈرا کہ اس سے رسول کریم ﷺ کی مرضی کے خلاف کام کیا ہو، اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا اس ضمن میں مجھ پر کوئی چیز واجب ہے؟ فرمایا: ''نہیں، دو بکریاں اس میں سینگوں سے نہیں ٹکرائیں'' یہ فقرہ پہلی مرتبہ رسول کریم ﷺ سے سنا گیا۔ عمیر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارد گرد دیکھا اور فرمایا ''اگر تم ایسا شخص دیکھنا چاہو، جس نے اللہ اور اس کے رسول کی غیبی مدد کی تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو''

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۱۵۷۔ ۱۵۸)

ان ہر دو روایات پر تبصرہ کرنے سے قبل یہ بیان کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ اس کا راوی جو اس قدر تفصیل بیان کر رہا ہے وہ واقدی ہے۔ واقدی کے بارے میں اسی کتاب میں لکھا ہے کہ

''ہم نے یہ واقعہ بروایت اہل المغازی ذکر کیا ہے، حالانکہ واقدی ضعیف ہے، اس لئے یہ واقعہ اہل سیرت کے یہاں مشہور ہے۔۔۔۔۔۔۔ پھر اس کے ساتھ یہ چیز بھی شامل ہوتی ہے کہ واقدی مرسل اور مقطوع روایات سے بھی اخذ کرتے ہیں، پھر وہ اس حد تک اس میں کثرت کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے ان کی روایات کو مبالغہ اور عدم ضبط پر محمول کیا جاتا ہے۔''

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۱۵۹۔۱۶۰)

اس بات پر افسوس ہوتا ہے ایسے افراد جو حوالہ تو پیش کرتے ہیں لیکن اس کے بارے میں یہ بیان نہیں کرتے کہ ان روایات اور واقعات کے بارے میں دوسروں کی کیا رائے ہے ہر دو علماء نے اس واقعہ کو بیان تو کر دیا لیکن یہ نہیں لکھتے کہ یہ کوئی ایسی حدیث نہیں کہ اس کے راوی مضبوط ہوں بلکہ لکھنا چاہئے تھا کہ اس واقعہ کو کتاب السیرۃ و کتاب المغازی کی روایات سے لیا گیا ہے اس سلسلہ میں گزشتہ صفحات میں یہ بات بیان کر دی گئی تھی کہ تاریخ اور سیرت کے تعلق سے مؤرخین نے جو مواد جمع کیا ہے اس کے لئے انہوں نے یہ معیار قائم نہیں رکھا کہ اس واقعہ کی صداقت کہاں تک ثابت ہے بلکہ مؤرخین نے ہر اس بات کو تاریخ میں جمع کر دیا ہے جو ان تک پہنچی ہے اس لئے سیرت اور تاریخ میں بیان کئے گئے واقعات کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔ اور یہ جو روایت پیش کی گئی ہے وہ بھی واقدی کے حوالہ سے ہے جب کہ اس کی اپنی حیثیت ہی مشکوک ہے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے نے اپنی کتاب سیرت خاتم النبیین ﷺ میں واقدی کے بارے میں ایک الگ سے نوٹ دیا ہے جو ان کی اصلیت کو ظاہر کرتا ہے اسے اس جگہ نوٹ کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ کیونکہ ایسی بہت سی روایات تاریخ میں ملتی ہیں جن کی اصل قرآن و حدیث میں تلاش کرنے سے نہیں ملتی لیکن واقدی ایسے واقعات کو اس طرح سے پیش کرتا ہے کہ گویا یہ صاحب آنکھوں دیکھی بات بیان کر رہے ہوں۔ زیر نظر کتاب کے

مصنف نے بھی واقدی کی کمزور سے کمزور روایت کو بھی اپنی کتاب میں درج کیا ہے جس سے اسلام کی حسین تعلیم پر اور آنحضرت ﷺ کی عظمت و شان پر ضرب آتی ہے ۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے تحریر فرماتے ہیں۔

''واقدی کے متعلق ہمیں کچھ علیحدہ لکھنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن بدقسمتی سے یورپین مصنفین نے اسے اتنا نوازا ہے کہ اس کی حقیقت کے اظہار کے لئے علیحدہ نوٹ ضروری ہو گیا ہے۔جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، واقدی کا زمانہ ۱۳۰ھ سے لیکر ۲۰۷ھ تک تھا اور اس میں شبہ نہیں کہ زمانہ کے لحاظ وہ کسی دوسرے مؤرخ سے کم محفوظ پوزیشن میں نہیں تھا۔مگر یہ بات کسی شخص کے ذاتی صفات و عادات کا رُخ بدل نہیں سکتی اور حقیقیت یہ ہے کہ واقدی اپنی وسعت علم کے باوجود ایک بالکل نا قابل اعتبار اور غیر ثقہ شخص تھا اور محققین نے اسے بالاتفاق جھوٹا اور دروغ گو قرار دیا ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی ساری روایات غلط اور جھوٹی ہوتی تھیں۔دُنیا میں جھوٹے سے جھوٹا انسان بھی ہمیشہ جھوٹ نہیں بولتا بلکہ حق یہ ہے کہ ایک جھوٹے آدمی کی بھی اکثر باتیں سچی اور واقعہ کے مطابق ہوتی ہیں۔لیکن دوسری طرف اس بات میں بھی ہرگز کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ جو شخص جھوٹ بولنے کا عادی ہو اس کی کوئی بات بھی قابل حجت نہیں رہتی۔واقدی کے متعلق یہ مسلّم ہے کہ وہ ایک عالم انسان تھا اور اس کے تاریخی معلومات اتنے وسیع تھے کہ اس زمانہ میں کسی اور مؤرخ کے کم ہوں گے۔مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وسعت معلومات نے ہی اس کے سر کو پھیر دیا تھا کہ وہ کسی بات کے متعلق لاعلمی کا اظہار کرنے کی بجائے خود اپنی طرف سے بات بنا کر بیان کر دیا کرتا تھا؛ چنانچہ اس کے متعلق ایک محقق کا یہ بہت اچھا مقولہ ہے کہ ''اگر واقدی سچا ہے تو بے نظیر ہے اور اگر جھوٹا ہے تب بھی عدیم المثال ہے۔'' (بحوالہ تہذیب التہذیب حالات واقدی) مگر بدقسمتی سے واقدی کی یہی طلاقتِ لسان

اور یہی وسعت علم ہمارے یورپین مصنّفین کو اس کا دلدادہ بنا رہی ہے۔ انہیں اس بات سے غرض نہیں کہ واقدی سچّا تھا یا جھوٹا۔ اس کی عادت ایک محتاط محدّث کی طرح تحقیق کر کے بات کرنے کی تھی یا کہ یونہی واہی تباہی کہتے جانے کی۔ ان کو صرف اس بات سے غرض ہے کہ واقدی جو کچھ کہتا ہے تفصیل سے کہتا ہے، اور یوں کہتا ہے جیسے کوئی شخص پاس بیٹھا ہوا سب کچھ دیکھ رہا ہو۔ اگر اس کا کوئی قول کسی صحیح اور مضبوط روایت کے خلاف ہے تو ہوا کرے ان کے لئے سب روایتیں برابر ہیں اور سوائے اپنے دماغ کی شہادت کے اور کوئی شہادت قابل قبول نہیں۔ مسلمان محققین جو اپنی عمریں کھپا کھپا کر ہر روایت سے بال کی کھال نکالی ہے اور ہر راوی کے صحیح صحیح حالات معلوم کر کے علم روایت کے لئے ایک سچّا ترازو مہیّا کر دیا ہے اہل مغرب کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بہر حال ہم کسی کے قلم اور زبان کو تو روک نہیں سکتے مگر ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ واقدی کے متعلق ان مسلمان محققین نے جن کی دیانت وامانت اور اصابتِ رائے کو سب نے تسلیم کیا ہے کیا رائے دی ہے۔

۱۔ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ ۱۶۱ھ تا ۲۴۱ھ واقدی کے بارے رائے فرمایا

هُوَ كَذَّابٌ يُقَلِّبُ الْحَدِيْثَ یعنی واقدی پرلے درجہ کا جھوٹ بولنے والا شخص ہے جو روایتوں کو بگاڑ بگاڑ کر بیان کرتا ہے۔

۲۔ ابو احمد عبد اللہ بن محمد المعروف بابن عدی ۲۷۷ھ تا ۳۶۵ھ کی رائے

اَحَادِيْثُهٗ غَيْرُ مَحْفُوْظَةٍ وَالْبَلَاءُ مِنْهُ یعنی واقدی کی روایتیں قابلِ اعتبار نہیں ہیں اور یہ خرابی خود اس کے نفس کی طرف سے ہے۔

۳۔ ابو حاتم محمد بن ادریس ۱۹۵ھ تا ۲۷۷ھ کی رائے

يَضَعُ الْحَدِيْثَ یعنی واقدی اپنے پاس سے جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر بیان کیا کرتا تھا۔

۴۔علی بن عبداللہ بن جعفر المعروف بابن المدینی ۱۶۱ھ تا ۲۲۴ھ کی رائے

یَضَعُ الْحَدِیْثَ لَا اَرْضَاہُ فِیْ شَیْءٍ یعنی واقدیؔ جھوٹی رویات بناتا تھا میرے نزدیک وہ کسی جہت سے بھی قابل قبول نہیں۔

۵۔امام علی بن محمّد دارقطنی ۳۰۶ھ تا ۳۸۵ھ کی رائے

فِیْہِ ضُعُفٌ یعنی واقدیؔ کی روایات ضعیف ہوتی ہیں۔

۶۔اسحاق بن ابراہیم المعروف بابن راہوٗیہ ۱۶۱ھ تا ۲۳۸ھ کی رائے

ھُوَ عِنْدِیْ مِمَّنْ یَضَعُ الْحَدِیْثَ یعنی میرے نزدیک واقدیؔ جھوٹی روایتیں گھڑنے والوں میں سے ایک ہے (میزان الاعتدال فی نقد الرجال لعلامہ ذہبی)

۷۔امام بخاری علیہ الرحمہ ۱۹۴ھ تا ۲۵۶ھ کی رائے

مَتْرُوْکُ الْحَدِیْثِ یعنی واقدیؔ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے کوئی روایت لی جائے۔

۸۔امام یحیٰ بن معین ۱۸۵ھ تا ۲۳۳ھ کی رائے

لَیْسَ بِشَیْءٍ کَانَ یُقَلِّبُ یعنی واقدیؔ اہل علم کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔وہ حدیثوں کو بگاڑ بگاڑ کر بیان کرتا تھا۔

۹۔امام شافعی علیہ الرحمۃ ۱۵۰ھ تا ۲۰۴ھ کی رائے

کُتُبُ الْوَقِدِیْ کُلُّھَا کِذْبٌ کَانَ یَضَعُ الْاَسَانِیْدَ یعنی واقدیؔ کی سب کتابیں جُھوٹ کا انبار ہیں۔وہ اپنے پاس سے جُھوٹی سندیں گھڑ لیا کرتا تھا۔

۱۰۔امام ابوداؤد سجستانے ۲۰۲ھ تا ۲۷۵ھ کی رائے

لَا اَکْتُبُ حَدِیْثَہٗ ۔اِنَّہٗ کَانَ یَفْتَعِلُ الْحَدِیْثَ یعنی میرے نزدیک واقدیؔ کوئی حدیث روایات نہیں کرتا، بلکہ یہ کہ وہ اپنے پاس سے حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا۔

۱۱۔امام نسائی علیہ الرحمتہ ۲۱۵ھ تا ۳۰۳ھ کی رائے

اَلْوَاقِدِی مِنَ الْکَذَّابِیْنَ الْمَعْرُوْفِیْنَ بِالْکِذْبِ یعنی واقدی ایسے جھوٹے لوگوں میں سے تھا، جن کا جھوٹ ظاہر اور عیاں ہے اور اسے سب جانتے ہیں۔

۱۲۔محمّد بن بشار بندار ۱۶۷ھ تا ۲۵۲ھ کی رائے

مَا رَأَیْتُ اَکْذَبَ مِنْهُ یعنی میں نے واقدی سے بڑھ کر کوئی جھوٹا نہیں دیکھا۔

۱۳۔امام نودی المتوفّی ۶۷۴ھ کی رائے

ضَعِیْفٌ بِاتِّفَاقِهِمْ یعنی واقدی سب محققین کے نزدیک بالاتفاق ضعیف الروایت ہے۔

۱۴۔علاّمہ ذہبی۔المتوفّی ۸۴۷ھ کی رائے

اِسْتَقَرَّ الْاِجْمَاعُ عَلٰی وَهْنِ الْوَاقِدِی یعنی سب محققین نے واقدی کے کمزور ہونے کے متعلق اجماع کیا ہے۔(تہذیب التہذیب لعلاّمہ ابن حجر)

۱۵۔قاضی احمد بن محمد بن ابراہیم المعروف با بن خلکان۔المتوفی ۶۸۱ھ کی رائے

ضَعَّفُوْهُ فِی الْحَدِیْثِ وَ تَکَلَّمُوْا فِیْهِ یعنی محققین نے واقدی کو ضعیف قرار دیا ہے۔اور اس پر بہت اعتراض کئے ہیں۔(دفیات الاعیان لقاضی ابن خلکان)

۱۶۔علاّمہ زرقانی المتوفی ۱۱۲۲ھ کی رائے

اَلْوَاقِدِی لَا یُحْتَجُّ بِهٖ اِذَا انْفَرَدَ فَکَیْفَ اِذَا خَالَفَ یعنی واقدی اگر کسی بات کے بیان کرنے میں اکیلا ہو تو محققین کے نزدیک اس کی روایت قابل حجّت نہیں ہے۔پھر اس پر خود قیاس کرلو کہ ایسی بات میں اس کی روایت کا کیا وزن ہوسکتا ہے جو وہ دوسروں کے خلاف کہتا ہے۔

(شرح مواہب اللدنیہ لعلامہ زرقانی جلد ۱)

یہ وہ شہادت ہے جو مسلمان محققین نے جن میں بہت سے خود واقدی کے ہمعصر تھے پوری پوری تحقیق کے بعد دی ہے۔اب ہمارے یورپین محققین خود سوچ لیں کی ان کا دل پسند مؤرخ کس شان کا انسان ہے۔ہم یہ نہیں کہتے کہ واقدی کی ہر روایت غلط ہے۔ یقیناً اس کی روایتوں کا بیشتر حصہ صحیح ہوگا۔مگر جس شخص کے صداقت وعدالت کا یہ حال ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے وہ اپنی کسی روایت میں بھی جس میں وہ اکیلا راوی ہے یا جس میں وہ دوسرے راویوں کے خلاف بات کہتا ہے کسی عقلمند کے نزدیک قابل حجّت نہیں سمجھا جا سکتا۔واللہ اعلم

بہر حال ہماری تحقیق میں محمّد بن عمر واقدی باوجود ابتدائی مؤرخوں میں ہونے کے ہرگز قابل اعتبار نہیں ہے۔اور جہاں تک خالص سیرت کی کتب کا تعلق ہے صرف ابن ہشاّم اور ابن سعد اور اِبن جریر طبری ہی وہ تین ابتدائی مؤرخ ہیں جنکی کتب پر آنحضرت ﷺ کی سیرت و سوانح کی بنیاد سمجھی جانی چاہیئے۔''

(سیرت خاتم النبیین ﷺ صفحہ ۳۶ تا ۳۹ شائع کردہ نظارت نشر و اشاعت قادیان ۲۰۰۱ء)

اس جگہ واقدی کے بارے میں یہ نوٹ اس لئے بھی دیا گیا ہے کہ آگے آنے والے واقعات میں بھی واقدی کے حوالہ سے بات ہوگی کیونکہ وہ لوگ جو اسلام پر اعتراض کرتے ہیں وہ واقدی سے زیادہ محبت رکھتے ہیں جبکہ واقدی اپنے زمانہ کے لوگوں کے نزدیک بھی جھوٹا اور مکذب مانا گیا ہے۔اب اس روایت ہی کو دیکھ لیں کہ اوّل جو روایت درج کی گئی ہے جو کہ ایک مختصر سی روایت تھی اس کے بارے میں بھی یہ نوٹ درج کیا گیا ہے کہ ''اس حدیث کو وضع کرنے میں محمد بن حجاج متہم ہے۔''اس کے بالمقابل واقدی نے جو اس واقعہ کو جس تفصیل سے

پیش کیا ہے وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ سارا کا سارا واقعہ واقدی کے سامنے پیش آیا ہے۔اور جو تفصیل اس نے پیش کی ہے وہ اور کسی جگہ دکھائی نہیں دیتی۔ بات اس طرح سے کرتے ہیں کہ جیسے یہ اس وقت ساتھ ساتھ تھے۔ کہ دیکھا کہ بچے ارد گرد سوئے ہیں ایک بچہ اس عورت کے سینے پر ہے اور وہ عورت اسے دودھ پلا رہی تھی پھر اس نے عورت کو ٹٹولا اور بچے کو اس سے الگ کیا پھر اپنی تلوار اس کے سینے پر رکھی اور اس کے سینے سے پار کر دیا وغیرہ! یہ کیا ہے؟ یہ ساری کی ساری ایک بناوٹی کہانی دکھائی دیتی ہے جس میں واقدی بقول بزرگان سلف خوب ماہر تھا۔

اگر اس سارے معاملہ پر غور کیا جائے تو یہ بات رسول کریم ﷺ کی شان کے برخلاف دکھائی دیتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی عورت کو قتل کرنے کا حکم دیں وہ بھی صرف اس وجہ سے کہ وہ رسول خدا ﷺ کی ہجو کیا کرتی تھی اور اس کے سوا اس کا اور کوئی جرم نہ ہو۔غور کریں کہ ایک طرف جنگ کا ماحول ہو اور وہاں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی جنگ میں شریک ہوں اور قرآن ایسے موقعہ کے لئے یہ حکم دیتا ہو کہ اسی حالت میں کہ دشمن کو جس جگہ بھی پاؤ اس کو قتل کر دو اس کے باوجود میرے پیارے آقا ﷺ کا یہ فرمانا کہ جنگ میں بھی کسی عورت کو بچے کو قتل نہ کیا جائے آپ ﷺ کا کسی عورت کو قتل کرنے کے حکم سے بری کرتا ہے۔

پھر ان ہر دو روایات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے ایک میں تو یہ بات آئی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ ''اس عورت سے کون نمٹے گا'' اور واقدی کہتا ہے کہ عمیر بن عدی الخطمی نے اس عورت کی حرکتوں ''رسول کریم ﷺ کو ایذا دینے، اسلام میں عیب نکالنے، آنحضرت ﷺ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے'' کی بنا پر از خود اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ یہ اختلاف ہی اس واقعہ کی صحت کو کمزور کرتا ہے۔اور اس سے ایک اور بات یہ بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ لوگ جو اس عورت کے قتل کا جواز اس بات سے نکالتے ہیں کہ اسے صرف رسول کریم

ﷺ کی ہجو کرنے کے نتیجہ میں قتل کیا گیا تھا غلط ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ واقدی ہی لکھتا ہے کہ اس عورت کا جرم یہ بھی تھا کہ یہ اسلام میں عیب نکالتی تھی، آنحضرت ﷺ کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتی تھی۔ ہاں آپ ﷺ کو ایذا بھی دیا کرتی تھی۔ تو صرف ہجو کرنے کے نتیجہ میں قتل کرنے کو جائز قرار دینے والے باقی کے جرائم کو کیوں بھول جاتے ہیں۔؟

احادیث کے حوالہ سے جو ابھی تک لکھا گیا ہے اس میں ہی تین عورتوں کے قتل کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ پہلی دو عورتوں کے بارے میں یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ دراصل یہ ایک ہی واقعہ ہے جسے دو طریق سے پیش کیا گیا ہے۔ اس واقعہ پر غور کرنے سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی پہلے دو واقعات سے ہٹ کر کوئی اور واقعہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے بارے میں لکھا ہے کہ

''یہ عورت وہ نہیں ہے جس کو اس کے نابینا آقا نے قتل کیا تھا اور نہ ہی وہ یہودی عورت ہے جسے قتل کیا گیا تھا، اس لئے کہ یہ عورت قبیلہ بنی امیہ بن زید سے تعلق رکھتی تھی جو انصار کی ایک شاخ ہے۔ اس کا شوہر قبیلہ بنی خطمہ سے تھا۔ اسی لئے حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اس عورت کو بنی خطمہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس کا قاتل اس کا شوہر نہیں تھا۔ اس کی چھوٹی بڑی عمر کے بیٹے بھی تھے، البتہ قاتل اس کے شوہر کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔''

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۱۵۹)

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس تیسری عورت والا واقعہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور اس میں محمد بن عمیر حجاج متہم ہے۔ جبکہ دوسری عورت والا واقعہ بھی اسماعیل بن جعفر نے بطریق اسماعیل از عثمان شحّام از عکرمہ از ابن عباس سے مروی ہے۔ پہلی عورت والا واقعہ شعبی نے حضرت علی سے روایت کیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ واقعات ایک ہی نابینا شخص

سے تعلق نہیں رکھتے تو یہ کیا وجہ ہے کہ ان تینوں واقعات میں ایک سی مشابہات کیوں ہیں۔؟

مثلاً

۱۔ پہلے دونوں واقعات میں نابینا شخص کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس واقعہ میں واقدی کہتا ہے کہ ''عمیر نے اپنے ہاتھ سے عورت کو ٹٹولا'' آنکھ والے کو تو دکھائی دیتا ہے اسے ٹٹولنے کی کیا ضرورت تھی اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جسے عمیر کہا گیا ہے وہ بھی دراصل وہی نابینا شخص ہے جس کا ذکر پہلی روایات میں ہو چکا ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ دوسری روایت میں یہ آیا ہے کہ ''اس کے بطن سے میرے دو ہیروں جیسے بیٹے ہیں'' اور اس میں بھی بچے کا ذکر ہے کہ ''اس کے ارد گرد اس کے بچے سوئے ہوئے تھے ایک بچہ اس کے سینے کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔''

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس عورت کو قتل کرنے کا طریق واردات دوسری اور تیسری روایت میں ایک سا بیان ہوا ہے تیسری روایت میں آیا ہے کہ ''اپنی تلوار کو اس کے سینے پر رکھا اور اس کی پشت کے پار کر دیا۔'' دوسری روایت میں ہے کہ ''میں نے بھالا لے کر اس کے پیٹ میں گاڑ دیا اور اسے زور سے دبا دیا حتیٰ کہ وہ مر گئی'' اس دوسری روایت میں بھالے کے لئے جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ ''مغول'' ہے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ

''خطابی کہتے ہیں کہ ''مغول'' ایک بھالا ہوتا ہے جس کا پھل بڑا باریک ہوتا ہے۔ دیگر اہل علم نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ وہ ایک تیز تلوار ہوتی ہے جس کا ایک دستہ ہوتا ہے اور اس کا غلاف چابک کی طرح ہوتا ہے۔ ''مشمل'' چھوٹی تلوار کو کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آدمی اس کو چھپائے رکھتا ہے، یعنی کپڑے سے اسے ڈھانپ دیتا ہے۔ ''مغول'' کا مادہ ''غَالَ'' اور ''اغتَالَ'' ہے جس کے معنی اچانک کسی چیز کو پکڑ لینے کے ہیں۔''

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۱۲۷)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں واقعات میں تلوار ہی کا استعمال کیا گیا ہے جسے بھالا کہا گیا ہے وہ بھی دراصل چھوٹی تلوار ہی ہے۔

۴۔اسی طرح ان سب روایات میں یہ بات بھی قدر مشترک ہے کہ عورت کا قتل ہوا ہے اور رات کے وقت ہی ہوا ہے۔اور صبح لوگوں کو علم ہوا۔

جہاں تک موجودہ روایت کا تعلق ہے تو اس میں بھی بعض باتیں قابل غور ہیں جن کا ہونا حالات کے لحاظ سے ممکن دکھائی نہیں دیتا۔مثلاً

رات کے وقت کسی غیر کے گھر میں داخل ہونا۔گھر والوں کو اس کا علم تک نہ ہونا۔اس کے خاوند کا وہاں موجود نہ ہونا۔عورت کا ٹٹول کر معلوم کرنا۔اور عورت کو یہ تک معلوم نہ ہونا کہ یہ غیر مرد کون ہے جو اسے ٹٹول رہا ہے۔اس کے بچے کو اس کے سینہ سے الگ کرنا اس پر بھی اس عورت کو کوئی شک نہ گزرنا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کون کر رہا ہے۔پھر اس کے پاس اس کے جو چھوٹے بڑے بچے سو رہے تھے ان کو بھی اس سارے واقعہ کے گزر جانے پر بھی کچھ بھی علم نہ ہونا۔نہ کوئی شور سنائی دینا نہ ہی کسی کا جاگنا وغیرہ یہ سب ایسی باتیں ہیں جو اس واقعہ کی شہادت کو گدلا کرتی ہیں اور صاف دکھائی دیتا ہے کہ اس واقعہ کو واقدی نے خود سے بہت کچھ ملا جلا کر پیش کیا ہے۔دراصل ایک واقعہ کو تین روایات کے حوالہ سے الگ الگ طریق سے پیش کیا گیا ہے۔اس واقعہ سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہوتی کہ صرف گالی دینے یا ہجو کرنے کی بنا پر کسی کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ہجو کے ایسے واقعات میں ہمیں قرآن کریم کی اس آیت کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہئے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ط وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ٥ (سورۃ اٰل عمران آیت ۱۸۷) ترجمہ یہ ہے کہ خدا تمہارے مالوں اور جانوں پر بلا بھیج کر تمہاری آزمائش کرے گا اور تم اہل کتاب اور مشرکوں سے بہت سی دکھ دینے والی باتیں سنو گے سو اگر تم صبر کرو گے اور اپنے تئیں ہر ایک ناکردنی امر سے بچاؤ گے تو خدا کے نزدیک اولوالعزم لوگوں میں ٹھہرو گے۔

قرآن کریم کے اس فرمان کے ہوتے ہوئے وہ لوگ جو نعوذ باللہ یہ گمان کریں کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے خلاف کوئی حکم دیا ہوگا وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اسلام نے تو ہمیشہ ہی صبر کی تعلیم دی ہے اور ہمیشہ انصاف کو قائم کیا ہے۔

۵۔الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول کے مصنف نے ایک واقعہ اس طرح سے پیش کیا ہے کہ

''واقدیؔ نے بطریق سعید بن محمد از عمارہ بن غزیہ واز مصعب اسماعیل بن مصعب بن اسماعیل بن زید بن ثابت اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے، دونوں کہتے ہیں کہ بنوعمرو بن عوف میں ایک شیخ تھا جس کو ابوعفک کہتے تھے۔ وہ نہایت بوڑھا تھا اور اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی یہ شخص مدینہ آ کر لوگوں کو رسول کریم ﷺ کی بغاوت پر بھڑکایا کرتا تھا۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب رسول کریم ﷺ بدر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و کامرانی سے نوازا تو وہ حسد کرنے لگا اور بغاوت پر اتر آیا۔ اس نے رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ کی مذمت میں ایک توہین والا قصیدہ کہا۔

سالم بن عمیر نے نذر مانی کہ میں ابوعفک کو قتل کروں گا یا اسے قتل کرتے ہوئے مارا جاؤں گا۔ سالم موقعہ کی تلاش میں تھا، موسم گرما کی ایک رات تھی، ابوعفک موسم گرما میں قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے صحن میں سو رہا تھا، اندریں اثنا سالم بن عمیر آیا اور تلوار اس کے جگر پر رکھ دی، دشمن خدا بستر پر چیخنے لگا۔ اس کے ہم خیال بھاگتے ہوئے اس کے پاس آئے، پہلے اسے اس کے گھر میں لے گئے اور پھر قبر میں دفن کر دیا۔ کہنے لگے اسے کس نے قتل کیا ہے؟ بخدا! اگر ہمیں قاتل کا پتہ چل جائے تو ہم اسے قتل کر دیں گے۔

(بحوالہ المغازی للواقدی ۱/ ۱۷۴ الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۱۶۸)

اوّل یہ کہ واقدیؔ اس واقعہ کو بیان کرنے والے ہیں اس لئے ان کی یہ روایت قابل اعتبار ہی نہیں۔ دوسرے یہ کہ اسلام کسی بھی قوم کے بوڑھے شخص کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیتا، چاہے بوڑھا شخص میدان جنگ ہی میں کیوں نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ

کسی ایک شخص نے اس کا قتل کیا بھی ہے تو یہ کہنا کیونکر درست ہوسکتا ہے کہ توہین کرنے ہی کی وجہ سے اس کا قتل کیا گیا ہے؟ اس کی طرف منصوب ہونے والے باقی جرائم تو اس سے بھی زیادہ سنگین ہیں جس کو واقدی خود بیان کرر ہا ہے کہ لوگوں کو رسول کریم ﷺ کی عداوت پر بھڑ کا تا تھا۔ اور بغاوت پر اتر آیا تھا۔'' اسی طرح ابن اسحٰق نے کہا غزوہ سالم بن عمیر ابوعفک کے قتل کے لئے ہوا ابوعفک بنوعمرو ابن عوف کا ایک آدمی تھا اور بنوعمیر بن عوف بنی عبید کی شاخ ہے۔ ابوعفک کا نفاق اس وقت ابھرا جب رسول اللہ ﷺ نے حارث بن سوید بن صامت کو قتل کیا۔ اور حارث بن سُوید کو اس لئے قتل کیا گیا تھا کہ یہ جنگ احد میں مسلمانوں کے ساتھ نکلا تھا جب جنگ شروع ہوئی تو یہ مجذر بن زیاد بلوی اور بنوضُبیعہ کے ایک شخص قیس بن زید پر ٹوٹ پڑا اور دونوں کا کام تمام کر دیا پھر مکہ پہنچ کر قریشیوں سے مل گیا'' (ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۲۷۷ و ۲۸۰) یہ قتل کے بدلہ میں قتل تھا۔ اب جو شخص معاہد ہو کر عہد شکنی کرے اور بغاوت پر بھی اتر آئے تو ایسے شخص کو آج کل بھی حکومتیں سزائے موت ہی سناتی ہیں۔ اکثر ملکوں میں آج بھی باغیوں کے سر قلم کر دئے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں مانا جاسکتا کہ کوئی بھی قتل صرف توہین رسالت کی وجہ سے کیا گیا ہو کیونکہ یہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔

٦۔ ''عبداللہ بن قدامہ نے ابو برزہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابو بکرؓ کو برا بھلا کہا، میں نے کہا کیا میں اسے قتل کر دوں؟ انہوں نے مجھے ڈانٹ کر کہا کہ رسول کریم ﷺ کے بعد یہ حق کسی کو حاصل نہیں''

(سنن النسائی ۱۰۹/۷ بحوالہ الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۱۵۵)

اس روایت کو پیش کر کے اس سے یہ دلیل دی گئی ہے کہ ''علماء کی ایک جماعت نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے کو قتل کرنا جائز ہے۔'' اسی طرح لکھا ہے کہ

''رسول کریم ﷺ کو یہ حق حاصل تھا کہ اپنے گالی دینے والے کو قتل کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ اس شخص کو قتل کرنے کا حکم دیتے جس کے بارے میں لوگوں کو کچھ علم نہ ہو کہ اسے کیوں قتل کیا جا رہا ہے۔ اس معاملہ میں لوگوں کو آپ کی اطاعت کرنا چاہیئے اس لئے کہ آپ اسی بات کا حکم دیتے ہیں جس کا اللہ نے انہیں حکم دیا ہو۔''

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۱۵۶)

اس روایت کو پیش کر کے جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ درست دکھائی نہیں دیتا۔ بات صرف یہ کہی گئی ہے کہ ''انہوں نے مجھے ڈانٹ کر کہا کہ رسول کریم ﷺ کے بعد یہ حق کسی کو حاصل نہیں'' اس بات سے صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی کے قتل کرنے کا فیصلہ لینا یہ حق صرف رسول کریم ﷺ کو حاصل تھا آپ کے بعد ایسا فیصلہ لینے کا حق کسی کو نہیں۔ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں نکلتا اگر کوئی کسی بھی معزز شخص کو برا بھلا کہے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ رسول کریم ﷺ کو برا بھلا کہے تو اسے قتل کر دیا جائے! بات تو بڑی صاف بیان کی گئی ہے لیکن نتیجہ غلط نکالا گیا ہے۔

دیکھا جائے تو امام ابن تیمیہؒ نے اس جگہ بہت اہم نقطہ بیان فرمایا ہے اور یہی وہ نقطہ ہے جو ہر قسم کے شک وشبہات کو دور کرتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے کسی حکم اور عمل پر بھی انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ایک عمل بھی ایسا نہیں تھا جو اذنِ الٰہی کے خلاف ہو جیسا کہ لکھا ''آپ اسی بات کا حکم دیتے جس کا اللہ نے انہیں حکم دیا ہو'' یہی وہ بات ہے جسے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بیان کرتا ہے۔ فرمایا

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم آیت ۳ و ۴)

یعنی۔ اور یہ اپنی خواہش کے مطابق کچھ نہیں بولتا۔ مگر وہی (کہتا ہے) جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیات اس بات کی شہادت پیش کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کوئی بات ایسی نہیں کرتے تھے اور کسی بات کا حکم نہیں دیتے تھے مگر یہ کہ اس کے بارے میں اللہ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔ یہ بات بہت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس روایت میں جو اوپر بیان کی گئی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ''رسول کریم ﷺ کے بعد یہ حق کسی کو حاصل نہیں'' اس سے مراد ہی یہ ہے کہ ایسے حکم صادر فرمانا یہ صرف رسول کریم ﷺ ہی کا حق تھا کسی اور کا نہیں اس کی وجہ ہی یہ تھی کہ آپ ﷺ کا ہر حکم اذن خداوندی اور ارادۂ خداوندی سے ہوتا تھا اس کا راز اور اس کا مقصد خواہ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ ہاں اس کی پوشیدہ رازوں کو اللہ اور اس کا رسول اچھی طرح جانتے تھے۔ اس کی مثال سورۃ الکہف کے اس واقعہ سے دی جا سکتی ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اللہ کے بندے کے ساتھ سفر کیا تھا اور اس سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ میرے کسی بھی کام پر کوئی سوال نہیں کرو گے جب تک کہ میں خود سے نہ بتاؤں لیکن آپ بار بار سوال کرتے تھے کیونکہ ان کے سامنے جو

کام کئے جا رہے تھی وہ ان کی سمجھ سے باہر تھے۔ دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سفر ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ تھا (جسے بعض مفسرین حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔) اس میں دراصل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اعلیٰ اور ارفع شان اور تعلق باللہ و صبر استقامت کو بیان کیا گیا ہے۔ اب دیکھیں یتیم بچوں کی کشتی کا توڑنا، ایک بچے کو قتل کر دینا، ایک گرتی ہوئی دیوار کو بنا اجرت لئے کھڑا کر دینا بظاہر یہ باتیں زیادتی اور ظلم اور بے فائدہ دکھائی دیتی ہیں۔ جب آپ ﷺ نے ان کے رازوں سے پردہ اٹھایا تو پھر بات سمجھ میں آئی تب معلوم ہوا کہ یہ سب کام تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کئے جا رہے تھے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو بھی حکم صادر فرماتے تھے اس میں بہت سے راز پوشیدہ ہوتے تھے اور ان لوگوں کو دکھائی نہیں دیتے تھے جو دنیا کی آنکھ رکھتے تھے۔ پس یہ بات قرآن کریم سے ثابت ہے کہ آپ کوئی بھی بات اپنی طرف سے نہ کرتے تھے اور نہ ہی کوئی حکم اپنی طرف سے دیتے تھے بلکہ وہی کرتے اور کہتے تھے جس کا اللہ آپ کو حکم کرتا تھے۔ پس حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بالکل سچا اور حقیقت پر مبنی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد کسی کی توہین پر اس کو قتل کر دینے کا حکم دینے کا حق کسی کو نہیں۔ یہ بہت قابل غور بات ہے۔ پس اس روایت سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ توہین رسالت کہ سزا اسلام میں قتل مقرر کی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جن لوگوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا ان کی ظاہری وجوہات کے علاوہ کیا کیا پوشیدہ راز تھے یہ تو اللہ اور اس کا رسول ؐ ہی بہتر جانتے تھے ہمیں خود سے کوئی نتیجہ نہیں نکال لینا چاہئے۔

۷۔امام ابن تیمیہؒ نے انس بن زُنیم الدیلی کا واقعہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''واقدی نے بطریق عبد اللہ بن عمرو بن زُہیر از محجن بن وہب ذکر کیا ہے (المغازی للواقدی ۲/ ۲۸۲۔ ۲۸۹) بحوالہ الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۱۶۹، کہ آخری واقعہ جو خزاعہ اور کنانہ کے مابین پیش آیا وہ یہ ہے کہ انس بن زُنیم الدیلی نے رسول اکرم ﷺ کی ہجو کہی۔ قبیلہ خزاعہ کے ایک لڑکے نے سُن لیا، اس نے انس پر حملہ کردیا اور اس کے سر پر چوٹ ماری۔ وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور ان کو اپنا زخم دکھایا، فتنہ بازی کا آغاز ہوا۔ بنو بکر پہلے ہی خزاعہ سے اپنے خون کا مطالبہ کر رہے تھے۔

واقدی نے بطریق حرام بن ہشام بن خالد الکعبی اپنے والد سے روایت کی ہے کہ عمرو بن سالم خزاعی قبیلہ خزاعہ کے چالیس سواروں میں رسول کریم ﷺ سے مدد طلب کرنے کے لئے نکلا۔ انہوں نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا جو ان کو پیش آیا تھا اور اس قصیدے کا بھی ذکر کیا جس کا پہلا مصرع یہ ہے

اللھم انی ناشد محمداً

جب قافلے والے فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ انس بن زُنیم الدیلی نے آپ کی ہجو کہی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے اس کے خون کو ھدر قرار دیا۔ جب انس بن زُنیم کو پتہ چلا تو وہ معذرت طلبی کے لئے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے رسول کریم ﷺ کی شان میں مدحیہ قصیدہ کہا اور آپ کو سنایا۔''

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۱۶۹)

اسی واقعہ کو پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ الدراوی نے بھی اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ اس واقعہ کے ضمن میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کو واقدی بیان کر رہا ہے اور اس کی کوئی سند

نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان دونوں قبیلوں میں آپسی لڑائی صلح حدیبیہ سے پہلے سے جاری تھی۔ صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں ہی ان کے درمیان معاہدہ طے پایا تھا اس میں خزاعہ قبیلہ کے لوگ مسلمانوں کے حلیف ہوئے تھے اور بنو بکر کو قریشیوں کی ہمدردی مل گئی تھی۔ اس طرح بنو بکر نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر خزاعہ قبیلہ سے بدلہ لینے کی ٹھان لی تھی اس پر بنو بکر نے شبخون مارا اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی جو بعد میں فتح مکہ کا باعث ہوئی۔ اس آپسی چپقلش کا ذکر امام ابن تیمیہؒ خود بھی فرما رہے ہیں کہ ''بنو بکر پہلے ہی خزاعہ سے خون کا مطالبہ کر رہے تھے'' یہ جملہ بتاتا ہے کہ یہ دونوں قبیلے پہلے ہی سے ایک دوسرے کے حریف تھے۔ تیسری بات یہ بھی ہے کہ اس واقعہ کو واقدی کے علاوہ اور کوئی بھی اس طرح سے بیان نہیں کرتا۔ البتہ ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ

''قبیلہ بنو بکر اور خزاعہ میں یہ رقابت چل ہی رہی تھی کہ اسلام آ کر ان دونوں میں حائل ہو گیا اور اب ان کی توجہ اسلام کی طرف منعطف ہو گئی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ اور قریش کے مابین صُلح حدیبیہ وقوع پزیر ہوئی تو جو شرطیں جانبین میں طے ہوئیں جیسا کہ مجھ سے زہری نے عُروہ بن زبیر نیز ہمارے علماء میں سے منصور بن مخزمہ، مروان بن حکم وغیرہ کے واسطے بیان کیا، ان میں ایک شرط یہ تھی کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہونا پسند کرے شامل ہو جائے۔ اور جو قریش کے عہد میں شامل ہونا چاہے شامل ہو جائے۔ اس شرط کے نتیجہ میں قبیلہ بنو بکر قریش کے عہد میں اور بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں شامل ہو گئے۔

ابن اسحاق نے کہا پھر جب یہ صلح ہوئی (اور صلح میں قریشیوں کی ہمدردی بنو بکر کو مل گئی) تو بنو بکر کے قبیلہ بنو ویل نے یہ موقعہ غنیمت سمجھا اور بنو اسود بن رزن کے بدلے کے لئے بنی خزاعہ سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا کہ خوں بہا وصول کر لیا جائے جنہیں انہوں نے قتل کر دیا تھا، چنانچہ نوفل

بن معاویہ دَیلی اپنے قبیلہ بنو دَیل میں آیا جن کا یہ اس وقت قائد تھا مگر بنو بکر کا ہر فرد اس کے تابع فرمان نہ تھا، اس نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو لیکر بنو خزاعہ پر شبخون مارا۔ جب وہ ویر میں تھے اور ان کا ایک آدمی نرغے میں آ گیا۔ جسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ دوسری طرف قریش نے بنو بکر کو ہتھیار بہم پہنچائے۔ نہ صرف یہ بلکہ کچھ قریشیوں نے رات کے وقت ان کے ساتھ ہو کر خفیہ اس قتل و خونریزی میں حصہ بھی لیا، تا آنکہ بنو خزاعہ کو گھیر کر حرم کی طرف دھکیل دیا جائے۔ جب وہ حرم میں پہنچ گئے تو بنو بکر کے لوگوں نے کہا ''نوفل! ہم تو حرم میں داخل ہو گئے ہیں تم جانو اور تمہارا معبود جانے'' اس پر نوفل نے کہا ''یہ بہت بڑی بات ہے۔ آج کوئی معبود نہیں ہے۔ اے بنو بکر! تم اپنا خون بہا وصول کرو، میری جان کی قسم، تم حرم میں چوریاں کرتے ہو تو کیا یہاں اپنا خون بہا وصول نہیں کر سکتے'' حالانکہ بنو بکر بنو غزاعہ کے ایک آدمی کو جس کا نام منبّہ تھا ایک رات وتیر میں شب خون مار کر قتل کر چکے تھے منبّہ ایک کمزور دل آدمی تھا، یہ اپنی قوم کے ایک آدمی کے ساتھ جس کا نام تمیم بن اسد تھا، نکلا ✖ اور اس سے کہا، ''تمیم تم اپنے آپ کو بچاؤ، جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو بالکل ایک مرا ہوا آدمی ہوں۔ مجھے یا تو قتل کر دیں گے یا چھوڑ دیں گے، میرا دل ٹوٹ چکا ہے''۔ بہر حال تمیم اسے چھوڑ کر چلا گیا، بنو بکر کے آدمیوں نے منبہ کو پکڑا اور قتل کر دیا۔ بنو خزاعہ نے مکہ میں پہنچ کر بدیل بن ورقاء اور ان کے مولیٰ رافع کے مکان میں پناہ لی۔''

(سیرت النبی کامل مرتبہ ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۴۵۹ و ۴۶۰)

نیز لکھا ہے کہ

''ابن اسحاق نے کہا ✖ غرض بنی بکر اور قریش نے مل کر بنی خزاعہ پر غلبہ حاصل کرنا چاہا، انہیں جو نقصان پہچانا تھا پہنچا لیا اور وہ عہد و میثاق توڑ دیا، جو رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا اور اس میں بنی خزاعہ بھی شامل تھے۔ آخر عمرو بن سالم خزاعی اور اس کے بعد بنو کعب کا ایک آدمی نکل کر

رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ پہنچا۔اور یہی بات تھی جو فتح مکہ کے لئے موجب ہوئی۔آپ مسجد میں سب لوگوں کے درمیان موجود تھے کہ عمرو خزاعی نے سامنے آ کر یہ شعر پڑھنے شروع کئے۔(اس کا پہلا شعر یہ ہے)

یَارَبِّ اِنِّی نَاشِدٌ مُحَمَّدًا حِلْفَ اَبِیْنَا وَ اَبِیْہِ الْاَتْلَدَا

(سیرت النبی کامل مرتبہ ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۴۶۴)

سیرت ابن ہشام میں ایسا کوئی واقعہ درج نہیں کہ توہین آمیز اشعار کی بنا پر قبیلہ خزاعہ کے کسی لڑکے نے انس پر حملہ کیا تھا اور نہ ہی اس واقعہ کا رسول کریم ﷺ کے پاس ذکر کرنے کا تذکرہ ہے کہ جس پر رسول کریم ﷺ نے اس کے خون کو ھدر قرار دیا۔

تاریخ اسلام کے مصنف مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے بھی اس واقعہ کو درج کیا ہے لیکن آپ نے بھی اس ہجو والے واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔دراصل یہ دو قبیلوں کی دیرینہ آپسی دشمنی کا شاخسانہ تھا اور صلح حدیبیہ کے بعد بنو بکر کو اور قریش کو یہ نہیں چاہئے تھا کہ وہ بنو خزاعہ پر حملہ کرتے اور ان کے آدمیوں کا قتل کرتے بلکہ انہوں نے شبخون مارا اور تیس چالیس افراد کو قتل کر دیا جب اس کی اطلاع رسول کریم ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے بنو خزاعہ کی مدد کا وعدہ کیا اور ایک لشکر تیار ہوا اور یہ واقعہ فتح مکہ کا باعث ہوا۔الغرض واقدی نے جو بات لکھی ہے اس کے حوالہ سے دیگر کتب میں یہ واقعہ درج ہوا ہے ان کے علاوہ اور کوئی بھی مؤرخ کسی ثقہ حوالہ سے اسے پیش نہیں کرتا۔

پھر یہ بھی دیکھنے والی بات ہے کہ اس ہجو کرنے والے کا انجام کیا ہوا بقول واقدی آپ ﷺ نے اسے معاف فرما دیا۔ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ ہجو کرنے والی کی معافی بھی قبول نہیں کی جائے گی اور دوسری طرف اسی واقعہ میں یہ بات دیکھنے میں ملتی ہے کہ آنحضرت

ﷺ اسی معافی طلب کرنے پر معاف فرما دیتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ہجو کہتا ہے اور پھر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور معافی طلب کرتا ہے تو اسے معاف کیا جائے گا یہی ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کا اسوٰہ ہے اور پھر ایسے معاف کرنے کے بہت سے واقعات آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہمیں دکھائی دیتے ہیں۔اگر دیکھا جائے تو آنحضرت ﷺ نے جن لوگوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا ان کی وجوہات صرف ہجو نہیں تھی بلکہ دیگر سنگین جرائم تھے ان کی آج کے زمانہ میں بھی قتل کی ہی سزا مقرر ہے۔اسلام پر یہ سراسر الزام ہے کہ اسلام صرف توہین رسالت کی بنا پر ہی کسی کے قتل کی سزا تعین کرتا ہے۔

۸۔واقعہ ابن ابی سرح:۔امام ابن تیمیہؒ نے ایک دلیل ابن ابی سرح کے واقعہ سے پیش کی ہے۔تاریخ میں آتا ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو آپ نے سب لوگوں کو معاف فرما دیا سوائے چند اشخاص کے جن کی تعداد گیارہ بیان کی جاتی ہے۔روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ

''ان کو قتل کردو اگرچہ کعبہ کے پردے کے ساتھ لٹکے ہوئے ہوں''

ان کے اسماء اس طرح سے ہیں۔

ا۔عبداللہ بن ابی سرح۔اسے حضرت عثمان بن عفانؓ جو کہ عبداللہ بن ابی سرح کے رضائی بھائی تھے اپنے ساتھ لیکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے معافی کی درخواست کی تو آپؐ نے معاف فرمادیا۔

۲۔ابن خطل۔اس کو قتل کیا گیا۔

۳۔ ۴۔ابن خطل کی دو لونڈیاں جو اس کے ساتھ شرارتوں میں شامل تھیں ان میں سے ایک قتل ہوگئی اور دوسری کے لئے رسول کریم ﷺ سے امان طلب کی گئی تو آپؐ نے امان دیدی اور اسے معاف فرمادیا۔

۵۔عکرمہ بن ابی جہل۔اس کی بیوی نے آنحضرت ﷺ کے حضور حاضر ہوکر اس کے لئے معافی طلب کی تو آپؐ نے معاف فرمادیا۔

٦۔حویرث بن نقید۔آنحضرت ﷺ کی سخت ہجو کیا کرتا تھا۔اور اشعار بناتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی دو لڑکیوں فاطمہ اور ام کلثوم کو حضرت عباسؓ اپنے ساتھ مدینہ لے جارہے تھے تو اس شخص نے ہبار بن الاسود کے ساتھ شامل ہوکر اونٹ کو نیزہ مار کر لڑکیوں کو نیچے گرادیا تھا۔(زرقانی علی مواہب اللدنیہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۵) اسے قتل کیا گیا تھا۔

۷۔ مقیس بن صبابۃ۔ یہ شخص ایک انصاری کو قتل کر کے بھاگ آیا تھا اور مرتد ہو گیا تھا۔ قتل کے جرم میں اس کو قتل کیا گیا۔

۸۔ ہبار بن الاسود ۔اسنے حضرت زینب رضی کو ہجرت کے وقت اونٹ سے ایک چٹان پر گرایا جسکہ وجہ سے انکا اسقاط ہو گیا۔ اس کو معاف کر دیا گیا۔

۹۔ کعب بن زہیر۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اشعار میں ہجو کرتا تھا اس کو بھی معافی دے دی گئی۔

۱۰۔ ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان۔ اس نے حضرت حمزہ رضی کا مثلہ کیا تھا کلیجہ نکال کر دانتوں سے چبایا ۔اوران کے بدن کے ٹکڑوں کا ہار بنا کر بازوؤں اور پاؤں پر پہنے۔ اس کو بھی معاف کر دیا گیا۔

۱۱۔ وحشی بن حرب۔ ہندہ بنت عتبہ کا غلام۔ اسنے ہندہ کے کہنے پر حضرت حمزہ رضی کو شہید کیا تھا۔ اس کو بھی معافی دیدی گئی۔

(بحوالہ قتل مرتد اور اسلام صفحہ ۱۱۸ و ۱۱۹۔ وسیرت ابن ہشام)

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ ان میں سے صرف چار ہی کا قتل ہوا باقی سب کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر معافی مانگنے کا موقعہ مل گیا یا کسی کی پناہ میں آجانے اور اس کے ذریعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے سے یا کسی اور کی معافی کی درخواست پر باقی سب کو معاف فرما دیا۔ ان چار قتل ہو جانے والے اشخاص کو بھی اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر معافی طلب کرنے کا موقعہ مل جاتا تو میرے آقا کی شفقت اس قدر وسیع تھی کہ آپ انہیں بھی معاف فرما دیتے۔ اس تفصیل سے ایک بات یہ بھی ظاہر ہوتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجو کرنے والوں اور ہجو کے اشعار کہنے والوں کو بھی معاف فرما دیا جو اس بات کے لئے کافی دلیل ہے کہ توہین رسالت

کرنے والوں کی سزا قتل نہیں ہے ورنہ آپ ﷺ کسی ایک ہجو کرنے والے کو بھی معاف نہ فرماتے۔

واقعہ عبداللہ بن ابن سرح۔

اس کے بارے میں تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ

"فلما کان یوم الفتح امر النبی صلی اللہ علیہ و سلم بقتلہ فاستجار لہ عثمان فاجارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم انہ اسلم و حسن اسلامہ" (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۵۲۷)

یعنی۔ فتح مکہ کے دن آپؐ نے عبداللہ بن ابی سرح کے قتل کا حکم دیا۔ حضرت عثمان نے اس کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کو پناہ دے دی اور معاف کر دیا۔

اسی طرح روح المعانی جلد ۴ صفحہ ۸۴ میں لکھا ہے کہ

"کان یکتب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فازلّہ الشیطن فلحق بالکفار فامربہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقتل یوم فتح مکۃ فاستجار لہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فاجارہ النبی صلی اللہ علیہ و سلم"

یعنی۔ وہ پہلے کاتب وحی تھا۔ پھر شیطان نے اس کو بہکا دیا اور وہ کافروں سے جا ملا فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے بھی اس کو پناہ دیدی۔

عبداللہ بن ابن ابی سرح کا جرم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ رسول کریم ﷺ کا کاتب وحی

تھا جیسا کہ اوپر والے حوالہ سے بھی ظاہر ہے۔اور قرآن کریم کی جب یہ آیت نازل ہوئی کہ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ (المؤمنون آیت ۱۲ تا ۱۵)

ترجمہ۔اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ یعنی غذا سے بنایا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک مدّت معیّنہ تک ایک محفوظ مقام یعنی رحم میں رہا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنایا پھر ہم نے اس بوٹی کے بعض اجزاء کو ہڈیاں بنایا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر ہم نے اس میں روح ڈال کر اس کو ایک دوسری طرح کی مخلوق بنایا۔سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

کہتے ہیں کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں اور رسول کریم ﷺ اس آیات کو **ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ** تک لکھوا چکے تو اس کے منہ سے **فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ** کے کلمات نکلے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''یوں ہی لکھو کیونکہ یہی کلمات نازل ہوئے ہیں'' اس پر اس نے خیال کیا کہ اگر رسول کریم ﷺ پر وحی نازل ہوتی ہے تو مجھ پر بھی تو وحی نازل ہوتی ہے تو میں بھی نبی ہوں۔اس پر یہ مرتد ہو گیا اور مدینہ سے بھاگ کر مکہ چلا گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ میں جس طرح چاہتا تھا محمد ﷺ کے الفاظ کو بدل دیا کرتا تھا۔وہ مجھے بولتے **عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ** تو میں لکھتا **عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ** اور وہ کہہ دیتے کہ ہاں سب ٹھیک ہے۔اور جو کچھ میں کہتا وہ اسی کو کہہ دیتے ہاں یوں ہی لکھو یہ اسی طرح نازل ہوئی ہے۔

اس طرح یہ شخص آنحضرت ﷺ کی نبوّت ، کلام الٰہی اور اسلام کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شک وشبہات پیدا کرتا تھا اس طرح یہ شخص ایک پولیٹیکل مجرم بن گیا تھا۔

ہم میں سے ہر شخص یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے مدینہ تشریف لے آنے کے بعد ہی یہود کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اس کے ساتھ ہی مدینہ ایک اسلامی مملکت کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اس کے بعد صلح حدیبیہ کے موقعہ پر مکہ والوں نے بھی معاہدہ کر کے مدینہ کو ایک اسلامی مملکت تسلیم کر لیا تھا۔ اس صورت میں حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی ایک حیثیت تو نبی کی تھی ہی دوسری حیثیت اسلامی مملکت کے سربراہ کی بھی آپ کو حاصل ہو گئی تھی جسے مکہ والوں اور انکے حلیفوں نے خود تسلیم کر لیا تھا۔ ایسی صورت میں رسول کریم ﷺ کو یہ بھی اختیار حاصل تھا کہ آپ کسی بھی مجرم کے لئے کوئی بھی سزا مقرر فرماتے۔ اسی بنا پر رسول کریم ﷺ نے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو بھی ایک پولیٹیکل مجرم قرار دیتے ہوئے اسے قتل کرنے کا ارشاد فرمایا۔

آنحضرت ﷺ نے اس شخص کی اس کی گستاخی کی بنا پر جو اس نے کلام اللہ نبی اللہ کے ساتھ کی تھی اسے قتل کرنے کا حکم تو دیا لیکن آپ ﷺ نے اسے معاف بھی فرما دیا۔ آپ ﷺ کا ایسے شخص کو معاف فرما دینا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلامی شریعت میں کسی گستاخِ رسول کی سزا قتل مقرر نہیں ہے۔ اگر اسلامی شریعت میں گستاخ رسول کی سزا قتل مقرر ہوتی تو آپؐ اس کو کبھی معاف نہ فرماتے۔ اسی طرح اگر کسی گستاخِ رسول کی سزا قتل ہی ہوتی تو حضرت عثمان بن عفانؓ انہیں کبھی بھی اپنے گھر میں پناہ نہ دیتے۔ آپ بھی اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ کوئی ایسی گستاخی نہیں ہے کہ جس کی سزا شریعت میں صرف قتل ہے اس لئے آپؓ نے پناہ بھی دی اور خود اسے اپنے ساتھ لیکر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوئے تھے۔اور پھر آپ ﷺ نے معاف بھی فرما دیا۔ یہ دونوں باتیں ہی اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ اسلامی شریعت میں گستاخِ رسول کی سزا قتل نہیں۔

اس جگہ چند احادیث کو پیش کرنا ضروری خیال کرتا ہوں جن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسلامی شریعت میں کن لوگوں پر قتل کی سزا مقرر ہے۔

۱۔"عن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یحل دم امرء مسلم یشهد ان لا اله الا الله و اَنّ محمدًا رسول الله الا فی احدی ثلٰث رجل زنی بعد احصان فانه یرجم و رجل خرج محارباً لله و رسوله فانه یقتل او یصلب او ینفی او یقتل نفساً فیقتل بها"

(ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فی من ارتد جلد سوم صفحہ ۳۵۲)

یعنی۔حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ کسی مسلمان کا خون کرنا جائز نہیں جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں سوائے ان تین وجوہات کے یہ کہ محصن ہو کر زنا کرے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا دوسرے وہ جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کے لئے نکلے اسے قتل کیا جائے گا یا سولی دیا جائے گا یا قید کیا جائے گا۔تیسرے وہ جو کسی کا ناحق خون کرے اسے قتل کیا جائے گا۔

۲۔"عن عائشة ان رسول الله صلی الله علیه و سلم قال لا یحل دم امرئٍ مسلم الا باحدی ثلٰث خصالٍ زانٍ محصن یرجم او رجل قتل رجلا متعمدا فیقتل او رجل یخرج من الاسلام فیحارب الله عز وجل و رسوله فیقتل او یصلب او ینفیٰ من الارض"

(نسائی۔کتاب المحاربۃ۔باب الصلب جلد سوم صفحہ ۱۳۴)

یعنی۔حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا مسلمان کا خون درست نہیں مگر تین صورتوں میں ایک تو جو محصن ہو کر زنا کرے وہ سنگسار کیا جائے۔اور دوسرے وہ شخص جو کسی شخص کو قصداً مار ڈالے تو وہ قتل کیا جائے گا تیسرے وہ شخص جو اسلام سے پھر جائے اور اللہ اور اس کے رسول سے لڑے پس وہ قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا قید کیا جائے۔

۳۔ حدثنا ابو قلابۃ (فی حدیث طویل) فو اللہ ما قتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احداً قط الا فی احدی ثلاث خصال رجل قتل بجبر یرۃ نفسہ او رجل زنی بعد احصان او رجل حارب اللہ و رسولہ وارتد من الاسلام"

(بخاری کتاب الدیات۔باب القسامۃ جلد سوم صفحہ ۷۴۸)

یعنی۔ہم سے ابو قلابہ نے بیان کیا۔۔۔۔۔۔۔۔خدا کی قسم آنحضرتﷺ نے تو کسی شخص کے خون کرنے کا حکم نہیں دیا جب تک وہ ان تین باتوں میں سے کسی بات کا مرتکب نہ ہو یا تو ناحق خون کا مرتکب ہو اپنے جرم کی سزا میں قتل کیا جائے۔یا محصن ہو کر زنا کرے یا اللہ اور اس کے رسول سے مقابلہ کرے اسلام سے پھر جائے۔

۴۔ "حدثنی سلمان ابو رجاء مولی ابی قلابۃ عن ابی قلابۃ۔۔۔۔فقال (عمر بن عبد العزیز) ۔۔۔ما تقول یا عبد اللہ بن زید۔۔۔ قلت ما علمت نفسا حل قتلھا فی الاسلام الا رجل زنی بعد احصان او قتل نفسا بغیر نفس او حارب اللہ و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔"

(صحیح بخاری۔کتاب التفسیر۔باب انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ آیۃ جلد دوم صفحہ ۸۴۰)

یعنی۔ مجھ سے سلمان ابورجاء کے غلام ابی قلابہ سے ۔۔ کہ عبداللہ بن زید کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا میں تو یہ جانتا ہوں کہ ہماری شرع یعنی اسلام میں کسی کا خون درست نہیں۔ مگر جو محصن ہو کرزنا کرے۔ یا کسی کو ناحق مار ڈالے یا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑے۔

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شرعی لحاظ سے اسلام میں قتل کی سزا صرف تین وجوہات کی بنا پر دی جاسکتی ہے۔ ایک محصن زانی کو دوسرے اگر کسی نے کسی دوسرے انسان کو ناحق قتل کردیا ہو یا اس شخص کو قتل کیا جائے گا جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نکلے گا۔ یہ وہ تین مواقع ہیں جن میں اسلام نے قتل کی سزا مقرر فرمائی ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ کا عمل اور سنّت بھی ثابت ہے اس کے علاوہ کسی کو بھی کسی دوسرے جرم میں قتل نہیں کیا گیا۔ ان احادیث میں ایک صحابی اللہ کی قسم کھا کر یہ بات بیان کر رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صرف تین قسم کے لوگوں کو ہی قتل کروایا اس کے سوا کسی کو آنحضرت ﷺ کے حکم سے قتل نہیں کیا گیا۔ یہ احادیث اور آنحضرت ﷺ کا عمل اس معاملہ کو بالکل صاف کر کے بیان کر رہا ہے کہ اسلام میں توہین رسالت کی سزا قتل تو بالکل بھی نہیں ہے۔

۹۔ہجو گوئی کی سزا قتل کی دلیل کے طور پر ابن خطل کے قتل کو بھی بیان کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ۔

صحیح بخاری و مسلم میں بطریق زہری از انس رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ والے سال مکہ میں داخل ہوئے اور آپ نے آہنی خود پہن رکھی تھی ۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اتارا تو ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ ابن خطل کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹکا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے قتل کردو''

(صحیح بخاری حدیث نمبر ۱۸۴۶ و صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۳۵۷)

اس واقعہ کے بارے میں امام ابن تیمیہؒ کی کتاب میں درج ہے کہ

''ابن خطل کے واقعہ سے فقہاء کی ایک جماعت نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا مسلمان بھی ہو تو اسے حداً قتل کیا جائے۔اس پر اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ ابن خطل حربی تھا اس لئے اسے قتل کیا گیا۔''

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۲۰۰)

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ فقہاء نے تو لکھ دیا لیکن کوئی حوالہ پیش نہیں کیا کہ کون سا فقہی ہے جس نے یہ استدلال لیا ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں گالی دینے والے یا ہجو کرنے والے کو قتل کرنے کا تو کوئی ثبوت ہی نہیں ملتا۔پھر حربی بھی اس لئے نہیں ہوا کیونکہ اس نے مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر ہی جنگ کرنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا جیسا کہ لکھا ہے کہ

''مسلمانوں کا لشکر دیکھا اور سمجھا کہ لڑائی ہونے والی ہے وہ اس قدر مرعوب ہوا کہ اس پر کپکپی طاری تھی، یہاں تک کہ کعبہ پہنچا، اپنے گھوڑے سے اترا اور ہتھیار پھینک دئے۔وہ بیت اللہ میں آ کر اس کے پردوں میں داخل ہو گیا۔''

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۱۹۸)

اب ایک ہی صورت باقی رہتی ہے جسے تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ

''اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ابن خطل کے قتل کا حکم دیا تھا۔ دراصل یہ فتح مکہ سے پہلے مدینے آیا تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے اس کا نام عبدالعزیٰ تھا جب یہ مسلمان ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام عبداللہ رکھا تھا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کو صدقات وصول کرنے کے لئے دوسری بستیوں میں بھیجا۔ اس کے ساتھ ایک انصاری شخص کو آپ نے خدمت گار کے طور پر بھجا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اس کے ساتھ خدمت کے لئے اس کا ایک غلام بھی تھا جو خود بھی مسلمان تھا۔ راستے میں ایک جگہ ابن خطل نے پڑاؤ کیا اور غلام کو حکم دیا کہ ایک بکرا ذبح کر کے کھانا تیار کر دے۔ یہ حکم دے کر ابن خطل پڑ کر سو گیا۔ جب سو کر اٹھا تو اس نے دیکھا کہ خادم نے کھانا تیار نہیں کیا تھا بلکہ خود بھی پڑا سو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ابن خطل سخت غضبناک ہو گیا اور غصہ میں خادم پر حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا''۔

(سیرت حلبیہ اردو جلد پنجم صفحہ ۲۷۷)

اسی طرح سیرت النبی ابن ہشام میں لکھا ہے کہ

''اس کے قتل کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ جب یہ مسلمان ہوا اسے رسول اللہ صلعم نے وصول صدقات کے عامل بنا کر ایک انصاری کے ساتھ بھیجا۔ ساتھ اس کا غلام بھی تھا جو مسلمان تھا اور اس کی خدمت پر معمور تھا۔ ابن خطل ایک منزل پر اترا اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ مینڈھا ذبح کر کے کھانا تیار کرے اور خود سو گیا اور جب جاگا تو کھانا تیار نہ تھا ابن خطل نے غلام پر حملہ کر کے قتل کر دیا اور خود مرتد ہو گیا۔''

(سیرت النبی کامل مرتبہ ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۴۸۵۔۴۸۶)

''اس حرکت کے بعد ابن خطل (کو سخت خطرہ اور ڈر محسوس ہوا اور وہ) مرتد ہو کر وہاں سے بھاگ گیا۔ یہ چونکہ شاعر تھا اس لئے اب اس نے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخانہ شاعری شروع کر دی اور اپنے شعروں میں آنحضرت ﷺ کی توہین اور ہجو کرنے لگا۔ اس کے پاس دو داشتائیں بھی تھیں جو اس کے اشعار گایا کرتی تھیں اور ابن خطل ان کو آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار لکھ کر دیا کرتا تھا۔''

(سیرت حلبیہ اردو جلد پنجم صفحہ ۲۷۷)

امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ

''اس طرح اس کے تین ایسے جرائم تھے جس سے کسی کا بھی خون مباح ہو جاتا ہے۔
۱۔قتل نفس ۲۔ارتداد ۳۔ہجو گوئی''

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۱۹۹)

یہاں تین وجوہات بیان کی گئی ہیں ۔ارتداد کی بحث پیچھے گزر چکی ہے مرتد کی سزا قتل قرآن سے ثابت نہیں۔ اسی طرح ہجو گوئی کی سزا قتل بھی قرآن سے ثابت نہیں۔ اب ایک ہی وجہ باقی رہتی ہے جو کہ قتل نفس ہے۔ اس شخص نے اسی بات کا ارتکاب کیا تھا اور قتل کی سزا قتل قرآن سے ثابت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ (البقرة آیت نمبر ۱۷۹)

یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر مقتولوں کے بارہ میں برابر کا بدلہ لینا فرض کیا گیا ہے اگر (قاتل) آزاد (مرد) ہو تو اسی آزاد (قاتل) سے اور اگر (قاتل) غلام ہو تو اسی غلام

(قاتل) سے اور اگر (قاتل) عورت ہو تو اسی (قاتل) عورت سے (بدلہ لیا جائے گا)

قرآن کریم کے اس حکم سے ساری بات صاف ہو جاتی ہے کہ ابن خطل کے قتل کا حکم قتل کے بدلے قتل کے طور پر دیا گیا تھا نہ کسی اور بنا پر۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ابن خطل کا قتل توہین رسالت کی بنا پر کیا گیا تھا۔ کیونکہ قرآن کریم توہین رسالت کرنے والوں کو اس دنیا میں لوگوں کے ہاتھوں سزا دینے کا کوئی حکم نہیں دیتا بلکہ ایسے شخص کو سزا دینا اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔

جہاں تک ان دو مغنی عورتوں کو قتل کرنے کا حکم ہے جو ابن خطل کی لونڈیاں تھیں اور اس کے اشعار پڑھ پڑھ کر لوگوں کو آنحضرت ﷺ اور آپ کے ماننے والوں کے خلاف اُکسایا کرتی تھیں۔ ان میں سے ایک کو تو قتل کر دیا گیا لیکن دوسری بھاگ گئی اس کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں امن کی درخواست کی گئی تو آنحضور ﷺ نے اسے معاف کرتے ہوئے اسے امان دیدی اس کے بعد وہ مسلمان ہوگئی۔ ان ہر دو داشتاؤں کو قتل کرنے کا حکم بھی ابن خطل کے کارناموں میں شامل ہونے کی بنا پر دیا گیا تھا۔ کیونکہ مقولہ مشہور ہے کہ **الجلیسُ کمثله** کہ جو جس کے ساتھ بیٹھتا ہے وہ بھی ان جیسا ہی ہوتا ہے۔ جہاں ابن خطل آنحضرت ﷺ اور آپ کے ماننے والوں کے خلاف سازشیں تیار کرتا اس کی یہ لونڈیاں بھی اس میں برابر کی شریک ہوتی تھیں۔ اس کے باوجود جب ان میں سے ایک کے لئے امان طلب کی گئی تو آنحضرت ﷺ نے اس کو امان دیدی اگر دوسری کی بھی آنحضرت ﷺ تک رسائی ہو جاتی تو آپؐ اسے بھی معاف کر دیتے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے جن لوگوں کے بھی قتل کا حکم دیا تھا ان میں سے جس کے لئے بھی امان طلب کی گئی آپؐ نے اسے امان دیدی اور جس نے بھی معافی طلب کی آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ اگر اسلام میں توہین رسالت کی

سزا قتل ہی ہوتی تو آپ ﷺ کسی ایک کو بھی معاف نہ کرتے اور نہ ہی کسی کو امان دیتے۔

۱۰۔امام ابن تیمیہؒ نے ایک دلیل واقعہ قتل ابوعفک یہودی سے دی ہے لکھا ہی کہ

''کہتے ہیں کہ بنوعمرو بن عوف ایک شیخ تھا جس کو ابوعفک کہتے تھے۔ وہ نہایت بوڑھا تھا اوراس کی عمر ایک سوبیس سال تھی۔ یہ شخص مدینہ آ کر لوگوں کو رسول کریم ﷺ کی عداوت پر بھڑکاتا تھا۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب رسول کریم ﷺ بدر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و کامرانی سے نوازا تو وہ حسد کرنے لگا اور بغاوت پر اتر آیا۔ اس نے رسول کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنھم کی مذمت میں ایک توہین والا قصیدہ کہا۔

سالم بن عمیر نے نذر مانی کہ میں ابوعفک کو قتل کروں گا یا اسے قتل کرتے ہوئے مارا جاؤں گا۔ سالم موقعہ کی تلاش میں تھا، موسم گرما کی ایک رات تھی، ابوعفک موسم گرما میں قبیلہ بنی عوف کے صحن میں سورہا تھا اندریں اثنا سالم بن عمیر آیا اور تلوار اس کے جگر پر رکھ دی دشمنِ خدا بستر پر چیخنے لگا۔ اس کے ہم خیال بھاگتے ہوئے اس کے پاس آئے، پہلے اسے اس کے گھر میں لے گئے اور پھر قبر میں دفن کر دیا۔ کہنے لگے اسے کس نے قتل کیا ہے؟ بخدا! اگر ہمیں قاتل کا پتہ چل جائے تو ہم اسے قتل کر دیں گے'' (الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۱۶۸)

اس واقعہ کو واقدی کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ واقدی کی کیا پوزیشن ہے اس کو پہلے ہی بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ شخص خود سے واقعات بنانے میں ماہر تھا۔ امام ابن تیمیہؒ کی کتاب میں جو حوالہ دیا گیا ہے وہ اسی کی کتاب المغازی الواقدی ۱/۱۷۶ کا ہے اور اس واقعہ کی کوئی سند بھی پیش نہیں کی گئی۔ الطبقات الکبری کے حوالہ سے صرف یہ بات لکھی ہے کہ یہ ایک یہودی تھا۔ اس واقعہ کو پڑھنے سے ہی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ساری بات بناوٹی ہے قصیدہ تعریف میں لکھا جاتا ہے پھر لوگوں کو عداوت پر پہلے ہی بھڑکایا کرتا تھا تو پھر جنگ بدر کے بعد کیا تبدیلی ہوئی وغیرہ سب باتیں بناوٹی دکھائی دیتی ہیں۔ اسی حوالہ کو پیرزادہ شفیق الرحمٰن صاحب نے بھی اپنی

کتاب میں درج کر دیا ہے(البتہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے اس کو اپنی کتاب میں نہیں لیا)اس پر کوئی تحقیق پیش نہیں کی گئی اور اس بات کو پرکھا تک نہیں گیا کہ واقدی جو کہہ رہے ہیں اس میں صداقت کس قدر ہے۔اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر اس واقعہ کو درست مان بھی لیا جائے تو بھی یہ واقعہ اس بات کی شہادت نہیں بن سکتا کہ اسلام میں توہین رسالت کرنے والے کی سزا قتل ہے۔کیونکہ جس طرح سے اس واقعہ کو پیش کیا گیا ہے اس سے یہ بات تو نظر آتی ہے کہ یہ ایک شخص کا ذاتی فعل ہے جو کہ اس کی اپنی ذات کی حد تک ہو سکتا ہے۔یہ واقعہ نہ تو آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوا اور نہ ہی آپؐ نے اسے جائز ٹھہرایا اس بات کا کہیں ذکر تک بھی نہیں ملتا۔بلکہ واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قتل کی کان و کان کسی کو خبر نہ ہوئی ورنہ قاتل مارا جاتا۔الغرض یہ سارا قصہ ہی فرضی اور بناوٹی دکھائی دیتا ہے

اس کے علاوہ الصارم المسلول کتاب کے مصنّف نے اپنی کتاب میں بعض ایسے اشخاص کو بھی قتل کرنے کے حکم کے بارے میں لکھا ہے جن کے بارے میں دوسرے مؤرخین خاموش ہیں اور کوئی سند بھی نہیں ملتی جس مین ایک نام ابن الزبعری کا لکھا ہے اور دوسرا ابوسفیان بن حارث کا۔اور ساتھ ہی یہ بات بھی بیان کی ہے کہ ان دونوں کو معافی دیدی گئی تھی۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر توہین رسالت کرنے والے کی سزا قتل ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے تو پھر ان لوگوں کو معافی کیوں دی گئی؟ معاف کر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام میں توہین رسالت کرنے والے کی سزا قتل نہیں ہے ورنہ رسول کریم ﷺ ایسی گستاخی کرنے والوں کو کبھی معاف نہ فرماتے۔

۱۱۔آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ پر جن لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اس میں ایک نام حویرث بن نقید کا بھی ہے ۔ ان کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ اسے بھی آنحضرت ﷺ کی ہجو اور توہین کرنے کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا۔اس بارے میں لکھا ہے کہ

''واقدی نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ سے منع کیا مگر چھ آدمیوں اور چار عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا،ان کے نام یہ ہیں

۱۔عکرمہ بن ابو جہل ۲۔ھبار بن الاسود ۳۔ابن ابی سرح ۴۔مقیس ب صبابہ ۵۔ حویرث بن نقید ۶۔ابن خطل

وہ کہتے ہیں کہ حویرث بن نقید رسول کریم ﷺ کو ایذا دیا کرتا تھا،اس لئے آپ ﷺ نے اس کے خون کو ھدر قرار دیا،فتح مکہ والے دن اس نے اپنے گھر کا دروازہ بند رکھا تھا ،حضرت علی اس کے بارے میں پوچھتے ہوئے آئے تو کہا کہ وہ جنگل کو گیا ہے،حویرث کو پتہ چل گیا کہ اسے تلاش کیا جا رہا ہے۔حضرت علیؓ اس کے دروازے سے الگ ہوئے تو حویرث گھر سے نکل کر ایک گھر سے دوسرے گھر میں جانے لگا،حضرت علیؓ نے اس کی گردن اڑا دی۔''

(الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۲۰۶)

اس روایت کو بھی واقدی کے حوالہ سے ہی بیان کیا گیا ہے۔اور صرف یہ بات لکھ دی ہے کہ یہ شخص رسول کریم ﷺ کو ایذا دیا کرتا تھا۔کیا ایذا پہنچائی اس کو ذکر تک نہیں کیا گیا۔حالانکہ جو اس کا جرم تھا اس کی یہی سزا ہونی چاہئے تھی اس لئے رسول کریم ﷺ نے اس شخص کے لئے یہی سزا مقرر فرمائی۔جیسا کہ لکھا ہے کہ

''ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عبّاسؓ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں حضرت فاطمہؓ اور حضرت اُمّ کلثومؓ کو مکہ سے مدینہ لیجانے کے لئے روانہ ہوئے ۔ یہ جس

اُونٹ پر سوار تھیں حویرث نے اس کو اس طرح کچو کے دئے اور بھڑ کایا کہ وہ زمین پر گر گیا۔ غرض آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس کے قتل کے حکم کے بعد اس نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی مگر حضرت علی نے اسے پکڑ کر اسی دن قتل کر دیا۔‘‘

(سیرت حلبیہ جلد ۵ صفحہ ۲۷۸)

اسی طرح لکھا ہے کہ

’’ابن ہشام نے کہا، عباس رضی ابن عبد المطلب رسول اللہ صلعم کی دو صاحبزادیوں، فاطمہ رضی اور امّ کلثوم کو مکہ سے مدینہ لے جا رہے تھے، حویرث نے ان دونوں کو پریشان کیا اور تیر مار کر زمین پر گرا دیا۔‘‘

(سیرت النبی کامل ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۴۸۶)

اس شخص کے قتل کا حکم صرف ایذا پہنچانے اور توہین کرنے تک منتج نہ تھا بلکہ یہ شخص آنحضرت ﷺ کی دو بیٹیوں کے اقدام قتل کا مجرم تھا اس لئے اس کے قتل کا حکم دیا گیا تھا۔ جو کہ بالکل جائز ٹھہرتا ہے۔

۱۲۔نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط کا قتل

امام ابن تیمیہؒ اور شفیق الرحمٰن صاحب نے بھی اپنی کتاب میں ان ہر دو کے قتل کو بھی توہین رسالت کرنے والوں کے ساتھ جوڑا ہے اور ساتھ ہی واقدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

''غزوہ بدر سے مدینہ واپس جاتے ہوئے آپ ﷺ نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابو معیط کو قتل کرنے کا حکم دیا، اس لئے کہ یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے شدید ترین دشمن، کفر کے سردار اور جنگی مجرموں میں سے تھے۔'' (شاتم رسول کی شرعی سزا صفحہ ۱۹۶)

ان کے قتل کی جو وجوہات ہیں وہ خود ہی بیان کردی گئی ہیں۔ دشمن ہونا کفر کے سردار ہونا تو ایک معمولی بات ہے سب سے بڑا جرم خود ہی بتا رہے ہیں کہ یہ جنگی مجرموں میں سے تھے۔ جو بھی جنگی مجرم ہو اس کی سزا قتل ہی ہوا کرتی ہے۔ اور اس بات سے سب واقف ہیں کہ یہ دونوں ہی جنگ بدر میں کافروں کی طرف سے شامل تھے۔ اسی لئے جنگی مجرم کہلائے۔ اور یہ ایسے مجرم تھے کہ اپنے جرموں پر نادم بھی نہ تھے۔ جب نضر بن حارث کے قتل کی اطلاع اس کی بہن کو ملی تو اس نے ایک مرثیہ لکھا جن کے دو اشعار کا ترجمہ اس طرح ہے۔

''محمد ﷺ اپنے قبیلے میں ایک شریف ترین انسان ہیں اور جواں مرد وہی ہے جو قبیلے کا شریف ترین انسان ہو۔

اے محمد ﷺ اگر اس مقتول پر رحم کھا کر اس کو چھوڑ دیتے تو آپ کا کوئی نقصان نہ پہنچتا کیونکہ شریف آدمی کبھی ایسے شخص پر بھی احسان کردیتا ہے جو اس کے نزدیک گردن زدنی ہو۔

(لکھا ہے کہ) آنحضرت ﷺ نے جب یہ شعر سنے تو آپ آبدیدہ ہو گئے اور اتنا روئے کہ آپ کی داڑھی تر ہو گئی پھر آپ نے فرمایا

'اگر اس کو قتل کرانے سے پہلے میں یہ شعر سن پاتا تو اس کو معاف کردیتا'

مطلب یہ ہے کہ ان شعروں کو بطور سفارش کے قبول کر کے اس کو امان دیدیتا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نضر کے قتل کرانے پر نادم ہوئے یا پچھتائے کیونکہ رسول کریم ﷺ جو کچھ بھی حکم فرماتے تھے اور جو کچھ کرتے تھے وہ حق اور صرف حق ہوتا تھا۔''

(سیرت حلبیہ جلد دوم نصف آخر اردو صفحہ ۵۱۔ ۵۲)

آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ اگر نضر کے قتل سے پہلے میں یہ شعر سن لیتا تو میں اسے معاف کر دیتا، یہ بات آپؐ کی شفقت اور رافت کی نشاندہی کرتی ہے آنحضور ﷺ کا یہی طریق تھا کہ چاہے کوئی بڑے سے بڑا مجرم بھی ہوتا اگر وہ آپؐ سے معافی طلب کرتا یا کوئی صحابی رسول کریم ﷺ سے اس کی سفارش کرتا تو آپؐ اسے امان دیدیتے تھے (سوائے ان کے جن پر حد قائم ہوئی ہو) ایسی کئی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہوا کہ کسی نے معافی طلب کی ہو یا کسی نے ایسے مجرم کو امان دینے کی سفارش کی ہو تو بھی آپ نے اسے قتل کروا دیا ہو۔ آپ ﷺ کا یہ عمل اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلام میں سوائے ان کے جن پر حد قائم ہوتی ہو جن حدود کا قرآن کریم میں ذکر موجود ہے کسی کو قتل کرنے کی اجازت نہیں، شاتم رسول کو قتل کرنے کا قرآن کریم میں کسی جگہ بھی ذکر موجود نہیں، اس لئے آپ ﷺ نے توہین رسالت کرنے والے کسی بھی شخص کے قتل کا کبھی حکم نہیں دیا۔ جن لوگوں کے بھی قتل کا حکم دیا وہ دیگر سنگین جرائم کے مرتکب تھے جن کی سزا صرف قتل ہے۔ لیکن بعض ایسے مجرموں کو بھی قتل کا حکم دینے کے باوجود معافی طلب کرنے یا امان طلب کرنے پر آپ ﷺ نے انہیں معاف فرما دیا اور امان دیدی۔

عقبہ کے بارے میں ایک روایت یہ بھی آتی ہے کہ اس شخص نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی دعوت کی آپؐ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک کہ عقبہ

کلمہ شہادت نہ پڑھ لے اس پر اس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ ’’ابی ابن خلف جو کہ عقبہ کا دوست تھا اس نے عقبہ کو بہت ملامت کی کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو بے دین ہو گیا ہے۔ عقبہ نے کہا کہ انہوں نے اس کے بغیر کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا وہ اس وقت میرے گھر میں تھے اس لئے مجھے شرم آئی کہ وہ بغیر کھائے چلے جائیں! اس لئے میں نے ان کی خواہش کے مطابق شہادت کا کلمہ کہہ دیا مگر میرے دل میں کچھ نہیں ہے۔ اس پر ابی ابن خلف نے کہا۔

’’اچھا تو اس وقت تک تم پر میری صورت دیکھنا حرام ہے جب تک تم ان کی گردن کو پامال نہ کرو اور ان کے منہ پر نہ تھوکو اور ان کی آنکھوں پر تھپڑ نہ مارو!‘‘

چنانچہ اس کے بعد ایک دن عقبہ نے آنحضرت ﷺ کو دارالندوہ میں دیکھا۔ آپؐ اس وقت سجدہ میں تھے۔ عقبہ نے وہی سب کیا جو ابی ابن خلف نے اس سے کہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے عقبہ سے فرمایا۔

’’مکے سے باہر میں تجھ سے جب بھی ملوں گا تو اسی حالت میں ملوں گا کہ تلوار سے تیرا سر قلم کروں گا!‘‘ (سیرت حلبیہ جلد دوم نصف آخر اردو صفحہ ۵۳)

یہ اس کا سنگین جرم تھا۔ پھر جنگ بدر میں شامل ہو کر یہ شخص حربی بھی بن چکا تھا۔

۱۳۔ کعب بن زہیر کا واقعہ

آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر جن لوگوں کو ان کے سنگین جرائم کے پیش نظر قتل کرنے کا حکم دیا تھا ان میں ایک نام کعب بن زہیر کا بھی ہے۔ انکے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں کسی جگہ ان کا نام زہیر بن امیہ لکھا ہے (سیرت حلبیہ) کسی جگہ ان کا نام کعب بن زہیر بن ابی سلمی (الصارم السلول) اور کسی جگہ زہیر بن ابو امیہ بن مغیرہ (ابن ہشام) لکھا ہے۔ ان کا واقعہ یوں ہے کہ

"ابن اسحاق نے کہا مجھ سے سعید ابن ابو ہند نے بواسطہ ابو مرہ عقیل ابن ابی طالب بیان کیا کہ ام ہانی رضؓ نے بتایا، جب رسول اللہ ﷺ نے بالائی مکہ میں نزول اجلال فرمایا تو میرے پاس دو آدمی جو میرے دیوروں میں سے تھے، دوڑتے ہوئے آئے۔ یہ دونو آدمی خاندان بنی مخزوم سے تعلق رکھتے تھے اور ام ہانی ہبیرہ ابن ابو وہب مخزومی کے زوجیت میں تھیں۔ حضرت ام ہانی رضؓ فرماتی ہیں۔ پھر میرے بھائی علی رضؓ ابن ابی طالب گھر میں داخل ہوئے اور کہا، خدا کی قسم! میں ان دونوں کو ضرور قتل کروں گا، میں نے انہیں بچانے کے لئے دروازہ بند کر لیا اور رسول کریم ﷺ کے پاس بالائی مکہ میں پہنچی۔ میں نے دیکھا آپؐ ایک رسلے کے پانی سے جس کو آٹے کے نشان بھی تھے غسل فرما رہے ہیں اور آپ کی صاحبزادی فاطمہ رضؓ کپڑے سے پردہ کئے ہوئے ہیں۔ آپؐ غسل سے فارغ ہوئے تو کپڑا لیا اور پہن لیا۔ پھر چاشت کی آٹھ رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، خوش آمدید ام ہانی! کیونکر آنا ہوا؟ میں نے دونوں آدمیوں اور علی رضؓ کا حال بتایا تو آپ نے فرمایا:

قد اجرنا من اجرتِ و امنّا من امنتِ فلا یقتلھما جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے پناہ دی، جسے تم نے امن دیا اسے ہم نے امن دیا علی رضؓ انہیں قتل نہ کریں۔

ابن ہشام نے کہا یہ دونوں آدمی حارث ابن ہشام اور زہیر ابن ابوامیہ بن مغیرہ ہیں۔"
(سیرت النبی کامل ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۴۸۷)

اس سلسلہ میں ایک روایت امام ابن تیمیہؒ نے بنا کسی حوالہ کے درج کی ہے جس کو پیرزادہ شفیق الرحمٰن صاحب نے بھی امام ابن تیمہؒ کے حوالہ سے درج کیا ہے جس میں ایک خط لکھے جانے کا ذکر ہے اور اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ خط اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ہجو گوئی کرنے والوں کو قتل کیا جائے لہذا ہجو گوئی کرنے والے کی سزا قتل ہے۔ لکھتے ہیں

"اموی کہتے ہیں کہ میرے باپ نے مجھے بتایا کہ ابن اسحاق نے کہا اور یونس بن بکیر اور بکائی وغیرہ نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ طائف سے لوٹ کر مدینہ تشریف لائے تو بجیر بن زہیر نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کو لکھا کہ رسول کریم ﷺ نے مکہ کے چند آدمیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جو ہجو گوئی کرکے آپ ﷺ کو ایذا دیا کرتے تھے۔

یونس اور بکائی کے الفاظ یہ ہیں کہ مکہ میں ایک شخص رسول کریم ﷺ کو ہجو کہہ کر ایذا دیا کرتا تھا رسول کریم ﷺ نے اسے قتل کر دیا اور قریش کے شعراء میں سے جو باقی رہ گئے تھے مثلاً ابن الزبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب، وہ ادھر ادھر بھاگ گئے۔ اگر تمہیں اپنی جان کی ضرورت ہے تو اڑ کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچ جاؤ کیونکہ جو شخص تائب ہو کر آجاتا ہے آپ ﷺ اسے قتل نہیں کرتے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پناہ لینے کے لئے دور دراز چلے جاؤ۔" (الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۲۰۹، ۲۱۰)

یہ روایت جو بیان ہوئی ہے اس سے صاف طور پر دکھائی دیتا ہے کہ یہ بناوٹی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے رسول کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن جن لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اس میں

کعب بن زہیر کا نام شامل تھا۔ اگر ان کے بھائی بجیر بن زہیر نے اپنے بھائی کو خط لکھا تھا تو انہیں دیگر ہجو گوئی کرنے والوں کے قتل کئے جانے کے ذکر کے ساتھ یہ لکھنا چاہیئے تھا کہ اسی بنا پر تمہارے قتل کئے جانے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ لیکن ایسا کوئی ذکر اس خط میں نہیں کیا گیا۔ جبکہ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ کسی اور کا ذکر کرتے یا نہ کرتے اس بات کا ذکر ضرور کرتے کی تمہارے قتل کئے جانے کا حکم صادر فرمایا ہے لیکن ایسا کوئی تذکرہ اس خط میں موجود نہیں ہے۔ پھر جس بات کی دلیل کے لئے اس خط کا ذکر کیا ہے وہ مقصد کو پورا ہوتا نظر نہیں آتا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ام ہانی رضی اللہ عنہا کے ان کے لئے امان مانگنے پر انہیں امان دیدی۔ ہاں امان مانگنے پر بھی امان نہ دی جاتی اور انہیں قتل کر دیا جاتا تو ہی یہ اس بات کی دلیل ٹھہر سکتی تھی کہ ہر ہجو گو کو قتل کرنا لازمی ہے۔ ہجو گوئی کے باوجود قتل نہ کرنا بلکہ امان بخشنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام میں ہجو گوئی کی سزا قتل نہیں۔ اور توہین رسالت کرنے والے کی سزا قتل نہیں۔ جبکہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک جگہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ

”پھر قبل اس کے کہ اس پر قابو پایا جاتا وہ توبہ کر کے اسلام لایا اگر چہ وہ حربی کافر تھا، تاہم اس نے اپنے اشعار میں معذرت خواہی کی“ (الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۲۱۱)

ایک طرف تو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ لکھتے ہیں کہ توہین رسالت کرنے والے کی توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ اور نہ ہی اسے توبہ کرنے کے لئے کہا جائے گا اور یہاں خود ہی بیان فرماتے ہیں کہ ”قبل اس کے کہ اس پر قابو پایا جاتا وہ توبہ کر کے اسلام لایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ہجو گوئی اور توہین رسالت سے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی، اور خط سے یوں ظاہر ہوتا ہے کی بھائی نے توبہ کرنے کی طرف توجہ دلائی اور انہوں نے توبہ کر لی اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسے شخص کو توبہ کرنے کے لئے بھی کہا جائے گا۔ پھر ہجو گوئی سے بڑا جرم ان کا حربی ہونا ہے

جس کا خود اعتراف کررہے ہیں۔اس کے باوجود انہیں امان دی گئی اور کوئی سزا نہیں دی۔یہی اسلامی تعلیم ہے جو عفو اور سلامتی کو پیش کرتی ہے۔

۱۴۔ابورافع یہودی کا قتل

ابورافع کے قتل کا مشہور واقعہ ہے اس کو امام بخاری نے بھی کتاب المغازی میں بیان کیا ہے۔امام بخاری دو روایات کے حوالہ سے اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں لیکن اس میں کسی جگہ بھی اس بات کا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ یہ قتل توہین رسالت کے جرم میں کیا گیا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ایک یہودی تھا اور یہود کی رسول کریم ﷺ سے دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔کعب بن اشرف کا واقعہ آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں۔کعب بن اشرف ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے رسول کریم ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد آپ سے ایک معاہدہ کیا تھا اس کے باوجود اس نے رسول کریم ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف فتنہ انگیزی کی کوئی راہ نہیں چھوڑی تھی۔یہ شخص بھی ایسی ہی ریشہ دوانیوں میں ملوث تھا بلکہ کعب بن اشرف سے بھی آگے بڑھا ہوا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا مسلمانوں کے ساتھ کوئی معاہدہ طے نہیں پایا تھا اس لئے جو چاہتا کرتا اور جیسے چاہتا کرتا تھا۔لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسانا مسلمانوں میں بغاوت پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔اور رسول کریم ﷺ اور آپ کے ماننے والوں کو ہر قسم کے دکھ پہنچانے کی کوشش کرنا اس کے اہم کاموں میں سے تھا۔انہیں وجوہات کی بنا پر رسول کریم ﷺ نے اس کی سرکوبی کا حکم صادر فرمایا تھا۔امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ

''حضرت البراء اور ابن کعب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ سے اجازت لے کر رات کو اسے قتل کرنے کے لئے گئے،اس لئے کہ وہ رسول کریم ﷺ کو ایذا دیتا اور عداوت رکھتا تھا گویا وہ کعب بن اشرف کی مانند تھا اس فرق کے ساتھ کی کعب بن اشرف معاہد تھا اور جب اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی تو آپ نے مسلمانوں کو اس کے قتل کرنے کے لئے کہا مگر ابورافع معاہد نہ تھا۔''(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۲۱۶)

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ شخص بھی کعب بن اشرف کی مانند تھا۔ کعب بن اشرف کو قتل کرنے کی جو وجوہات تھیں اس کو قتل کرنے کی بھی وہی وجوہات تھیں۔ اس کا کام بھی رات دن مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو اکسانا اور بھڑکانا تھا اور رسول کریم ﷺ اور مسلمانوں کو قتل کرنے کی سازشیں کرنا اس کا کام تھا۔ یہ کوئی شاعر بھی نہ تھا کہ کہا جائے کہ یہ شخص آپ ﷺ کی ہجو گوئی کرتا تھا۔ لیکن اس کے دیگر جرائم ایسے تھے کہ رسول کریم ﷺ کو اسے قتل کرنے کا حکم فرمایا۔

۱۵۔آنحضرت ﷺ کی ذات مبارکہ پر اعتراض

احادیث کے مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب رسول کریم ﷺ کے پاس صدقات کا مال یا مالِ غنیمت آیا کرتا تو آپ ﷺ اسے لوگوں کے درمیان تقسیم فرمایا کرتے تھے۔اس تقسیم کے دوران بعض لوگ رسول کریم ﷺ پر ناانصافی کرنے کا الزام لگایا کرتے تھے۔نعوذ باللہ

ایسے الزامات کے واقعات کا ذکر مختلف روایات میں الگ الگ طریق سے ملتا ہے۔اور آپ کے ارشادات بھی موقعہ کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ تبدیلِ الفاظ کے ساتھ الگ الگ ملتے ہیں۔ایک روایت میں آتا ہے کہ

''اگر میں نے عدل نہ کیا تو اور کون عدل کرے گا؟اگر میں نے عدل نہ کیا تو پھر تم نہایت گھاٹے اور خسارے میں رہے۔''(صحیح بخاری حدیث ۳۱۰۶ومسلم شریف ۱۰۶۴)

ایک مرتبہ فرمایا

''کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے؟ حالانکہ میں آسمان والوں کا امین ہوں،میرے پاس صبح و شام آسمان کی خبریں آتی ہیں۔''(صحیح بخاری ۴۳۰۱)

اسی طرح ایک شخص نے کہا کہ اللہ سے ڈرو تو آپ نے فرمایا

''کیا میں تمام کائنات ارضی پر رہنے والوں سے زیادہ اس بات کا حقدار نہیں کہ میں اللہ سے ڈروں؟'' (صحیح بخاری ۳۳۴۴)

یہ جتنے بھی مواقعہ ہیں یہ آنحضرت ﷺ کی توہین کے زُمرہ میں آتے ہیں۔لیکن کسی ایک موقعہ پر بھی ایسے آمنے سامنے توہین کرنے والے کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔بلکہ ایک روایت میں آتا ہے کہ غالباً وہ حضرت خالد بن ولیدؓ تھے نے آپؐ کی شان میں گستاخی کرنے

والے ایک شخص کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب فرمائی لیکن آپ نے منع فرمادیا۔انہیں واقعات کاذکر قرآن کرم نے بھی کیا ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّلۡمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡهَا رَضُوۡا وَاِنۡ لَّمۡ يُعۡطَوۡا مِنۡهَاۤ اِذَا هُمۡ يَسۡخَطُوۡنَ ۝ (التوبۃ آیت ۵۸)

یعنی ۔اور ان میں سے کچھ (منافق) ایسے ہیں جو صدقات کے بارہ میں تجھ پر الزام لگاتے ہیں۔اگر ان صدقات میں سے کچھ ان کو دیدیا جائے تو وہ راضی ہوجاتے ہیں،اور اگر ان میں سے انہیں کچھ نہ دیا جائے تو فوراً خفا ہوجاتے ہیں۔

یہ آیت ان لوگوں کا حال بیان کررہی ہے جو آنحضرت ﷺ پر الزام لگانے کی گستاخی کرتے ہیں اور ایسے لوگ آپ کے سامنے ہوتے تھےلیکن آپ نے کسی ایک کے بارے کیں بھی یہ حکم صادر نہیں فرمایا کہ اسے قتل کردیا جائے۔اگراسلام میں گستاخ رسول کی سزا قتل ہی ہوتی تو آپ سے بڑھ کراور کون ہوسکتا تھا جو اللہ کے حکم کی پاسداری نہ کرتا۔لیکن آپ نے کسی بھی گستاخی کرنے والے کوقتل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ہمیشہ معاف فرمایااور اگرکسی کے دل میں یہ خیال بھی گزرا کہ ایسا گستاخ قتل کئے جانے کے قابل ہے اوراس نے آپ ﷺ سے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو بھی آپ نے اسے قتل کرنے کی اجازت نہیں دی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام میں توہین رسالت کرنے والے کی سزا قتل نہیں۔

ان تمام دلائل کے ہوتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ کی کتاب میں ایک بڑی انوکھی بات بیان کی گئی ہے لکھتے ہیں کہ

"اس میں کوئی اختلاف نہیں،اسکی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے رسول کریم ﷺ کو مورد

طعن بنایا اور آپ ﷺ کی عیب چینی کی ،جس طرح ان طعن دینے والوں نے کیا تھا۔ جب ان احادیث صحیحہ کی روشنی میں ثابت ہوا کہ رسول کریم ﷺ نے اُن لوگوں کے قتل کا حکم دیا جو طعن زنی کرنے والے شخص کی جنس میں سے تھے، خواہ کہیں بھی ہوں، آپ نے یہ بھی بتایا کہ وہ تمام مخلوقات سے بدتر اور منافقین میں سے ہیں، لہذا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ شعبی کی روایت کا مفہوم درست ہے کہ دراصل یہ قتل کے مستحق ہیں۔''

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ ۲۵۶)

عجیب سی بات کی ہے بات کوئی چل رہی ہے جواب کسی اور بات کا دیا جا رہا ہے اور دو باتوں کی ملا کر ایک دلیل جس کا کسی بعد کے زمانہ سے تعلق ہے بیان کی جا رہی ہے جو کہ ایک پیشگوئی کا رنگ رکھتی ہے۔ اسی حوالہ سے کتاب ''شاتم رسول کی شرعی سزا'' کے مصنف نے روایت درج کی ہے جس سے بات کھل جاتی ہے کہ اصل واقعہ کیا ہے اور کن کے بارے میں بات کی گئی تھی اور یہ مسلم کی روایت ہے۔ لکھا ہے کہ

''ایک آدمی گھنی داڑی؛ پھولے ہوئے رخسار والا؛ آنکھیں اندر دھنسی ہوئی؛ اونچی جبین اور مونڈے ہوئے سر والا آ کر کہنے لگا: اے محمد ﷺ اللہ سے ڈرو۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو کون ہے جو اللہ کی فرمانبرداری کرے۔ اور اللہ نے مجھے زمین والوں پر امانتدار بنایا ہے اور تم مجھے امانتدار نہیں سمجھتے۔ پھر وہ آدمی پیٹھ پھیر کر چلا گیا۔ تو قوم میں سے ایک شخص نے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی جو کہ غالباً حضرت خالد بن ولیدؓ تھے؛ تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا اس آدمی نسل سے ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا اور اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر ترکش سے نکل جاتا ہے اگر میں ان کو پاتا تو

انہیں قوم عاد کی طرح قتل کرتا‘‘

(صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب مؤلفۃ القلوب والخوارج جلد سوم صفحہ ۸۱، ۸۲)

اس حدیث میں کہیں یہ نہیں آیا کہ اس شخص کو قتل کرنے کی اجازت دی گئی یا اسے قتل کیا گیا بلکہ یہ فرمایا کہ اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہونگے جن کی صفات بیان کی گئی ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر میں انہیں پاتا تو انہیں قوم عاد کی طرح قتل کرتا۔ کیوں قتل کرتا اس کی وجوہات بیان فرمادیں اس میں کہاں پایا جاتا ہے کہ توہین رسالت کی بنا پر انہیں قتل کیا جاتا۔ اس واقعہ کو بیان کر کے امام ابن تیمیہؒ یہ دلیل لاتے ہیں کہ چونکہ اس شخص کی نسل سے جس نے توہین رسالت کی ہے پیدا ہونے والوں کو قتل کرنے کی بات ہے اس لئے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ توہین رسالت کرنے والے کو بھی قتل کیا جائے۔ بڑی عجیب وغریب منطق ہے جس کی قرآن وسنّت نبویؐ اور حدیث سے کوئی دلیل نہیں ملتی۔

الغرض ایسے جس قدر بھی واقعات احادیث کے حوالہ سے بیان کئے گئے ہیں ان میں سے کسی ایک واقعہ سے بھی یہ شہادت نہیں ملتی کہ آنحضرت ﷺ نے کسی ایک شخص کو بھی صرف توہین رسالت کی بنا پر یا ہجو گوئی کی بنا پر قتل کرنے کا حکم دیا ہو۔ بلکہ اکثر واقعات میں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جن کو ان کے سنگین جرائم کے پیش نظر قتل کرنے کا حکم بھی دیا تھا اگر انہوں نے خود رسول کریم ﷺ تک رسائی حاصل کر کے معافی طلب کی ہو یا کسی صحابی کی مدد سے رسائی حاصل کر کے امان کی درخواست کی ہو تو آپؐ نے اسے معاف کر دیا اور امان بخش دی۔ یہ میرے پیارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا اسوہ ہے اور آپ ﷺ کے رحمت اللعالمین ہونے کی نشانی ہے، آپؐ کی زندگی میں کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جاسکتی کہ آپ ﷺ نے قصاص سے ہٹ کر کسی کے قتل کا حکم دیا اور اس نے آکر آپ سے معافی طلب

کی اس کے باوجود آپ ﷺ نے اسے قتل کروا دیا ہو۔ آپ ﷺ نے ایسے ایسے لوگوں کو معاف کر دیا جن کے سنگین قسم کے جرائم تھے آج بھی ایسے جرائم کرنے والوں کو معاف نہیں کیا جاتا۔ جن میں ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان، عکرمہ بن ابی جہل، ہبار بن الاسود، وحشی بن حرب وغیرہ کی مثالیں موجود ہیں۔ الغرض اسلام میں توہین رسالت یا ہجو گوئی کی سزا قتل قرآن وسنت و حدیث سے کسی جگہ سے بھی ثابت نہیں۔ اور جو بھی اس کے دعویدار ہیں ان کے پاس اپنے ذاتی استدلال کے علاوہ کوئی دلیل نہیں۔ ایسے دعویٰ کرنے والے حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی پاک اور انصاف پسندی کی سیرت پر الزام دھرتے ہیں جس سے آپ ﷺ کا دامن بالکل پاک اور صاف دکھائی دیتا ہے۔

خلاصہ کلام

توہین رسالت کی سلسلہ میں اب تک جو بحث گزری ہے وہ چار موضوعات پر تھی۔ امام ابن تیمیہؒ نے بھی انہیں چار موضوعات کولیکر اپنی کتاب میں بحث کی ہے۔ بالکل اختصار سے ان چاروں موضوعات کو پیش کر کے لکھے گئے مضمون کا ایک جائزہ خلاصہ کے رنگ میں پیش کرتا ہوں تا کہ ساری بات آسانی سے سمجھ میں آجائے۔

پہلا مسئلہ یہ تھا کہ کیا بنی کریم ﷺ کی توہین کرنے والے کو قتل کیا جائے گا؟ وہ مسلم ہو یا کافر!

بعض علماء اس بات کے حامی رہے ہیں کہ ہاں ایسے شخص کی سزا قتل ہے۔ جیسا کہ اس پر بحث گزری ہے۔ لیکن اس کے حامی اشخاص میں سے ایک شخص بھی کوئی ایک دلیل بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں پیش نہیں کر سکا جس سے یہ ثابت ہو کہ توہین رسالت کرنے والے کی سزا قطعی اور یقینی طور پر قتل ہے۔ جن لوگوں کے قتل کی مثالیں پیش کی گئی ہیں ان کے بارے میں کوئی ایک بھی حتمی دلیل نہیں پیش کی گئی کہ انہیں صرف اور صرف توہین رسالت کی بنا پر ہی قتل کیا گیا تھا بلکہ خود ہی اس بات کو بھی پیش کرتے ہیں کہ ان کے اس کے علاوہ یہ بھی جرائم تھے اور وہی جرائم ایسے تھے جن کی سزا اسلام قتل بیان کرتا ہے جس پر کسی کو اعتراض بھی نہیں ہو سکتا۔ ایسی تمام مثالیں پیش کر دی گئی ہیں۔

دوسرا مسئلہ ذمّی کا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ذمّی اگر توہین رسالت کرے تو اسے قتل کیا جائے گا، نہ اس پر احسان کرنا جائز ہے اور نہ فدیہ لینا روا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی جو اختلاف پایا جاتا ہے اسے پیش کیا گیا ہے۔ اور خود ہی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ذمّی عہد شکنی کر کے جب حربی ہوگا تو قتل کیا جائے گا۔ اور دوسری طرف یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ اگر کوئی ذمّی

عہد توڑتا ہے تو تا وقتِ کہ وہ مسلم ریاست سے باہر نہ چلا جائے اسے امان دی جائے گی ۔اسی طرح حوالہ جات سے یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ اگر کوئی ذمّی توبہ کرے اور معاہدہ پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جائے تو اسے معاف کیا جائے گا۔اور اس سے احسان کا سلوک کیا جائے گا۔

تیسرا مسئلہ توبہ قبول کرنے کا تھا کہ توہین رسالت کرنے والے کی توبہ قبول کی جائیگی یا نہیں؟اس کی بھی مثالیں پیش کی گئی ہیں خود رسول مقبول ﷺ نے جب سنگین جرائم کرنے والوں اور توہین کرنے والوں کو معاف کر دیا تو صرف توہین رسالت کرنے والوں کا مسئلہ تو کوئی چیز ہی نہیں ٹھہرتا۔جس نے بھی آپ ﷺ سے معافی طلب کی آپ نے اسے معاف کر دیا ۔اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کی جائے گی۔

چوتھا مسئلہ یہ تھا کہ گالی کی تعریف کیا ہے کون سی بات گالی کہلاتی ہے اور کون سی نہیں کہلاتی؟جس پر شروع میں ہی بحث گزر چکی ہے ۔دراصل یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ ان کو قرآن کریم اور اسوہ رسول کی روشنی میں ہی پرکھا جانا ضروری ہے۔اور وہیں سے ان سب باتوں کا حل دکھائی دیتا ہے ۔ہمارے لئے ضروری ہے کہ کسی بھی بات پر فتویٰ دیدنے سے قبل قرآن کریم اور سنّت رسول ﷺ پر غور کیا جائے کہ وہ اس بارے میں کیا بیان کرتے ہیں۔جب ہم ہر مسئلہ کو قرآن کریم اور سنّت رسول ﷺ کی کسوٹی پر پرکھیں گے تو ہمیں ہر معاملہ میں ایک راہنما اصول دکھائی دیگا جس پر کسی بھی مخالف کو اعتراض کرنے کا موقعہ ہاتھ نہ آئے گا۔اور اسلام کی اصلی اور حقیقی صورت سب کو صاف دکھائی دیگی۔

قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ ہمارے سامنے ہے اس کے ہوتے ہوئے حکومت پاکستان نے اس کے برعکس تعزیرات پاکستان میں 295-C دفعہ کا اضافہ کیا جس میں توہین رسالت کرنے والے کی سزا قتل مقرر کی گئی جو کہ پہلے بھی درج کی گئی ہے حسب ذیل ہے

295-C.Use derogatory remarks,etc.,in respect of the Holy prophet:

Whoever by words ,either spoken or written or by visible reprsentation or by any imputation,innuendo,or insinuation,directly or indirectly,defiles the sacred name of the Holy prophet Muhammad (peace be upon him) shall be punished with death,or imprisonment for life,and shall also be liable to fine.

(Pakistan penal code (Act XI.V of 1860)page108)

پاکستان جو اپنے آپ کو اسلامی جمہوریہ کا نام دیتا ہے لیکن قانون ایسا بنایا جو کہ قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ اور احادیث رسول کے بالکل برعکس۔اس قانون کی تائید میں ایک بھی قرآن کریم کی آیت پیش نہیں کی جاسکتی جیسا کہ آپ ساری بحث پڑھ چکے ہیں۔

اس قانون کو پاس کروانے کے لئے پاکستان کے علماء نے خوب زور لگایا اور حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ یہ قانون پاس کرے۔آخر اس غیر اسلامی قانون کو پاس کروانے میں یہ علماء کامیاب ہو گئے۔علماء نے اپنے مؤقف کی تائید میں کتابیں بھی لکھ ماریں جیسا کہ بعض کتب کے حوالے دیئے بھی گئے ہیں۔انہیں میں سے ایک ''شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب'' بھی ہیں جن کی کتاب '' تحفّظ ناموسِ رسالت'' ہے جس کے کئے حوالے پیش کئے جا چکے ہیں۔یہ ایک ادارہ منہاج القرآن کے نام سے بھی چلاتے ہیں۔عالِم دین تو تھے ہی لیکن اب یہ ایک سیاسی لیڈر بھی بن گئے ہیں۔انہوں نے اپنی کتاب میں پورا زور اس بات پر لگایا

ہے کہ توہین رسالت کرنے والے کی سزا اسلام میں قتل ہے توہین رسالت کرنے والا کوئی ذمّی ہو یا کافر یا مسلمان مرد ہو یا عورت تو بہ بھی قابل قبول نہیں سب قتل کئے جائیں گے۔ان کا اپنا بیان ہے کہ انہوں نے اس قانون کو بنوانے میں بہت زور لگایا ہے اس بات کا اظہار کئی مجالس میں بھی کر چکے ہیں۔لیکن یہی صاحب جب کینیڈا امریکہ جاتے ہیں اور وہاں کا میڈیا جب ان سے اس قانون کے تعلق سے سوال کرتا ہے تو موصوف اپنی ہی کتاب میں پیش کئے ہوئے مؤقف اور پاکستان میں کی گئی تقاریر اور کوششوں کے بالکل برعکس بیان دیتے ہیں۔اس قانون کے بنوانے اور اس کی تائید کرنے سے اپنا پلہ جھاڑتے ہوئے صاف دکھائی دیتے ہیں اور یہ سب باتیں ریکارڈ میں موجود ہیں اور اس کو فیس بک اور واٹس اَپ پر بھی دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔پاکستان میں ایک دفعہ ایک مجلس میں جو ریکاڈ ڈ ہے فرمایا۔

”میں اسٹینڈ یہ لے رہا تھا اور یہی قانون بنوایا۔میرا پوائیٹ آف ویو یہ تھا کہ جو بھی گستاخیِ رسول کا مرتکب ہو مسلمان ہو یا غیر مسلم مرد ہو یا عورت۔مسلمان ہو یہودی ہو عیسائی ہو ہندو ہو مرد ہو یا عورت جو بھی گستاخیِ رسول کا مرتکب ہو اس کی سزا قتل ہے۔“

پھر فرمایا

”تو میں اس لئے تحدیث نعمت کے طور پر آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ قانون تحفظ ناموس رسالت کا ناموس رسالت کا C-295 جو یہ قانون بنا ہے اس ملک میں، میں یہ ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ کس کی کوشش سے بنا تھا یہ قانون، یہ قانون بنوایا ہی میں نے تھا۔پھر یہ ہوا کہ میں پورا واقعہ آپ کو بتادوں کہ 1985 میں جب اٹھارہ گھنٹے کے میرے دلائل مکمل ہو گئے تو اس وقت جنرل ضیاء الحق کی حکومت تھی اور شوریٰ تھی تو 1986 ہو گیا 87 چلتا رہا یہ عرصہ انہوں نے یہ فائل اور کچھ لوگ جنرل ضیاء الحق کو ملے جو شوریٰ میں تھے تو انہوں نے کہا کہ عدالت میں یہ

فیصلہ ہو گیا ہے اور عدالت نے لکھ لیا یہ فیصلہ میرے دلائل ہو گئے ہیں بڑے مقسوط اور عنقریب عدالت فیصلہ سنانے والی ہے تو عدالت کے فیصلے سے قانون بنے گا تو آپ کو کوئی نہیں جائے گا کریڈٹ۔ انہوں نے کہا کہ چونکہ آپ حدود آرڈیننس جاری کر رہے ہیں اور کر چکے ہیں یا کر رہے ہیں تو حدود میں آپ خود شامل کر لیں اور بطور آرڈیننس ایذ دا ایکٹ آف پارلیمنٹ، پارلیمنٹ کی طرف سے اس کو جاری کر لیں تو کریڈٹ آپ کو چلا جائے گا کہ آپ نے دین کی خدمت کی ہے تو بجائے اس کے کہ عدالت سے اناؤنس ہو آپ اناؤنس کر دیں پارلیمنٹ کی طرف سے تو تب جنرل ضیاء الحق نے عدالت کو آرڈر بھیجے کہ دونوں فائل اور فیصلہ مجھے بھیج دیں۔ وہ منگوالیا اور جو فیصلہ لکھا تھا اسے ایکٹ آف پارلیمنٹ بنا دیا۔ اور اس طرح یہ قانون بنا پارلیمنٹ کے ذریعہ۔ تو بتانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ تحفظ حرمتِ رسالت اور تحفظ رسالت کا قانون جو توہین رسالت کے بعد بھی 295-C یہ صرف اور صرف آپ کے خادم اور آپ کے بھائی کے ذریعہ اللہ نے بنوایا ہے اس میں کسی اور کا کنٹری بیوشن نہیں ہے۔ اور یہ تاریخ جانتی ہے جو آج سے جن کی عمر ۲۶ سال پہلے جو سن شعور میں تھے اور جن کو اس زمانے کے واقعات یاد ہیں وہ معمر جو آپ میں کئی بیٹھے ہونگے اس زمانے کے جن کو یہ ساری سٹوری یاد ہوگی ذرا وہ ہاتھ کھڑا کریں۔ زیادہ عمر والے سب لوگوں کو پتہ ہے۔ لاہور ہائیکوٹ کی یہ بلڈنگ در و دیوار گواہ ہیں''

پھر فرماتے ہیں

''حرمت رسول کی عظمت کے لئے ناموس رسول کے لئے تا کہ گستاخی کے سارے راستے اور امکانات بند ہو جائیں۔ مسلم و کافر عورت اور مرد اور توبہ کرنے والا اور غیر تائب سب کے لئے جس نے رسول کی گستاخی کی وہ بے ایمان قتل ہو جائے اور کتے کی طرح جہنم میں رسید کر دیا جائے جو گستاخِ رسول ہے۔ میں سارے راستے اس گناہ کے بند کرنا چاہتا تھا۔''

یہ صاحب جب باہر کے ملک میں جاتے ہیں تو اس قانون کے بنوانے کی بات کرنا تو دور کی بات یہ اس سے ایسے پلہ جھاڑتے ہیں کہ میں تو اس قانون کے حق میں ہی نہیں اور مجھ سے تو مشورہ بھی نہیں لیا گیا اس قانون کے بارے میں میری بہت سے ریزرویشنز ہیں وغیرہ یہ موصوف پاکستان سے باہر کے ایک ٹی وی چینل والے کو انٹرویو دے رہے ہیں کیا فرماتے ہیں پڑھیں۔ جب 295-C والے قانون کے بارے میں سوال کیا گیا تو جواب میں فرماتے ہیں

”Whatever the law of blasphemy is,is not applicable on non muslims is not applicable on jews and Christians and other non muslim minorities,it is just to be dealt with Muslims.

پھر فرماتے ہیں۔

And to explain the situation the Danish Integration Ministry and the minister,they are ,have been totally receiving wrong information they should try to correct their source of information .The fact is,I am not saying for the sake of the conference,fact is that I was never a consultant or adviser to Genral Zia-ul-Haq.The president who made the law of blasphemy in 80s.I had never been a member of his cabinet.I was never a member of the parliament in his days.They invited

me offered me to be Federal Minister for three times.I refused and I never joined his dictatorial group and the way he was formulating the Sharia law.I was totally against it.

Question of reporter: So you are against the Blasphyemy law?

Answer:Finally when this law was made,The president Zia-ul-Haq never consulted me and I was never a part of shaping this law in the parliment made by General Zia-ul-Haq.This is absolutely clear.so they have wrong information that I was......

Question: Are you pro or against the most discussed Blasphemy law?

Answer:There are two aspects First of all,after clearly clarifying the situation. That I was never a part of shaping in the parliament.

Question: Why there is a controversy around your person and the minister says that she is against the canon law and you apparently support.Do you support

the canon law?

answer: I differ with the procedural and administrative,all procedural law of this matter. I have many resevations.I have difference of opinion.

قارئین ہر دو بیان پڑھ کر اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ صاحب جو کہ اپنے آپ کو ایک عالم مانتے ہیں اور لاکھوں لوگوں کو انہوں نے اپنے پیچھے لگایا ہوا ہے کس قدر دیدہ دلیری سے غلط بیانی کرر ہے ہیں۔ پاکستان کے لوگوں میں بیٹھ کر اس قانون کا سارا سہرا اپنے سر باندھتے ہیں اور جب باہر کے ملک میں جا کر اسی قانون پر بات کرتے ہیں تو صاف مکر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس قانون سے تو میرا کوئی لینا دینا ہی نہیں ہے میرا تو اس میں کوئی دخل عمل ہی نہیں ہے اور میں تو اس قانون کے بالکل خلاف ہوں۔ جب یہ قانون بنا نہ تو میں پارلیمنٹ کا ممبر تھا اور نہ ہی اس بورڈ کا ممبر تھا جس نے یہ قانون بنایا۔ اس قدر ڈھٹائی سے کوئی عالم جھوٹ بولے گا یہ بات سوچ سے بھی بعید ہے۔ یہی صاحب ہیں کہ ایک مرتبہ ARY نیوز چینل پاکستان کے ایک صحافی کو انٹرویو دے رہے تھے تو ان سے سوال ہوا کہ آپ کتنے فی صد سچ بولتے ہیں تو جواب دیتے ہیں کہ ''میں سو فی صد سچ بولتا ہوں'' موصوف کتنے فی صد سچ بولتے ہیں قارئین خود ان کے خود کے بیانوں سے اندازہ کر سکتے ہیں۔ واقعی یہ بات سچ ثابت ہوتی ہے کہ 'اندھوں میں کانا راجہ' لیکن یہی صاحب جب پڑھے لکھوں میں جاتے ہیں اور غیر اسلامی قانون کے بنائے جانے پر جب اعتراض ہوتے ہیں تو ہی اسلام کی صحیح تعلیم ان کی زبان سے جاری ہوتی ہے؛ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ان کی مجبوری ہے اگر یہ ایسا نہ کریں تو یا تو اسی وقت ملک بدر کئے جائیں یا قیدی بن کر اپنی زندگی گزاریں گے۔ ان کے اس بیان سے جو انہوں نے پاکستان

سے باہر کے ملک میں دیا ہے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خود ان کی کتاب بھی اسلامی تعلیمات کے برخلاف ہے اور پاکستان میں بنایا گیا توہین رسالت کا قانون بھی اسلامی تعلیمات کے برخلاف ہے۔اور حقیقت یہی ہے کہ اسلام کسی بھی توہین رسالت کرنے والے کے لئے قتل کی سزا بیان نہیں کرتا۔ بلکہ ایسے شخص کو کیا سزا دینی ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور کسی بندے کو قتل کی سزا دینے کا اختیار نہیں دیا۔البتہ اگر کوئی سیاسی حکومت اپنے ملک میں کوئی ایسا قانون بنا دے کہ توہین رسالت کرنے والے کی سزا قتل ہو گی تو ایسا قانون ملکی قانون تو کہلائے گا لیکن اسلامی قانون ہرگز نہیں کہلا سکتا کیونکہ اسلام میں توہین رسالت کرنے والے کی سزا قتل بیان نہیں کی گئی۔

اجماع صحابہ رضی اللہ عنھم سے استدلال

امام ابن تیمیہؒ نے اجماع صحابہؓ کا عنوان باندھ کر دو تین واقعات بیان کئے ہیں لیکن ان کی کوئی شہادت پیش نہیں کی صرف سیف بن عمرالتمیمی کے کتاب ''الردۃ والفتوح'' کے حوالہ سے جس میں وہ اپنے شیوخ کے حوالہ سے بات بیان کرتے ہیں درج کیا ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ کے ایک خط کا ذکر تاریخ طبری کے حوالہ سے کیا ہے۔ اس میں بھی ایسا کوئی جملہ دکھائی نہیں دیتا کہ جس سے یہ خیال بھی کیا جا سکے کہ حضرت ابوبکرؓ نے قرآن وسنت کے حوالہ سے کوئی بات بیان کر کے کسی کے قتل کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ تاریخ جمع کرنے والوں نے اس بات کا خیال نہیں کیا کہ یہ بات درست ہے یا نہیں بلکہ ان تک جو بات بھی پہنچی وہ انہوں نے تاریخ کا حصہ بنا دی اس طرح بہت سے ایسے واقعات بھی تاریخ میں ملتے ہیں جن کے سچا ہونے پر یقین نہیں آتا کیونکہ ایسا عمل قرآن وسنّت کے خلاف ہے اور مسلمان آغاز اسلام میں ہی اسلامی تعلیم سے اس قدر دور ہو جائیں گے ایسا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ الغرض خلافتِ راشدہ کے دور سے کوئی ایک واقعہ بھی ایسا بیان نہیں کیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ توہین رسالت کرنے والے کی سزا قتل ہے اور خلفائے راشدین اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔ اس عنوان کے تحت چھ صفحات پر بحث کی ہے لیکن ایک بھی حوالہ درج نہیں کیا صرف عمومی بحث کر کے دلیل دینے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باقی مصنفین نے اس عنوان پر کچھ بیان کرنے سے اجتناب کیا ہے اور تاریخ اسلام میں خلافت راشدہ کے دور میں ہمیں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا کہ کسی کو توہین رسالت کی بنا پر قتل کیا گیا ہو۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس زمانہ میں اصحاب رسولؐ اور خلفائے اسلام اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ اسلام کسی ہجو کرنے والے اور توہین رسالت کرنے والے کے لئے قتل کی سزا مقرر نہیں کرتا۔ کیونکہ رسول

کریم ﷺ کا اسوہ ان لوگوں کے سامنے تھا۔اور صحابہ رسولؓ قرآن کریم کے حوالہ سے اس بات سے پوری طرح واقف ہو چکے تھے کہ یہ سلسلہ ہر نبی کے دور میں چلا ہے اور کسی نبی نے بھی ایسی ہجو کرنے والوں کے قتل کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی قرآن کریم میں ایسا کوئی حکم موجود ہے۔

اس سلسلہ میں ایک دلیل گزشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ گستاخی کی تو ایک صحابی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے منع فرما دیا۔اور فرمایا کہ ایسا حق صرف رسول کریم ﷺ کو تھا ان کے بعد کسی کو یہ حق نہیں۔اس پر لمبی بحث پیچھے گزری ہے اسے دہرانا نہیں چاہتا۔

اس سلسلہ میں صرف اس قدر درج کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ جس بات کی دلیل قرآن کریم سے پیش نہ کی جا سکتی ہو سنت نبوی ﷺ میں جس پر عمل دکھائی نہ دیتا ہو اور احادیث میں بھی جس کی شہادت موجود نہ ہو اس کے بالمقابل اگر کوشخص ہزار دلیل بھی پیش کرے وہ قابل قبول نہیں ہو سکتی ایسے تمام لوگ جو اسلام میں توہین رسالت کی سزا قتل کے حق میں ہیں ان کے پاس کوئی ایک بھی دلیل موجود نہیں جو وہ قرآن کریم سے پیش کر سکیں جو وہ سنت نبوی ﷺ اور اسوۂ رسول ﷺ سے پیش کر سکیں کہ محض ہجو گوئی اور توہین رسالت کرنے کی بنا پر کسی کو قتل کرنے کا حکم ہو یا رسول کریم ﷺ نے محض اس بنا پر کسی کو قتل کروا دیا ہو۔البتہ جن لوگوں کو بھی قتل کرنے کا آنحضرت ﷺ نے حکم دیا اس کی وجہ ان کے دیگر سنگین قسم کے جرائم تھے جن جرائم کی سزا آج بھی قتل ہی بیان کی جاتی ہے ہاں ان سنگین جرائم کے ساتھ ساتھ وہ توہین رسالت بھی کرتے تھے اور ہجو گوئی بھی کرتے تھے۔لیکن سزا اس جرم کی نہیں دی گئی اور اسلام نہ ہی ایسے جرائم کی سزا قتل کا حکم دیتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ کتاب کے مصنف نے شروع میں تو قرآن وحدیث کے

حوالوں سے بات کو بیان کیا ہے اگرچہ نتیجہ ان تعلیمات اور احکامات کے خلاف نکالا ہے جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے ۔ باقی کی ساری کتاب ہی انہیں بیان کردہ واقعات کے گرد گھومتی ہے ۔ کبھی ذمّی کی بات کو بیان کر کے اس پر بحث کی گئی ہے تو کہیں منافق کی بحث کو اٹھایا گیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ منافق کی سزا قتل ہے ۔ کبھی زندیق کا ذکر کر کے اسے قتل کرنے کو جائز ٹھہرانے کی کوشش کی ہے لیکن قرآن وسنّت وحدیث سے ایک بھی دلیل پیش نہیں کی گئی ۔ اور اگر کسی جگہ کوئی دلیل پیش کی بھی ہے تو وہی آیات اور احادیث اور واقعات دہرا دیئے گئے ہیں جن کو بیان کیا جا چکا ہے ۔ کوئی ایک بھی نئی دلیل پیش نہیں کی گئی ۔ خلاصہ کلام یہ کہ کتاب کے شروع میں جن چار مسائل کو موضوع بحث بنایا گیا تھا ان پر سیر حاصل تفصیل پیش کی گئی ہے ۔ اور جو بھی ان مسائل سے توہین رسالت کی سزا قتل کے قائل ہیں قرآن کریم سنّت و حدیث ان کا ساتھ نہیں دیتی بلکہ قرآن سنّت وحدیث ایسے مجرموں کو سزا دینا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے کہ اللہ ہی ان کو سزا دیگا کسی بندے کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ از خود کھڑا ہو کر شاتم رسول یا توہین رسالت کرنے والے کو قتل کرنا شروع کر دے ۔ پس یہی حقیقی اسلامی تعلیم ہے جس پر خود رسول مقبول ﷺ نے عمل کر کے لوگوں کے لئے اسوہ حسنہ چھوڑا ہے ۔

اسی طرح یہ بحث بھی بار بار اٹھائی گئی ہے کہ اگر کسی مسلمان نے ایسی گستاخی کی ہو تو وہ مرتد کہلائے گا اور مرتد کی سزا قتل ہے لیکن پوری بحث میں ایک بھی قرآن وحدیث سے دلیل نہیں پیش کی گئی ۔ اوّل تو مسلمان ایسا فعل کر ہی نہیں سکتا لیکن اگر کوئی اپنے ارتدا کو اعلان کر بھی دے تب بھی اسلام اسے قتل کی سزا نہیں دیتا اس پر بھی تفصیلی بحث پیچھے گزر چکی ہے ۔ فتویٰ جاری کرنا ایک بات ہے لیکن اس کے لئے قرآن کریم سے دلیل پیش کرنا یہ اور بات ہے ۔ اور اسلام کی بنیاد فتوؤں پر نہیں بلکہ قرآن کریم کی شریعت پر ہے ۔

توہین رسالت کے مواقع پیدا کرنے کے ذمہ دار کون؟

اس بات میں تو شک نہیں کہ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ توہین رسالت ہر نبی کے زمانہ میں ہوتی رہی ہے اور کوئی نبی بھی مخالفین کی ایسی حرکتوں سے محفوظ نہیں رہا۔ ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو سب نبیوں کے سردار ہیں آپ پر بھی مخالفین اسلام نے ویسے ہی حملے کئے لیکن ان حملوں کا موقعہ خود مسلمانوں نے مہیا کیا اس کا باعث خواہ ان کی اپنی کم فہمی ہے یا پھر ان اسرائیلی روایات کا اثر ہو سکتا ہے جن سے مسلمان متأثر ہوئے اور ان کو قرآن کریم کی تفاسیر میں شامل کیا اور ضعیف روایات کو لیکر ان سے دلیل پکڑی اور اسے اسلامی تعلیمات کا حصہ بنا دیا۔ جسے آگے چل کر عیسائی مستشرقین نے انہیں مسلمانوں کے حوالہ سے اپنی کتب میں درج کیا اور اسلام پر حملہ آور ہوئے۔ ایسے واقعات کا جائزہ لینے کے لئے کتاب ’’تفاسیر القرآن میں اسرائیلی روایات‘‘ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے اس کے ساتھ ہی مؤرخین نے ہر سنی سنائی بات کو اٹھایا اور اسے تاریخ کا حصہ بنا دیا اصل واقعہ کی تہہ تک پہنچنے کی انہوں نے کوشش ہی نہیں کی اور پھر واقدی جیسے بعض ایسے مؤرخین بھی آئے جن کے بارے میں عام رائے یہ ہے کہ یہ روایات کو خود بھی گھڑ لیا کرتا تھا اور بات کو اس طرح بیان کرتا تھا کہ گویا یہ اس واقعہ کے موقعہ پر خود وہاں موجود تھا اور سارا واقعہ ہی اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ آج بھی بعض ایسے لوگ ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں خاص طور پر شیعہ حضرات میں کہ جب وہ واقعہ کربلا کا ذکر کرتے ہیں تو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گویا یہ سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے ہوا ہے۔ آج کے دور میں سکھوں میں بھی بعض ایسے لوگ ملتے ہیں کہ جب وہ کسی واقعہ کا ذکر کر رہے ہوں تو ان کے واقعہ کا ذکر کرنا ایسے ہی دکھائی دیتا ہے کہ گویا یہ شخص خود اس واقعہ کا چشم دید گواہ ہے۔ ان باتوں سے کچھ نہ کچھ تو ضرور اندازہ ہو جاتا ہے کہ خود مسلمان علماء نے توہین رسالت کرنے

والوں اور اپنے مخالفوں کے کس قدر ہاتھ مضبوط کئے ہیں۔اس میں مسلمانوں کی حالت ابتری کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔

دور حاضر اور اسلام پر حملے

آنحضرت ﷺ نے پیشگوئی کے رنگ میں یہ بات بیان فرمائی تھی کہ میری صدی سب سے بہترین صدی ہے اور کچھ کم درجہ کی اس کے ساتھ والی اور پھر اس کے کم درجہ کی اس کے ساتھ والی۔اس طرح آپ ﷺ نے تین صدیوں کو خیر القرون کا درجہ دیا ہے۔اور یہ ایک حقیقی بات ہے کہ زمانہ جیسے جیسے نبی کے زمانہ سے دور ہوتا جاتا ہے اس میں اسی قدر خامیاں اور کمزوریاں واقع ہوتی جاتی ہیں یہی اسلام کے ساتھ ہوا۔ پہلے پہل لکھنے پڑھنے کا رواج بھی کم تھا جیسے جیسے اس میں زیادتی ہوئی اور اس آخری زمانہ میں مذاہب کی آپسی محاذ آرائی شروع ہوئی تو ساتھ ہی ایک دوسرے کے مذاہب پر ان کے ماننے والوں نے حملے تیز کردئے۔اسلام کی آمد کے ساتھ ہی عیسائیوں کو ہر ملک میں ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔عیسوی مذہب نے جب دنیا میں دوبارہ ترقی کی اور مسلمان ہر میدان میں کمزور ہوگئے اس وقت عیسائی مستشرقین نے اسلام میں کمزوریاں تلاش کرنی شروع کیں اور مؤرخینِ اسلام کی ان روایات کو انہوں نے لیا جن سے کسی نہ کسی طرح اسلام پر زد پڑتی تھی۔اسی طرح قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی سیرت پر بھی اعتراضات کے انبار لگادئے اور مسلمانوں میں اتنی بھی سکت نہ رہی کہ یہ ان کے اعتراضات کا جواب دے پاتے۔جب عیسائیت ہندوستان میں داخل ہوئی تو ان کی دیکھا دیکھی ہندوؤں اور خاص طور پر آریوں نے بھی اسلام پر شدید حملے کرنے شروع کردئے۔جس طرح عیسائی پادری رسول کریم ﷺ کے بارے میں ناپاک زبان استعمال کرتے تھے آریوں نے بھی کرنی شروع کردی لیکن مسلمانوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا کہ وہ ان حملوں کا جواب دے سکتا۔خود مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ بڑے بڑے علماء عیسائیت کی آغوش میں چلے گئے مساجد کے شاہی امام تک پادریوں سے شکست کھا کر خود پادری بن گئے۔

جن میں پادری عمادالدین، پادری عبداللہ آتھم، پادری سراج الدین کے نام شہادت کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں۔

اسی بات کا ذکر کرتے ہوئے اخبار البشیر نے اپنی ایک اشاعت میں لکھا

''بعثت پیغمبر آخرالزمان کے وقت عیسائیوں اور یہودیوں میں جو فرقہ بندی تھی ان کی تاریخ اٹھا کر پڑھو اور پھر آج کل کے علماء اسلام کا ان سے مقابلہ کرو تو صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ آج بہت سے علماء اسلام کی جو حالت ہے وہ فوٹو ہے اس زمانہ کے علماء یہود اور نصاریٰ کی'' (اخبار ''البشیر'' اٹاوا ستمبر 1925ء)

محترم الطاف حسین حالی نے سن 1889ء میں مسلمانوں کی بدحالی کو یوں نقشہ کھینچا تھا۔

رہا دین باقی نہ اسلام باقی   اک اسلام کا رہ گیا نام باقی

پھر علامہ اقبال نے مسلمانوں کے بارے میں لکھا

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود   یہ مسلماں! ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

مودودی صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے کہ

''آپ اس نام نہاد مسلم سوسائٹی کا جائزہ لیں گے تو اس میں آپ کو بھانت بھانت کا مسلمان نظر آئے گا۔ مسلمانوں کی اتنی قسمیں ملیں گی کہ آپ شمار نہ کرسکیں گے۔ یہ ایک چڑیا گھر ہے جس میں چیل، کوّے، گدھ، بٹیر، تیتر اور ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں اور ان میں ہر ایک ''چڑیا'' ہے۔

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ 31 زیر عنوان تحریک اسلامی کا تنزل)

پس مسلمانوں اور اسلام کی کمزوری کے وقت جب اسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور قرآن کریم پر چوطرفہ حملے ہو رہے تھے اور توہین رسالت کا بازار گرم تھا اس وقت اللہ کا ایک ہی

پہلوان تھا جوان کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہوا جسے خدا نے مقام مہدی عطا کیا تھا جو حکم اور عدل ہو کر آیا اس نے قرآن کریم کو ہاتھ میں لیا اور اس میں بیان کردہ اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے توہین رسالت کرنے والوں اور اسلام پر حملہ کرنے والوں کا منہ توڑ جواب دیا جس کا اعتراف اپنوں نے نہیں بلکہ بیگانوں نے بھی کیا اور وہ اصول سمجھائے جس کے ذریعہ اسلام کی حقانیّت دنیا والوں پر ظاہر ہوئی اور حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کا روشن اور پاک چہرہ مخالفین اسلام پر ظاہر ہوا۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے تمام مخالفین اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے سب سے پہلے جو کتاب لکھی وہ براہین احمدیہ تھی۔ آپ نے اس کتاب میں تمام مذاہب والوں کو مخاطب کیا اور دس ہزار روپے انعام کے چیلنج کے ساتھ ایک اشتہار بھی شائع فرمایا۔ اس میں پیش کردہ چیلنج آج بھی اسلام کے مخالفوں کو دعوت دیتا ہے کہ آؤ اور اسلام اور قرآن اور حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی عالی شان کے بالمقابل اپنی مذہبی کتب سے، اپنی کتب اور اپنے انبیاء کا مقابلہ کروان کی شان بیان کرو لیکن آج تک بھی کوئی ایک بھی اس انعام کو حاصل کرنے کے لئے سامنے نہیں آیا۔ اسی بات کو بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں۔

"میں جو مصنّف اس کتاب براہین احمدیہ کا ہوں یہ اشتہار اپنی طرف سے بوعدہ انعام دس ہزار روپیہ بمقابلہ جمیع اربابِ مذہب اور ملّت کے جو حقانیت فرقانِ مجید اور نبوّتِ حضرت محمد مصطفٰے ﷺ سے منکر ہیں اتماماً للحجۃ شائع کر کے اقرارِ صحیح قانونی اور عہد جائز شرعی کرتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب منکرین میں سے مشارکت اپنی کتاب کی فرقانِ مجید سے اُن سب براہین اور دلائل میں جو ہم نے دوبارہ حقیّت فرقانِ مجید اور صدقِ رسالتِ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ

اُسی کتاب مقدّس سے اخذ کر کے تحریر کی ہیں اپنی الہامی کتاب میں سے ثابت کر کے دکھاوے یا اگر تعداد میں اِن کے برابر پیش نہ کر سکے تو نصف اِن سے یا ثلث اِن سے یا ربع اِن سے یا خمس اِن سے نکال کر پیش کرے یا اگر بکُلّی پیش کرنے سے عاجز ہوتا ہمارے ہی دلائل کو نمبر وار توڑ دے تو اُن سب صورتوں میں بشرطیکہ تین مُنصِف مقبولہ فریقین بالاتفاق یہ رائے ظاہر کر دیں کہ ایفاء شرط جیسا کہ چاہئے تھا ظہور میں آ گیا میں مُشتہر ایسے مُجیب کو بلا عُذر رِو حیلے اپنی جائیداد قیمتی دس ہزار روپیہ پر قبض و دخل دے دونگا۔ مگر واضح رہے کہ اگر اپنی کتاب کی دلائل معقولہ پیش کرنے سے عاجز اور قاصر رہیں یا برطبق شرط اشتہار کی خمس تک پیش نہ کر سکیں تو اس حالت میں بصراحت تمام تحریر کرنا ہوگا جو بوجہ ناکامل یا غیر معقول ہونے کتاب کے اِس شق کے پورا کرنے سے مجبور اور معذور رہے۔ اور اگر دلائل مطلوبہ پیش کریں تو اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ جو کہ ہم نے خمس دلائل تک پیش کرنے کی اجازت اور رخصت دی ہے اس سے ہماری یہ مُراد نہیں ہے جو اس تمام مجموعہ دلائل کا بغیر کسی تفریق اور امتیاز کے نصف یا ثلث یا ربع یا خمس پیش کر دیا جائے بلکہ یہ شرط ہر یک صِنف کی دلائل سے متعلق ہے اور ہر صِنف کے براہین میں سے نصف یا ثلث یا ربع یا خمس پیش کرنا ہوگا۔''

(روحانی خزائن جلد ا اشتہار صفحہ 24 تا 31 مطبوعہ لندن)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کتاب میں اسلام اور قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی توہین کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دیا اور ساری دنیا پر اسلام قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی زبردست حقّانیّت اور صداقت پیش فرمائی اور آج تک بھی کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ کوئی اس کا جواب دیتا۔ توہین رسالت کرنے والوں کو یہ آپ کا پہلا جواب تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ طریق توہین رسالت کرنے والوں کو جواب دینے کے لئے عین

قرآنی حکم کے مطابق تھا اسی بات کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس طرح بیان فرماتا ہے کہ

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡھُمۡ بِالَّتِیۡ ھِیَ اَحۡسَنُ ؕ (النحل آیت ۱۲۶)

یعنی (اے رسول) تو (لوگوں کو) حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے اپنے رب کی راہ کی طرف بلا۔ اور اس طریق سے جو سب سے اچھا ہو۔ ان سے اُن کے اختلافات کے (متعلق) بحث کر۔

قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق یہی وہ طریق ہے جس سے مخالفین اسلام کا مقابلہ کرنا چاہئے اسلام کا عدل اور انصاف کا قانون بھی یہ بیان کرتا ہے جس کا کہ اس کتاب کے شروع میں ذکر بھی کیا گیا ہے۔ یہ بات انصاف کے خلاف ہے کہ کوئی شخص قلم سے حملہ کرے تو اس کے خلاف تلوار سونت لی جائے۔ قلم کا جواب قلم سے دینا اور تلوار کا جواب تلوار سے دینا ہی انصاف ہے۔ جیسا کہ میں نے لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے توہین رسالت کرنے والوں کا جس طرح دندان شکن جواب دیا اس کا اعتراف بیگانوں نے بھی کیا اس کی بھی چند شہادتیں پیش کرتا ہوں۔ قرآن کریم کا ایک ترجمہ جو معجز نما عکسی کے نام سے باجازت مولوی نور محمد صاحب کتب خانہ رشیدیہ دہلی سے شائع ہوا ہے۔ اس کے شروع میں ایک دیباچہ ''آغاز انسان۔ قدیم قوموں اور پیغمبروں کا بیان'' کے نام سے شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے انبیاء کا اختصار سے ذکر کرتے ہوئے آخری زمانہ میں مسلمانوں میں پائے جانے والے اختلافات اور ان کی کمزوری کا بھی ذکر کیا ہے اسی سلسلہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ۔

''اسی زمانہ میں پادری لفرائی پادریوں کی ایک بہت بڑی جماعت لیکر اور حلف اٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنالوں گا ولایت انگریزوں سے

روپیہ کی بہت بڑی مدداور آئندہ کی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لیکر ہندوستان میں داخل ہوکر بڑا اتلاطم برپا کیا اسلام کی سیرت اور احکام پر جو اوسکا حملہ ہوا تو وہ ناکام ثابت ہوا کیونکہ احکام اسلام اور سیرت رسولؐ اور احکام انبیاء بنی اسرائیل اور ان کی سیرت جن پر اوسکا ایمان تھا یکساں تھے۔ پس الزامی ونقلی وعقلی جوابوں سے ہار گیا۔ مگر عیسیٰ کے آسمان پر بجسم خاکی زندہ موجود ہونے اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون ہونے کا جملہ عوام کے لئے اوسکے خیال میں کارگر ہوا تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہوگئے اور لفرائی اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰؑ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں اور جس عیسیٰ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں پس اگر تم سعادت مند ہو تو مجھ کو قبول کرلو اس ترکیب سے اوسنے لفرائی کو اس قدر تنگ کیا کہ اوسکو اپنا پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا اور اس ترکیب سے اوسنے ہندوستان سے لیکر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دیدی۔''

(معجز نما عکسی مترجم بہ دو ترجمہ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی صفحہ ۳۰)

اسی طرح کرزن گزٹ کے ایڈیٹر میرزا حیرت صاحب دہلوی نے لکھا

''مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں وہ واقعی بہت تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کردی۔ نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔۔۔۔۔ اگرچہ مرحوم پنجابی تھا مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ بلنی بلندئ میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں۔۔۔۔۔ اس کا پرزور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے اور واقعی اس کی بعض

عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔اس نے ھلاکت کی پیشگوئیوں مخالفتوں اور نکتہ چینیوں کی آگ میں سے ہو کر اپنا رستہ صاف کیا اور ترقی کے انتہائی عروج تک پہنچ گیا۔ (کرزن گزٹ دہلی مورخہ یکم جون ۱۹۰۸)

اسی طرح اخبار وکیل نے لکھا

''وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی انگلیوں میں انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شور قیامت ہو کر خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا۔۔۔۔۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے۔ ایسے شخص جن سے مذہبی و عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندان تاریخ بہت کم منظر عام پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔ مرزا صاحب کی اس رفعت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر ہاں مسلمانوں کو تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا ہے کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا ہے اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات کے ساتھ وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے۔۔۔۔مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج

جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔۔۔۔آئندہ امید نہیں کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو۔‘‘(اخبار وکیل امرتسر)

اسی طرح سید حبیب احمد صاحب سابق مدیر ’’سیاست‘‘ اپنی کتاب تحریک قادیان میں لکھتے ہیں۔

’’اس وقت کہ آریہ اور مسیحی مبلغ اسلام پر بے پناہ حملے کر رہے تھے۔ اِکّے دُکّے جو عالم دین بھی کہیں موجود تھے وہ ناموس شریعت حقہ کے تحفّظ میں مصروف ہو گئے مگر کوئی زیادہ کامیاب نہ ہوا۔اس وقت مرزا غلام احمد صاحب میدان میں اترے اور انہوں نے مسیحی پادریوں اور آریہ اپدیشکوں کے مقابلہ میں اسلام کی طرف سے سینہ سپر ہونے کا تہیہ کرلیا۔میں مرزا صاحب کے ادعائے نبوت وغیرہ کی قلعی کھول چکا ہوں لیکن بقولیکہ ع عیب دی جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو۔ مجھے یہ کہنے میں زرا باک نہیں کہ مرزا صاحب نے اس فرض کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا اور مخالفین اسلام کے دانت کھٹے کر دئے۔اسلام کے متعلق ان کے بعض مضامین لا جواب ہیں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ مرزا صاحب اپنی کامیابی سے متأثر ہو کر نبوت کا دعویٰ نہ کرتے تو ہم انہیں زمانہ حال میں مسلمانوں کا سب سے بڑا خادم مانتے۔لیکن افسوس کہ جس کی ابتداء اچھی تھی انتہاء وہ نہ رہی جو ہونا چاہئے تھی۔‘‘ (تحریک قادیان صفحہ 210)

حضرت مسیح موعود علیہ اسلام نے جب کتاب براہین احمدیہ تصنیف فرمائی جو تمام مخالفین اسلام کے لئے ایک چیلنج تھی اس کی اشاعت پر مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو ریویو لکھا وہ بھی آپ علیہ السلام کی خدمت اسلام پر ایک دال ہے۔لکھتے ہیں

’’ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی۔۔۔اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی وجانی و

لسانی وحالی وقالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔

ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتادے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ و برہم سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کے نشان دہی کرے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی وجانی وقلمی ولسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بیڑا اٹھالیا ہو اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو۔ وہ ہمارے پاس آ کر تجربہ ومشاہدہ کرلے اور اس تجربہ ومشاہدہ کا اقوام غیر کو مزا چکھا دیا ہو۔''

(اشاعۃ السنہ جلد ہفتم نمبر 6 صفحہ 169-170)

اس تبصرہ کے آخری الفاظ اس طرح سے ہیں

''مؤلف براہین احمدیہ نے مسلمانوں کی عزت رکھ دکھائی ہے اور مخالفین اسلام سے شرطیں لگالگا کر تحدی کی ہے۔ اور یہ منادی اکثر روئے زمین پر کردی ہے کہ جس شخص کو اسلام میں شک ہو وہ ہمارے پاس آئے اور اس کی صداقت دلائل عقلیہ قرآنیہ ومعجزات نبوت محمدیہ سے (جس سے وہ اپنے الہامات وخوارق مراد رکھتے ہیں) بچشم خود ملاحظہ کرلے۔''

(اشاعۃ السنہ جلد ہفتم نمبر 6 صفحہ 348)

الغرض توہین رسالت اور توہین اسلام اور توہین قرآن کرنے والوں کو کس طرح جواب دینا ہے اس کے اسلوب دور حاضر میں قرآنی تعلیم کی رو سے دنیا والوں کو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سمجھائے اور اس پر عمل کرکے دکھایا جس کا اعتراف جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اپنوں اور بیگانوں سب نے کیا۔ یہی وہ طریق ہے جس

کے ذریعہ آج بھی خلفائے احمدیت توہین رسالت کرنے والوں کو دندان شکن جواب دے رہے ہیں اور آئندہ بھی دیتے رہیں گے۔ اسلام اگرچہ ہمیں صبر کی تعلیم دیتا ہے لیکن جب عدوحد سے بڑھ جائے تو اس کا جواب دینے کا بھی حکم دیتا ہے اور اسلام اسی راہ کو اختیار کرنے کی اجازت دیتا ہے جو راہ اسلام کے مخالفین اختیار کرتے ہیں۔ اگر مخالفینِ اسلام نے اسلام کے خلاف قلم کا استعمال کیا تو ہمیں بھی اس کا جواب قلم ہی سے دینا ہوگا اور یہی وہ طریق ہے جو عدل وانصاف پر مبنی ہے اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اسلام کے خلاف قلم کا استعمال کرنے والوں پر قتل کا فتویٰ جاری کیا جائے یہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود ومہدی معہود علیہ السلام کی جانب سے ناموسِ رسالت پر حملوں کا جواب

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے موجودہ دور میں ناموسِ رسالت پر حملہ کرنے والوں کا جس طریق سے جواب دیا اس کی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ عیسائی مشنریز تو اسلام کے خلاف کام کر ہی رہے تھے جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ ان کی دیکھا دیکھی آریہ سماج نے بھی جو کہ ہندوؤں کی ایک شاخ ہے اسلام اور آنحضرت ﷺ کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا اس میں پنڈت دیانند نے ایک کتاب ستیارتھ پرکاش لکھی جس میں چودھواں ادھیائے اسلام کے خلاف لکھا جس میں قرآن کریم کی آیات کو لیکر ان کے غلط مفہوم کو بیان کر کے اسلام اور حضرت محمد مصطفٰے ﷺ پر شدید حملے کئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب شائع ہو کر منظر عام پر آچکی تھیں۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار ’’باعث تالیف آریہ دھرم وست بچن‘‘ کے عنوان سے شائع فرمایا جو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ توہین رسالت کرنے والوں کی وجہ سے آپ کے دل میں کس قدر کرب اور درد پایا جاتا تھا اور ساتھ ہی اس بات کی بھی شہادت دیتا ہے کہ آپ کے دل میں اپنے آقا حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کے لئے کس قدر محبّت اور غیرت پائی جاتی تھی اس کے چند نمونے آپ کے سامنے پیش کئے جاسکتے ہیں یہ تو ممکن ہی نہیں کہ آپ کے تمام تر خدمات کا اس مختصر سی کتاب میں ذکر کیا جاسکے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

’’یہ بات ہر ایک کو معلوم ہے کہ ہم برسوں تک آریوں کے مقابل پر بالکل خاموش رہے قریباً چوداں برس کا عرصہ ہو گیا کہ جب ہم نے پنڈت دیانند اور اندرمن اور کنہیالال کی سخت بد

زبانی کو دیکھ کر اوران کی گندی کتابوں کو پڑھ کر کچھ ذکر ہندوؤں کے ویدوں کا براہین احمدیہ میں کیا تھا مگر ہم نے اس کتاب میں بجز واقعی امر کے جو ویدوں کی تعلیم سے معلوم ہوتا تھا ایک ذرا زیادتی نہ کی، لیکن دیانند نے اپنی ستیارتھ پرکاش میں اور اندرمن نے اپنی کتابوں میں اور کنہیا لال نے اپنی تالیفات میں جس قدر بدزبانی اور اسلام کی توہین کی ہے اس کا اندازہ ان لوگوں کو خوب معلوم ہے جنہوں نے یہ کتابیں پڑھی ہونگی۔ خاص کر دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں وہ گالیاں دیں اور سخت زبانی کی جن کا مرتکب صرف ایسا آدمی ہوسکتا ہے جس کو نہ خدا کا خوف ہو اور نہ عقل ہو نہ شرم ہو نہ فکر ہو نہ سوچ ہو غرض ہم نے ان سفلہ مخالفوں کے افتراؤں کے بعد صرف چند ورق براہین میں آریوں کے خیالات کے بارہ میں لکھے اور بعد ازاں ہم باوجودیکہ لیکھرام وغیرہ نے اپنی ناپاک طبیعت سے بہت سا گند ظاہر کیا اور بہت سی توہین مذہب کی۔ بالکل خاموش رہے ہاں سرمہ چشم آریہ اور شحنہ حق جن کی تالیف پر نو برس گزر گئے آریوں کی ہی تحریک اور سوالات کے جواب میں لکھے گئے۔ چنانچہ ''سرمہ چشم آریہ'' کا اصل موجب منشی مرلی دھر آریہ تھے جنہوں نے بمقام ہوشیار پور کمال اسرار سے مباحثہ کی درخواست کی اور سرمہ چشم آریہ درحقیقت اس سوال جواب کا مجموعہ ہے جو مابین اس عاجز اور منشی مرلی دھر کے مارچ 1886ء میں ہوا۔ پھر ان کتابوں کی تالیف کے بعد آج تک ہم خاموش رہے اور چودا برس سے آج تک یا اگر ہوشیار پور کے مباحثہ سے بات کرو تو نو برس سے آج تک ہم بالکل چپ رہے اور اس عرصہ میں طرح طرح کے گندے رسالے آریوں کی طرف سے نکلے اور گالیوں سے بھری ہوئی کتابیں اور اخباریں انہوں نے شائع کیں مگر ہم نے بجز اعراض اور خاموشی کے اور کچھ بھی کاروائی نہیں کی پھر جب آریوں کا غلو حد سے زیادہ بڑھ گیا اور ان کی بے ادبیاں انتہا تک پہنچ گئیں تو اب یہ رسالہ آریہ دھرم لکھا گیا۔ ہمارے بعض اندھے مولوی جوہر

ایک بات میں ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں اور آریوں اور عیسائیوں کو بالکل معذور سمجھ کر ہر یک سخت زبانی ہماری طرف منسوب کرتے ہیں ان کو کیا کہیں اور ان کی نسبت کیا لکھیں وہ تو بخل اور حسد کی زہر میں مر گئے اور ہمارے بغض سے اللہ اور رسولؐ کے بھی دشمن ہو گئے۔ اے سیہہ دل لوگو! تمہیں صریح جھوٹ بولنا اور دن کو رات کہنا کس نے سکھایا گو یہ سچ ہے کہ ہم نے براہین میں ویدوں کا کچھ ذکر کیا مگر اس وقت ذکر کیا جب دیانند ہمارے نبی کو اپنی ستیا تھ پر کاش میں صدہا گالیاں دے چکا اور اسلام کی سخت توہین کر چکا اور ہندو بچے ہر ایک گلی کوچہ میں اسلام کے منہ پر تھوکنے لگے۔ پس کیا اس وقت واجب نہ تھا کہ ہم بھی کچھ ویدوں کی حقیقت کھولیں اور آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ (الشوریٰ۔40) پر عمل کر کے اپنے مولیٰ کو راضی کریں اور پھر اس وقت سے آج تک ہم خاموش رہے لیکن آریوں کی طرف سے اس قدر گندی کتابیں اور گندی اخباریں توہین اسلام کے بارے میں اس وقت تک شائع ہوئیں کہ اگر ان کو جمع کریں تو ایک انبار لگتا ہے۔ یہ کیسا خبث باطن ہے کہ مسلمان کہلا کر پھر ظلم کے طور پر ان لوگوں کو ہی حق بجانب سمجھتے ہیں جو سالہا سال سے ناحق شرارت اور افترا کے طور پر اسلام کی توہین کر رہے ہیں۔ اے مولویت کے نام کو داغ لگانے والو! ذرا سوچو کہ قرآن میں کیا یہ روا ہے کہ ہم اسلام کی توہین کو چپکے سنے جائیں۔ کیا یہ ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں نکالی جائیں اور ہم خاموش رہیں ہم نے برسوں تک خاموش رہ کر یہی دیکھا ۔ہم دکھ دیئے گئے اور صبر کرتے رہے مگر پھر بھی ہمارے بدگمان دشمن باز نہ آئے۔''

(آریہ دھرم از روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 107-108)

توہین رسالت کرنے والوں کو جواب دینے کا یہی وہ اصول ہے جو خود رسول کریم ﷺ نے بھی اختیار فرمایا۔ کعب بن اشرف نے جب رسول کریم ﷺ اور اسلام کے خلاف ہجو پر

مبنی اشعار کہے تو آپ نے اس کا جواب دینے کے لئے حضرت حسان بن ثابت ؓ کو بلایا اور فرمایا کہ کعب کے ان اشعار کا جواب دیں تو حضرت حسان بن ثابت ؓ نے ان اشعار کا جواب اشعار ہی میں دیا جیسا کہ پہلے بھی اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ الغرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے توہین رسالت کرنے والوں کو اسی طریق سے جواب دیا جس طریق سے انہوں نے اسلام اور آنحضرت ﷺ کی شان پر حملہ کیا تھا۔ اور یہ ایک مرتبہ نہیں ہوا بلکہ جب جب بھی کسی بدباطن نے ایسی حرکت کی آپ علیہ السلام نے اسی وقت اس کا جواب دیا۔

پنڈت لیکھرام

آریہ سماج ہی سے تعلق رکھنے والے پنڈت لیکھرام پیشاوری کا شمار بھی انہیں لوگوں میں ہوتا ہے جو ہمیشہ اسلام اور حضرت محمد مصطفٰے ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات کے خلاف رکیک حملے کرنے میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ یہ شخص پنڈت دیانند کے بعد زہر افشانی کرنے اور آنحضرت ﷺ کے خلاف کیچڑ اچھالنے اور آپ ؐ کی شان میں گستاخی کرنے میں پیش پیش تھا۔ اس کی زبان رسول پاک ﷺ اور دیگر انبیاء کے خلاف ہمیشہ تیز چھری کی طرح چلتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پہلے تو اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ تا یہ اپنی بدباطن روش سے باز آجائے لیکن بجائے باز آنے کے آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ جب اس کی شوخیاں انتہا تک پہنچ گئیں اور دلآزاری کی ساری حدیں پار کر دیں تب آپ نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر اس کے چھ سال کے عرصہ میں ہلاک ہو جانے کی پیشگوئی فرمائی۔ اور یہ شخص اپنی بے باکانہ شوخیوں کی بنا پر مقررہ معیاد کے اندر اندر ہلاک ہو گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔

"پس خدا نے مجھ کو اطلاع دی کہ وہ تو گوشت یعنی زبان کی چھری اسلام پر چلاتا رہا ہے مگر

خدا لوہے کی چھری سے اس کا کام تمام کرے گا۔ سو ایسا ہی وقوع میں آیا‘‘

(قادیان کے آریہ اور ہم روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 429)

پھر فرمایا:۔

’’واضح رہے کہ اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی سخت بے ادبیاں کی ہیں جن کے تصور سے بھی بدن کانپتا ہے اس کی کتابیں عجیب طور کی تحقیر اور توہین اور دشنام دہی سے بھری ہوئی ہیں۔ کون مسلمان ہے جو ان کتابوں کو سنے اور اس کا دل اور جگر ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو۔‘‘

(اشتہار 20 فروری 1893ء مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 373)

اسی طرح ایک جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

’’کیا لیکھرام نے میرے کسی باپ اور دادا کو قتل کر دیا تھا؟ اس نے میری ذات کو کسی قسم کی تکلیف اور ایذاء نہیں دی۔ ہاں اس نے رسول کریم ﷺ کی پاک ذات پر وہ گستاخانہ حملے کئے اور وہ بے ادبیاں کیں کہ میرا دل کانپ اٹھا اور میرا جگر پارہ پارہ ہو گیا۔ میں نے اس کی بے ادبیوں اور شوخیوں کو ٹکڑے ہوتے ہوئے دل کے ساتھ خدا کے حضور پیش کیا۔ اس نے ان شوخیوں اور گستاخیوں کے عوض میں اس کی نسبت مجھے یہ پیشگوئی عطا فرمائی۔‘‘

(ملفوظات جلد اوّل نیا ایڈیشن صفحہ 377-378)

نیز ایک جگہ فرمایا

’’جس نے پیشگوئی کی میعاد میں کوئی تضرع اور خوف ظاہر نہ کیا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ گستاخ ہو کر بازاروں اور کوچوں اور شہروں اور دیہات میں توہین اسلام کرنے لگا۔ تب وہ میعاد کے اندر ہی اپنی اس بد اعمالی کی وجہ سے پکڑا گیا اور وہ زبان اس کی جو گالی اور بدزبانی میں چھری کی طرح چلتی تھی اسی چھری سے اس کا کام تمام کر دیا۔‘‘

تذکرہ الشہادتین روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 42-43)

اس طرح ایک طرف تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس شخص کے اسلام پر اعتراضات کا جواب دیا اور دوسری طرف جب اس شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہار 20 فروری 1886 کے جواب میں آپ علیہ السلام کے تین سال کے اندر اندر ہلاک ہو جانے کا اشتہار دیا تو آپ نے بھی اللہ تعالیٰ سے اس کی ہلاکت کی خبر پا کر اس کے چھ سال کے عرصہ میں ہلاک ہو جانے کی پیشگوئی کی جو کہ لفظاً لفظاً پوری ہوئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو توہین رسالت اور توہین اسلام کرنے پر عبرت ناک سزا دی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ناموس رسالت پر حملوں کا زبردست دفاع کیا۔

چشمہ معرفت کی تصنیف

آریہ سماج والوں نے ایک مذہبی کانفرنس کر کے اس میں اسلام اور آنحضرت ﷺ پر بے جا اور ناپاک الزامات لگائے اور قرآن کریم کو تضحیک کا نشانہ بنایا۔ حضرت مسیح موعور علیہ السلام نے اس کے جواب میں کتاب ’’چشمہ معرفت‘‘ تصنیف فرمائی اور آریوں کی طرف سے کی گئی تضحیک اور توہین کا جواب دیا گیا۔ اگرچہ یہ کتاب جنوری 1908 کے شروع ہی میں لکھی جا چکی تھی لیکن اس کی اشاعت 15 مئی 1908ء کو ہوئی۔ اس کتاب کے پہلے حصہ میں حضور علیہ السلام نے ان دعاوی کا رد فرمایا ہے جو ڈاکٹر بھاردواج سیکریٹری آریہ سماج لاہور نے اپنی تقریر میں وید کے بارے میں کئے تھے۔ دوسرے حصہ میں ان حملوں کا رد کیا گیا جو انہوں نے قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ پر کئے تھے۔ اسی طرح کتاب کے آخر پر وہ مضمون بھی ہے جسے حضورؑ نے تصنیف فرمایا تھا جو کہ اس آریہ سماج کی مذہبی کانفرنس میں پڑھا گیا تھا۔

حضورؑ نے اس کتاب میں تمام غیر مذاہب والوں کو چیلنج کرتے ہوئے لکھا۔

''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اسلام ایسے بدیہی طور پر سچا ہے کہ اگر تمام کفار روئے زمین دعا کرنے کے لئے ایک طرف کھڑے ہوں اور ایک طرف صرف میں اکیلا اپنے خدا کی جناب میں کسی امر کے لئے رجوع کروں تو خدا میری ہی تائید کرے گا۔ مگر نہ اس لئے کہ سب سے میں ہی بہتر ہوں بلکہ اس لئے کہ میں اس کے رسول پر دلی صدق سے ایمان لایا ہوں۔''

(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 339-340)

نسیم دعوت اور سناتن دھرم کتابوں کی تصنیف

1903ء کی بات ہے کہ بعض نَومسلم حضرات نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مشورہ کے بغیر ہی اپنی قوم آریہ سماج والوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کی خاطر ایک اشتہار شائع کیا۔ اس کے جواب میں آریہ سماج والوں نے بھی ایک اشتہار ''قادیانی پوپ کے چیلوں کی ایک ڈینگ کا جواب'' شائع کیا۔

اس اشتہار میں بھی آریہ سماج والوں نے اپنی عادت کے طور پر آنحضرت ﷺ پر اعتراضات کرتے ہوئے سخت توہین کی اور گالیاں دیں اسی طرح آپ کی جماعت کے معززین کے لئے بھی توہین آمیز الفاظ استعمال کئے گئے اور گالیاں دی گئیں۔ اسی طرح ایک جلسہ کرنے کا بھی اعلان کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اگرچہ کئی مرتبہ ان کے اعتراضات اور گالیوں کا جواب دے چکے تھے اس لئے پہلے تو آپؑ نے ارادہ فرمایا کہ اس کو جواب نہ دیا جائے لیکن وحی خاص سے آپؑ کو اس کا جواب لکھنے کا حکم ہوا۔ چنانچہ اس کے جواب میں آپ نے ''نسیم دعوت'' تصنیف فرمائی۔ اس میں ان کے اعتراضات کے جوابات کے ساتھ ساتھ تمام مذاہب عالم پر اسلام کی خوبیوں کو خوب کھول کھول کر بیان فرمایا۔ نیز فرمایا۔

''خدا تعالیٰ نے اپنی وحی خاص سے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ اس تحریر کا جواب لکھ اور

میں جواب دینے میں تیرے ساتھ ہوں۔تب مجھے اس مبشر وحی سے بہت خوشی پہنچی کہ جواب دینے میں مَیں اکیلا نہیں۔سومیں اپنے خدا سے قوت پا کر اٹھا اور اس کی روح کی تائید سے میں نے اس رسالہ کو لکھا اور جیسا کی خدا نے مجھے تائید دی میں نے یہی چاہا کہ ان تمام گالیوں کو جو میرے نبیؐ مطاع کو اور مجھے دی گئیں نظر انداز کر کے نرمی سے جواب لکّوں اور پھر یہ کاروبار خدا تعالیٰ کے سپرد کردوں۔'' (نسیم دعوت روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 364'

جب یہ کتاب پنڈت رام بھجدت صاحب پریذیڈنٹ آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب کے پاس قادیان میں کئے جانے والے جلسہ میں پہنچی تو انہوں نے اپنی تقریر کے دوران فرمایا۔

''اگر وہ مجھ سے اس بارے میں گفتگو کرتے تو جو کچھ نیوگ کرنے کے فائدے ہیں سب ان کے پس بیان کرتا۔''

جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آریہ سماج کے ایک ذمہ دار لیڈر کی یہ بات پہنچی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 8مارچ 1903ء کو ایک مختصر سا رسالہ ''سناتن دھرم'' کے نام سے شائع فرمایا۔اس کے ذریعہ حضورؑ نے نیوگ کی بناء پر آریہ سماج کی خوب قلعی کھولی اور اس کے مقابل پر اسلام کی تعلیم بیان فرمائی۔

''قادیان کے آریہ اور ہم'' کی تصنیف

قادیان سے آریوں کا ایک اخبار ''شبھ چنتک'' نکلا کرتا تھا اور اس کا کام ہی یہ تھا کہ یہ اسلام اور آنحضرت ﷺ کے خلاف گندی اور ناشائستہ زبان استعمال کرے۔اس اخبار میں لالہ ملاوامل اور لالہ شرمپت کی طرف منسوب کر کے ایک اعلان شائع کیا گیا تھا کہ ہم مرزا صاحب کے کسی بھی نشان کے گواہ نہیں ہیں۔اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جلسہ سالانہ 1906ء میں یہ اعلان فرمایا تھا کہ لالہ ملاوامل اور لالہ شرمپت میرے

بیسیوں نشانوں کے گواہ ہیں۔

اس اخبار میں یہ اعلان شائع ہونے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ رسالہ تصنیف فرمایا جو ''قادیان کے آریہ اور ہم'' کے نام سے شائع ہوا۔اس میں حضور نے فرمایا۔

''میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ سب بیان صحیح ہے اور کئی دفعہ لالہ شرمپت سن چکا ہے اور اگر میں جھوٹا ہوں تو خدا مجھ پر اور میرے لڑکوں پر ایک سال کے اندر اندر اس کی سزا نازل کرے آمین و لعنة اللہ علی الکاذبین۔ایسا ہی شرمپت کو بھی چاہئے کہ میری اس قسم کے مقابل پر قسم کھاوے اور یہ کہے کہ اگر میں نے اس قسم میں جھوٹ بالا ہے تو خدا مجھ پر اور میری اولاد پر ایک سال کے اندر اس کی سزا وارد کرے آمین و لعنة اللہ علی الکاذبین''

(قادیان کے آریہ اور ہم روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 442)

بالکل ایسا ہی مطالبہ لالہ ملاوہ مل سے بھی کی گیا تھا

(قادیان کے آریہ اور ہم روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 443)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس مطالبہ پر یہ دونوں اشخاص تو سامنے نہ آئے لیکن اخبار ''شبھ چنتک'' کے منیجر اچھر چند نے الحکم کے ایڈیٹر صاحب سے ایک گفتگو کے دوران کہا کہ میں بھی مرزا صاحب کی طرح دعویٰ کرتا ہوں کہ طاعون سے کبھی نہیں مروں گا۔

خدا کی قدرت کہ چند روز کے اندر اندر اس اخبار کا تمام عملہ، ایڈیٹر صاحب کی اولاد اور اہل وعیال خدا کے اس قہر کی لپیٹ میں آگئے اور لقمہ طاعون ہوئے۔

(تاریخ احمدیت جلد 2 صفحہ 484)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''جو لوگ ناحق خدا سے بے خوف ہو کر ہمارے بزرگ نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو

بُرے الفاظ سے یاد کرتے اور آنجنابؐ پر ناپاک تہمتیں لگاتے اور بدزبانی سے باز نہیں آتے ہیں ان سے ہم کیونکر صلح کریں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم شورہ زمین کے سانپوں اور بیابان کے بھیڑیوں سے صلح کر سکتے ہیں لیکن ان لوگوں سے ہم صلح نہیں کر سکتے جو ہمارے پیارے نبیؐ پر جو ہمیں اپنی جان اور ماں باپ سے بھی پیارا ہے۔ ناپاک حملے کرتے ہیں۔''

(پیغام صلح روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 459)

عیسائیوں کی طرف سے توہین رسالت اور اس کا جواب

ڈاکٹر جان الیگزنڈر ڈوئی

ڈاکٹر الیگزنڈر ڈوئی سکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا آسٹریلیا، سان فرانسسکو اور امریکہ کی دیگر ریاستوں سے ہوتا ہوا 1893ء میں شکاگو پہنچا۔ یہاں پر اس نے کرسچن کیتھولک اپاسٹک چرچ کی بنیاد رکھی اور ایک اخبار بھی جاری کیا۔ یہ شخص بہت شعلہ بیان تھا اس لئے جلد ہی شہرت حاصل کر گیا۔

اس شخص کا ایک ہی مقصد تھا کہ دنیا سے اسلام کو مٹا دیا جائے اور ساری دنیا میں عیسائیت کی حکومت قائم کر دی جائے۔ اس کا کہنا تھا کہ ”میں امریکہ اور یورپ کی عیسائی اقوام کو خبردار کرتا ہوں کہ اسلام مُردہ نہیں ہے اسلام طاقت سے بھرا ہوا ہے اگرچہ اسلام کو ضرور نابود ہونا چاہئے۔ محمڈن ازم کو ضرور تباہ ہونا چاہئے مگر اسلام کی بربادی نہ تو مضحل لاطینی عیسویت کے ذریعہ ہو سکے گی نہ ہی بے طاقت یونانی عیسویت کے ذریعہ سے۔“

(ڈوئی کا عبرتناک انجام صفحہ 7 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 2 صفحہ 242)

مسٹر ڈوئی کا بغض اور عناد جب اس حد تک پہنچ گیا اور اس کی شوخیاں اور بے باکیاں جب انتہاء کو پہنچ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں آنحضرت ﷺ کی غیرت کا ایک زبردست جوش پیدا کیا۔ چنانچہ آپؑ نے ستمبر 1902ء کو ایک مفصل اشتہار لکھا جس میں حضور نے تثلیث پرستی پر تنقید اور اپنے دعویٰ مسیحیت کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا۔

”حال میں ملک امریکہ میں یسوع مسیح کا ایک رسول پیدا ہوا ہے جس کا نام ڈوئی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ یسوع مسیح نے بحیثیت خدائی دنیا میں اس کو بھیجا ہے تا سب کو اس بات

کی طرف کھینچے کہ بجز مسیح کے اور کوئی اور خدا نہیں ۔۔۔اور بار بار اپنے اخبار میں لکھتا ہے کہ اس کی خدا یسوع مسیح نے اس کو خبر دی ہے کہ تمام مسلمان تباہ اور ہلاک ہو جائیں گے اور دنیا میں کوئی زندہ نہیں رہے گا بجز ان لوگوں کے جو مریمؑ کے بیٹے کو خدا سمجھ لیں اور ڈوئی کو اس مصنوعی خدا کا رسول قرار دیں۔۔۔۔۔۔سو ہم ڈوئی صاحب کی خدمت میں بادب عرض کرتے ہیں کہ اس مقدمہ میں کروڑوں مسلمانوں کو مارنے کی کیا حاجت ہے؟ ایک سہل طریق ہے جس سے اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ آیا ڈوئی کا خدا سچا ہے یا ہمارا خدا۔ وہ بات یہ ہے کہ وہ ڈوئی صاحب تمام مسلمانوں کو بار بار موت کی پیشگوئی نہ سنائیں بلکہ ان میں سے صرف مجھے اپنی ذہن کے آگے رکھ کر یہ دعا کریں کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مر جائے کیونکہ ڈوئی یسوع مسیح کو خدا مانتا ہے مگر میں اس کو ایک بندہ عاجز مگر نبی جانتا ہوں۔ اب فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ دونوں میں سے سچا کون ہے۔ چاہئے کہ اس دعا کو چھاپ دے اور کم سے کم ہزار آدمی کی اس پر گواہی لکھے اور جب وہ اخبار شائع ہو کر میرے پاس پہنچ گئی تب میں بھی بجواب اس کے یہی دعا کرونگا اور انشاء اللہ ہزار آدمی کی گواہی لکھ دوں گا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ڈوئی کے اس مقابلہ سے اور تمام عیسائیوں کے لئے حق کی شناخت کے لئے راہ نکل آئے گی۔ میں نے ایسی دعا کے لئے سبقت نہیں کی بلکہ ڈوئی نے کی۔ اس سبقت کو دیکھ کر غیور خدا نے میرے اندر یہ جوش پیدا کیا اور یاد رہے کہ میں اس ملک میں معمولی انسان نہیں ہوں میں وہی مسیح موعود ہوں جس کا ڈوئی انتظار کر رہا ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ ڈوئی کہتا ہے کہ مسیح موعود پچیس برس کے اندر اندر پیدا ہو جائے گا اور میں بشارت دیتا ہوں کہ وہ مسیح پیدا ہو گیا اور وہ میں ہی ہوں۔ صدہا نشان زمین سے آسمان سے میرے لئے ظاہر ہو چکے ہیں۔ ایک لاکھ کے قریب میرے ساتھ جماعت ہے جو زور سے ترقی کر رہی ہے۔۔۔

اگر ڈوئی اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور درحقیقت یسوع مسیح خدا ہے تو فیصلہ ایک ہی آدمی کے مرنے سے ہو جائے گا۔ کیا حاجت ہے کہ تمام ملکوں کے مسلمانوں کو ہلاک کیا جائے لیکن اگر اس نے نوٹس کا جواب نہ دیا اور یا اپنے لاف وگزاف کے مطابق دعا کر دی اور پھر دنیا سے قبل میری وفات کے اٹھایا گیا تو یہ تمام امریکہ کے لئے ایک نشان ہوگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ کسی کی موت انسانی ہاتھوں سے نہ ہو بلکہ کسی بیماری سے یا بجلی سے یا سانپ کے کاٹنے سے یا کسی درندہ کے پھاڑنے سے ہو اور ہم اس جواب کے لئے ڈوئی کو تین ماہ تک مہلت دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا سچوں کے ساتھ ہو۔ آمین''

(مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 568-570)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس طریق فیصلہ کا ڈوئی نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اسلام کے خلاف اور زیادہ بدزبانی شروع کر دی۔ اور اپنے پرچہ ستمبر 1902ء میں لکھا کہ۔

''میرا کام یہ ہے کہ میں مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب سے لوگوں کو جمع کروں اور مسیحیوں کو اس شہر اور دوسرے شہروں میں آباد کروں یہاں تک کہ وہ دن آجائے کہ مذہب محمدی دنیا سے مٹا دیا جائے'' (حقیقت الوحی تتمہ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 509)

اس پر حضرت مسیح موعود علیہ اسلام نے مضمون مباہلہ کو امریکہ کے مشہور و معروف اخبارات میں شائع کروا دیا جس سے امریکہ اور یورپ میں اس کی دھوم مچ گئی۔ ان میں سے بعض اخبارات نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور قبر مسیح کی فوٹوز بھی شائع کیں۔ اس اشتہار کو شائع ہوئے ایک سال گزر جانے پر بھی ڈوئی نے کوئی جواب نہ دیا جبکہ اخبارات نے بار بار کی اشاعت میں ڈوئی کو شرم بھی دلائی لیکن نہ تو اس نے چیلنج کو قبول کیا اور نہ ہی زبان سے کوئی لفظ ہی اس سلسلہ میں نکالا لیکن بدزبانی سے بھی باز نہ آتا تھا۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

23 اگست 1903ء کو ایک اور انگریزی اشتہار ''پگٹ اور ڈوئی کے متعلق پیشگوئیاں'' شائع فرمائیں جس میں حضورؑ نے لکھا۔

''مسٹر ڈوئی اگر میری درخواست مباہلہ قبول کرے گا اور صراحتاً یا اشارۃً میرے مقابلہ پر کھڑا ہوگا تو میرے دیکھتے دیکھتے بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ اس دنیائے فانی کو چھوڑ دے گا۔''   (مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 606-607)

جب یہ اشتہار بھی امریکہ کے اخباروں میں شائع ہوا جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ ''اگر اب بھی ڈوئی مقابلہ سے انکار کرے گا تو امریکہ کے پیغمبر کے دعاوی جھوٹ اور فتراء ثابت ہو جائیں گے'' حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس اشتہار کے بعد ڈوئی اشاروں اشاروں میں آپ کے مقابل پر آ گیا اور 26 دسمبر 1903ء کے اپنے اخبار میں لکھا

''لوگ مجھے بعض اوقات کہتے ہیں کہ کیوں تم فلاں فلاں بات کا جواب نہیں دیتے۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں ان کیڑوں مکوڑوں کو جواب دوں گا۔ اگر میں اپنا پاؤں ان پر رکھوں تو ایک دم ان کو کچل سکتا ہوں۔ مگر میں ان کو موقعہ دیتا ہوں کہ میرے سامنے سے دور چلے جائیں اور کچھ دن اور زندہ رہ لیں۔''

اس کے بعد 27 دسمبر 1903ء کے اخبار میں نہایت بدزبانی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے ''بیوقوف محمدی مسیح'' کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے لکھا۔

''ہندوستان میں ایک بے وقوف شخص ہے جو محمدی مسیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ مجھے بار بار کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کشمیر میں مدفون ہیں جہاں پر ان کا مقبرہ دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ اس نے خود وہ (مقبرہ) دیکھا ہے مگر بیچارہ دیوانہ اور جاہل شخص پھر بھی یہ بہتان لگاتا ہے کہ حضرت مسیح ہندوستان میں فوت ہوئے۔ واقعہ یہ ہے کہ خداوند مسیح بیت عنیاہ کے مقام پر آسمان

پر اٹھایا گیا جہاں پر وہ اپنے سماوی جسم میں موجود ہے۔‘‘

(حقیقت الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 500)

اس کے بعد 23 جنوری 1903ء میں تمام دنیا کے مسلمانوں کی تباہی کے بارے میں پیشگوئی کرتے ہوئے لکھا۔

’’سینکڑوں ملین مسلمان جو اس وقت ایک جھوٹے نبی کے قبضہ میں ہیں انہیں یا تو خدائی آواز سننی پڑے گی یا وہ تباہ ہو جائیں گے۔‘‘

(عبرتناک انجام صفحہ 11 تاریخ احمدیت جلد 2 صفحہ 246)

اب یہ شخص توہین اسلام اور توہین رسالت کے معاملہ میں نہایت درجہ بے باک ہو کر اور گستاخی کی انتہاء پر پہنچ کر کھل کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابل پر آچکا تھا اور ساتھ وہ فیصلہ کی گھڑی بھی آن پہنچی تھی جس نے اس کی ذلّت کے سامان پیدا کر دئے اور یہ شخص دیکھتے ہی دیکھتے اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ سب سے پہلے ’’اخبار نیو یارک ورلڈ‘‘ نے اس کے 7 خطوط شائع کر دئے جو اس نے اپنے باپ جان مرے ڈوئی کو اپنی ناجائز ولدیت کے بارے میں لکھے تھے۔ پھر فالج کا حملہ ہوا۔ اس کی پرائیویٹ کمرہ سے شراب برآمد ہوئی۔ کنواری لڑکیوں سے اس کے ناجائز تعلقات سامنے آئے بالآخر سسکتے ہوئے موت کو اپنے گلے لگالیا۔ بچے اور حواری تمام اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔

ڈوئی کی ہلاکت کا نشان دنیا کی تاریخ میں ایک غیر معمولی نوعیت کا نشان تھا جس نے مغرب کی مادیت پرست دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور امریکہ اور یورپ کے بعض اخبارات کو تسلیم کرنا پڑا کہ محمدی مسیح کی پیشگوئی ایسی شان سے پوری ہوئی ہے جس پر وہ جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔

چنانچہ ”شکا گوٹریبون“ نے 10 مارچ 1907ء کولکھا۔

”ڈوئی کل صبح 7 بجکر 40 منٹ پر شیلوہاؤس میں مر گیا۔اس وقت اس کے خاندان کا کوئی فرد بھی موجود نہ تھا“

ڈوئی کے مرنے کے چند گھنٹے بعد ہی اس کی آراستہ و پیراستہ اقامت گاہ اور اس کے سارے سامان پر سرکاری ریسیور مسٹر جان ہارٹلے نے صیحوں کے قرض خواہوں کے نام پر قبضہ کرلیا۔جب ڈوئی کی نعش صندوق میں پڑی تھی اس وقت سرکاری کسٹوڈین مکان کے احاطہ میں جائیداد کی نگرانی کرتا رہا۔

یہ خود مصنوعی پیغمبر کسی اعزاز کے بغیر بالکل کسمپرسی کے عالم میں مر گیا۔اس وقت اس کے پاس نصف درجن سے بھی کم وفادار اور پیرو موجود تھے جن میں باتنخواہ ملازمین منجملہ ایک حبشی کے شامل تھے۔اس کے بستر موت پر کوئی قریبی عزیز نہ آیا اس کی بیوی،لڑکا جیمل مشی گن کے دوسری طرف والے مکان بین مکدوہی میں اس عرصہ میں مقیم رہے۔

وہ آدمی جس نے دوسروں کو شفا دینے کا پیشہ اختیار کیا وہ خود کو شفا نہ دے سکا۔اس کی غیر مطیع سپرٹ کو اس بیماری کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا جو اس کو قریباً دو سال سے دبوچے ہوئے تھی۔اس کا شفاء دینے کا ایمان،اس کے فالج،ڈراپسی اور دوسری پیچیدہ امراض کے سامنے بالکل بے طاقت ثابت ہوا۔“(ناموس رسالت ؐ پر حملوں کا دفاع صفحہ 34-35)

امریکن اخبار”ٹرتھ میکر“ نے اپنی اشاعت 15 جون 1907ء میں ”مرسلین کی جنگ“ کے عنوان سے اداریہ لکھا کہ۔

”ڈوئی محمد(ﷺ) کو مفتریوں کا بادشاہ سمجھتا تھا۔اس نے نہ صرف یہ پیشگوئی کی کہ اسلام صیحوں کے ذریعہ سے تباہ ہوجائے گا بلکہ وہ ہر روز یہ دعا بھی کرتا تھا کہ بلال(اسلامی

نشان) جلد از جلد نابود ہو جائے۔ جب اس کی خبر ہندوستانی مسیح کو پہنچی تو اس نے اس ایلیاء ثانی کو للکارا کہ وہ مقابلے کو نکلے اور دعا کریں کہ ''جو ہم میں سے جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں مر جائے۔'' قادیانی صاحب نے پیشگوئی کی کہ اگر ڈوئی نے اس چیلنج کو قبول کر لیا تو وہ میری آنکھوں کے سامنے بڑے دکھ اور ذلّت کے ساتھ دنیا سے کوچ کر جائے گا اور اگر اس نے چیلنج کو قبول نہ کیا تو تب اس کا اختتام صرف کچھ توقف اختیار کر جائے گا۔ موت اس کو پھر بھی جلد پالے گی اور اس کے صیحون پر بھی تباہی آجائے گی۔ یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی کہ صیحون تباہ ہو جائے اور ڈوئی احمد (علیہ السلام) کی زندگی میں مر جائے۔ ''مسیح موعود'' کے لئے یہ ایک خطرے کا قدم تھا کہ وہ لمبی زندگی کے امتحان میں اس ''ایلیاء ثانی'' کو بلائیں۔ کیونکہ چیلنج کرنے والا ہر دو میں سے کم و بیش پندرہ سال زیادہ عمر رسیدہ تھا۔ ایک ایسے ملک میں جو پلیگ اور مذہبی دیوانوں کا گھر ہو۔ حالات اس کے مخالف تھے مگر آخر وہ جیت گیا۔''

(تاریخ احمدیت جلد 2 صفحہ 249)

الغرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے توہین رسالت کرنے والے اس شخص کو بھی قرآنی تعلیم کے مطابق ہی دعوت دی اور عدل اور انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اُسے اُسی میدان میں بلایا جس میدان میں یہ شخص کھڑا ہو کر توہین رسالت کرتا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو اس فتح نصیب جرنیل کے ذریعہ سے وہ عزت بخشی جس کے آپؐ ہی حقدار تھے اور توہین رسالت کرنے والے کو ذلت اور رسوائی کا منہ دیکھنا پڑا۔

جیسا کی پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ ہندوستان میں عیسائیت کو پھیلانے کے لئے عیسائیوں نے بہت سے حربے استعمال کئے۔ ان میں سے ایک حربہ توہین رسالت کا بھی تھا۔ پادریوں نے جہاں قرآن کریم پر حملے کئے وہاں آنحضرت ﷺ کی زندگی پر بھی شدید حملے کرنے

شروع کئے اور ہر جگہ یسوع کی آنحضرت ﷺ پر برتری بیان کرنے کے ساتھ ساتھ توہین رسالت بھی کرتے۔ اور وہ زمانہ ایسا تھا کہ پادری توریت کو ہاتھوں میں لے کر مسلمانوں کو چیلنج کرتے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے کہ اسلام جھوٹا مذہب اور نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ جھوٹے نبی ہیں اس پر جگہ جگہ مناظرے کرنے کے چیلنج کرتے۔ ادھر سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسلام اور آنحضرت ﷺ کی صداقت کو ساری دنیا میں ظاہر کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ اسی دور میں جب پادری اسلام اور آنحضرت ﷺ کے خلاف کتابیں لکھ رہے تھے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ان کی کتابوں اور اعتراضات کے جواب میں کتابیں لکھیں جس میں حقیقی جوابات کے ساتھ ساتھ الزامی جوابات بھی دئے گئے تھے۔ پادریوں کے اسلام پر اعتراضات کے جواب میں آپؑ نے جو الزامی جوابات دئے عیسائیوں اور کم عقل مسلمانوں نے بھی اعتراض کرنے شروع کر دئے جس پر آپ نے فرمایا۔

''ہمیں پادریوں کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی۔ انہوں نے ناحق ہمارے نبی ﷺ کو گالیاں دے کر ہمیں آمادہ کیا کہ ان کا کچھ تھوڑا سا حال ان پر ظاہر کریں ۔۔۔ اور مسلمانوں کو واضح رہے کہ خدا تعالیٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا۔'' (ضمیمہ انجام آتھم روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 292-293 حاشیہ)

نیز فرمایا۔

''اگر پادری اب بھی پالیسی بدل دیں اور عہد کریں کہ آئندہ ہمارے نبی ﷺ کو گالیاں نہیں نکالیں گے تو ہم بھی عہد کریں گے کہ آئندہ نرم الفاظ کے ساتھ ان سے گفتگو ہوگی ورنہ جو کچھ کہیں گے اس کا جواب سنیں گے۔''

(ضمیمہ انجام آتھم روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 292 حاشیہ در حاشیہ)

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ عیسائی پادری ہر طرف گھوم گھوم کر عیسائیت کی تبلیغ کرتے اور مسلمانوں کو مناظروں کا چیلنج کرتے تھے۔ ایسا ہی جنڈیالہ کے مسلمانوں کے ساتھ ہوا اور عیسائیوں نے انہیں مناظرہ کی دعوت دی جس پر جنڈیالہ کے مسلمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آئے اور درخواست کی کہ آپ یہ مناظرہ کریں۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چند آدمیوں کو مناظرہ کی شرائط طے کرنے کے لئے ان کے ساتھ امرتسر روانہ کیا۔ اس پر عبداللہ آتھم کے ساتھ مناظرہ ہونا طے پایا۔ یہ ناظرہ جو کہ اسلام اور عیسائیت کے مابین ہوا امرتسر میں پندرہ یوم تک چلا جو کی کتابی صورت میں بھی ”جنگِ مقدس“ کے نام سے شائع شدہ ہے۔ اس مناظرہ کے دوران عبداللہ آتھم نے گستاخی کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو نعوذ باللہ دجال کہا اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی مناظرہ میں فرمایا کہ عبداللہ آتھم نے ہمارے پیارے رسول ﷺ کو دجال کہا ہے اگر یہ شخص حق کی طرف رجوع نہیں کرے گا تو پندرہ ماہ کے اندر اندر حاویہ میں گرایا جائے گا۔ اس پر عبداللہ آتھم نے اس وقت اپنی زبان باہر نکالی اور کان پکڑے۔ گویا کہ توبہ کی، اُس کی اِس توبہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی اس مہلت پر مخالفین کی طرف سے یہ بات اٹھائی گئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی نعوذ باللہ جھوٹی نکلی ہے۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ وضاحت بیان فرمائی کہ چونکہ عبداللہ آتھم نے حق کی طرف رجوع کیا تھا اس لئے اسے یہ مہلت ملی ہے اور اس عرصہ میں بھی عبداللہ آتھم اسلام اور آنحضرت ﷺ کی گستاخی کرنے سے باز بھی رہا ہے۔ جب لوگوں نے اس بات کو تسلیم نہ کیا تو آپ نے یہ علان فرمایا کہ عبداللہ آتھم کو کہو کہ وہ قسم کھائے کہ اس پر اس پیشگوئی کی ہیبت طاری نہ ہوئی تھی اور اس نے حق کی طرف رجوع نہیں کیا تھا اور تثلیث کے عقیدہ سے ذرہ بھی متزلزل نہیں ہوا تھا تو میں اسے

ایک ہزار روپیہ انعام دونگا۔ اور اگر وہ قسم اٹھالے اور اس کے قسم اٹھانے کے ایک سال کے اندر اندر اگر یہ شخص ہلاک نہ ہو گیا تو میں جھوٹا ہوں۔ پھر آپ نے یہ بات بھی بیان فرمائی کہ اگر یہ شخص قسم نہیں بھی کھائے گا تو چونکہ یہ حق پوشی کر رہا ہے اس لئے بھی یہ شخص ایک سال کے اندر اندر ہلاک ہو جائے گا۔ اس پر دنیا والوں نے دیکھا کہ یہ گستاخِ رسول شخص اس اعلان کے ایک سال کے اندر اندر اس جہان سے رخصت ہو گیا۔ اس طرح یہ شخص اسلام اور حضرت محمد مصطفٰی ﷺ کی صداقت پر مہر ثبت کر گیا۔ اس سلسلہ میں پوری وضاحت کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تین مستقل نوعیت کی کتب تصنیف فرمائیں جو کہ ضیاء الحق، انوار السلام اور انجام آتھم کے نام سے موجود ہیں۔ جن میں اس گستاخ رسول کی ساری گستاخیوں کا جواب اور اس کے انجام کی تفصیل موجود ہے۔

اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سراج الدین عیسائی کی طرف سے اٹھائے گئے چار سوالوں کے جواب بھی تصنیف فرمائے۔ اس سلسلہ میں ''سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب'' کے نام سے کتاب تصنیف فرمائی۔

اسی طرح ایک کتاب ''اُمہات المومنین'' کے نام سے ایک بدزبان کشمیری مرتد احمد شاہ شائق نے جو عیسائی ہو چکا تھا شائع کی۔ اس کتاب میں آنحضرت ﷺ اور آپؐ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کو اتنی گالیاں دی گئی تھیں کہ اسے پڑھ کر مسلمانانِ ہند کے جگر چھلنی اور دل پارہ پارہ ہو گئے۔ اور پورے ہندوستان میں غم وغصہ کی ایک لہر دوڑ گئی (اس کا پہلے بھی کچھ ذکر کیا جا چکا ہے) اس کتاب کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ''البلاغ'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس میں ان کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب دیا گیا ہے۔ اسی کتاب میں آپؑ نے ایک جامع سکیم بھی پیش فرمائی اور مسلمانوں سے اس سلسلہ میں اپیل

کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے بزرگو! یہ وہ زمانہ ہے جس میں وہی دین اور دینوں پر غالب ہوگا جو اپنی ذاتی قوت سے اپنی عظمت دکھاوے۔ پس جیسا کہ ہمارے مخالفوں نے ہزاروں اعتراضات کر کے یہ ارادہ کیا ہے کہ اسلام کے نورانی اور خوبصورت چہرہ کو بدشکل اور مکروہ ظاہر کریں ایسا ہی ہماری کوششیں اسی کام کے لئے ہونی چاہئیں کہ اس پاک دین کی کمال درجہ کی خوبصورتی اور بے عیب اور معصوم ہونا بپایہ ثبوت پہنچادیں۔۔۔اور ان کو دکھادیں کہ اسلام کا چہرہ کیسا نورانی، کیسا مبارک اور کیسا ہر ایک داغ سے پاک ہے۔ ہمارا کام جو ہم کو ضرور ہی کرنا چاہئے وہ یہی ہے کہ یہ دجل اور افتراء جس کے ذریعہ سے قوموں کو اسلام کی نسبت بدظن کیا گیا ہے اس کو جڑ سے اکھاڑ دیں۔ یہ کام سب کاموں پر مقدم ہے جس میں اگر ہم غفلت کریں تو خدا اور رسول کے گناہ گار ہوں گے۔ سچی ہمدردی اسلام کی اور سچی محبت رسول کریم کی اسی میں ہے کہ ہم افتراؤں سے اپنے مولیٰ و سید رسول اللہ ﷺ کا دامن پاک ثابت کر کے دکھلائیں۔۔۔۔خدا تعالیٰ نے ہمارے دل کو اسی امر کے لئے کھولا ہے کہ اس وقت اور اس زمانہ میں اسلام کی حقیقی تائید اسی میں ہے کہ ہم اس تخم بدنامی کو جو بویا گیا ہے اور ان اعتراضات کو جو یورپ اور ایشیا میں پھیلائے گئے ہیں جڑ سے اکھاڑ کر اسلامی خوبیوں کے انوار اور برکات اس قدر غیر قوموں کو دکھلاویں کہ ان کی آنکھیں خیرہ ہوجائیں۔"

(البلاغ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 382-383)

پس گستاخانِ رسول کی گستاخیوں کا جواب اسی صورت میں دیا جاسکتا ہے کہ ہم اسلام کی خوبیاں اور آنحضرت ﷺ کی پاک سیرت کو لوگوں کے سامنے اس کثرت سے پیش کریں کہ اسلام اور سیرت رسول ﷺ پر اٹھنے والے اعتراضات ان کے سامنے بے حقیقت دکھائی

دینے لگیں۔ بالکل اسی اصول کے مطابق جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیش فرمایا ہے۔

پادری جارج الفریڈ لیفرائے کے اعتراضات کا جواب

لیفرائے پادری صاحب کا ذکر ”معجز نما عکسی“ ترجمۃ القرآن کے حوالہ سے ہو چکا ہے۔ ان کا تقرر جب لاہور میں ہوا تو وہاں انہوں نے تقاریر اور مباحثات کے ذریعہ عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی اور انہوں نے ایک پروگرام کے تحت 18 مئی 1900 کو لاہور میں ”معصوم نبی“ کے موضوع پر ایک تقریر کی اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ اگر کوئی معصوم نبی ہے تو وہ حضرت مسیحؑ ہیں اور رسول کریم ﷺ کے بارے میں قرآن کریم میں آئے لفظ ذنب سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آپ نعوذ باللہ گناہ گار تھے۔ اس کے بعد انہوں نے مسلمانوں کو چیلنج کیا کہ اگر کسی کو اعتراض ہے تو وہ میدان میں آئے اور سوال کرے۔ اس مجمع میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک صحابی مفتی محمد صادق صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے وہ جوش غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور تقریر شروع کر دی انہوں نے پادری صاحب کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیدیتے ہوئے ان کے سبھی دعاوی کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اس پر مسلمانوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور پادری صاحب کو شرمندگی اٹھانی پڑی۔ مسلمان اسلام کی اس فتح کا کئی روز تک چرچہ کرتے رہے۔ اور یہ شور برپا رہا کہ مرزائی جیت گئے۔

پادری صاحب کو اپنی شکست سے بڑی خفت اٹھانی پڑی تھی اس کو مٹانے کے لئے انہوں نے ایک اور اشتہار دیا جس میں لکھا کہ وہ 25 مئی کو ”زندہ رسول“ پر پھر لیکچر دیں گے۔ اس اشتہار سے مسلمانوں میں بڑا جوش پھیل گیا۔ اس کی اطلاع جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک پہنچی اگرچہ آپ اس وقت علیل تھے لیکن اسلام اور عیسائیت کے درمیان اس جنگ میں حصہ لینے کے لئے آپ میں ایک جوش پیدا ہو گیا اور آپ نے زندہ رسول کے عنوان پر ایک لا

جواب مضمون لکھا جس میں آپ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کے نا قابل تردید دلائل کے ثبوت پیش فرمائے اور لکھا۔

''میں تمام لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اب آسمان کے نیچے اعلیٰ اور اکمل طور پر زندہ رسول صرف ایک ہے یعنی محمد مصطفی ﷺ اسی ثبوت کے لئے خدا نے مجھے مسیح کر کے بھیجا ہے جس کو شک ہو وہ آرام اور آہستگی سے مجھ سے یہ اعلیٰ زندگی ثابت کروالے۔ اگر میں نہ آیا ہوتا تو کچھ عذر بھی نہ تھا مگر اب کسی کے لئے عذر کی جگہ نہیں کیونکہ خدا نے مجھے بھیجا ہے تا میں اس بات کا ثبوت دوں کہ زندہ کتاب قرآن ہے اور زندہ دین اسلام ہے اور زندہ رسول محمد مصطفی ﷺ ہے۔ دیکھو میں زمین اور آسمان کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ یہ باتیں سچ ہیں اور خدا وہی ایک خدا ہے جو کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ میں پیش کیا گیا ہے اور زندہ رسول وہی ایک رسول ہے جس کے قدم پر نئے سرے سے دنیا زندہ ہو رہی ہے۔ نشان ظاہر ہو رہے ہیں۔ برکات ظہور میں آ رہے ہیں۔ غیب کے چشمے کھل رہے ہیں۔ پس مبارک وہ جو اپنے تئیں تاریکی سے نکال لے۔''

(مجموعہ اشتہارات جلد 2 صفحہ 388 لندن پرنٹ)

جیسا کہ اشتہار دیا گیا تھا بشپ لیفرائے نے اس کے مطابق ''زندہ رسول'' کے عنوان پر تقریر کی اس کے بعد جب سوالات کا موقعہ دیا گیا تو مفتی محمد صادق صاحب وہیں موجود تھے آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پرشوکت مضمون پڑھنا شروع کیا۔ اس مضمون کی خصوصیت یہ تھی کہ اگرچہ یہ ایک دن پہلے لکھا گیا تھا لیکن اس میں بشپ صاحب کے تمام سوالوں کا جواب تھا اور لوگ حیران تھے کہ اس قدر جلد بشپ صاحب کی تقریر کا جواب کس طرح تیار ہوا اور چھپ کر اس طرح منظر عام پر آ گیا۔ اس مضمون کی بدولت اسلام کو زبردست فتح نصیب ہوئی اور اسلام کی فتح کا ہر طرف شور مچ گیا اور بشپ صاحب کو پھر سے خفت اٹھانی

پڑی۔اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے توہین رسالت کرنے والوں کو اسی رنگ میں جواب دیا جس رنگ میں انہوں نے توہین کی تھی اس کے بعد بشپ صاحب نے ایسے اشتہارات دینے اور ایسی تقاریر کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھا۔

کتاب ”ینابیع الاسلام“ کا جواب

درج بالا عنوان سے ایک پادری صاحب نے ایک کتاب لکھی جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ قرآن کریم سابقہ کتب کا سرقہ ہے۔اس کتاب پر بانس بریلی کے ایک مسلمان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خط لکھ کر اپنے شک کا اظہار کیا۔اس کتاب کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کتاب ”چشمہ مسیحی“ تصنیف فرمائی اور یہ بتایا کہ جو الزام پادیوں کی طرف سے قرآن کریم پر کیا گیا ہے مسیح کی انجیل پر بھی ہندوؤں اور بدھ مذہب والوں کا یہی اعتراض ہے کہ یہ بھی ان کی کتب کا سرقہ ہے۔اور حضورؑ نے یہ بات بھی بیان فرمائی کہ اگر قرآن کریم کا کوئی حصہ قدیم نوشتوں سے ملتا ہے تو یہ وحی الٰہی میں توارد ہے۔ورنہ آنحضرت ﷺ تو امّی تھے یونانی اور عبرانی نہیں پڑھ سکتے تھے۔جبکہ قرآن کریم ایک زندہ کتاب ہے اور زندہ معجزہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔اس میں پیش گزشتہ زمانہ کی خبریں اور قصے اپنے اندر ایک پیشگوئی کا رنگ رکھتے ہیں۔اور اس کی فصاحت و بلاغت کا بھی ایسا معجزہ ہے جس کی آج تک بھی کوئی نظیر نہیں ملتی۔اس کتاب میں آپ نے تحریر فرمایا۔

”ہمارے نبی ﷺ اور ہمارے سید و مولیٰ (اس پر ہزار سلام) اپنے افاضہ کی رو سے تمام انبیاء سے سبقت لے گئے ہیں کیونکہ گزشتہ نبیوں کا افاضہ ایک حد تک آ کر ختم ہو گیا اور اب وہ قومیں اور وہ مذہب مردے ہیں۔کوئی ان میں زندگی نہیں مگر آنحضرت ﷺ کا روحانی فیضان قیامت تک جاری ہے اسی لئے باوجود آپؐ کے اس فیضان کے اس امت کے لئے

ضروری نہیں کہ کوئی مسیح باہر سے آوے بلکہ آپؐ کے سایہ میں پرورش پانا ایک ادنیٰ انسان کو مسیح بنا سکتا ہے جیسا کہ اس نے اس عاجز کو بنایا۔'' (چشمہ مسیحی روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 389)

نور الحق کی تصنیف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مناظرہ کے بعد جو امرتسر میں ہوا تھا عیسائی پادری بہت گھبرا گئے۔ اپنی ناکامی اور خفت کو مٹانے کے لئے نہایت دریدہ دہن اور زبان دراز شخص پادری عماد الدین نے ایک کتاب ''توزین الاقوال'' کے نام سے لکھی یہ نہایت ہی دلآزار اور اشتعال انگیز تھی۔ اس میں بھی قرآن کریم اور رسول پاک ﷺ پر ناپاک حملے کئے گئے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں چند ہی دنوں میں اس کا ناقابل تردید جواب لکھا جس میں پادری عماد الدین کے علاوہ تمام مرتدین اسلام پادریوں کو میدان مقابلہ میں آنے کے لئے للکارا۔ اور اعلان کیا کہ اگر وہ سب مل کر بھی اس کتاب کا حقیقی جواب تین ماہ میں لکھ دیں تو انہیں پانچ ہزار روپیہ کا انعام دیا جائے گا لیکن اگر وہ نہ تو جواب لکھیں اور نہ آنحضرت ﷺ کی توہین سے باز آئیں تو خدا کی ان پر لعنت ہو۔ حضور کا یہ جواب 1894ء کے آغاز میں ''نور الحق'' حصہ اول کے نام سے طبع ہوا جو نہایت مقفّٰی و مسجع اور فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔ اس کتاب کے لکھے جانے پر پادری عماد الدین نے گورنمنٹ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف اکسایا اس کے مقابل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ لوگ جو اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں اور پادری بن گئے ہیں ان کو منع کیا جائے کہ وہ اپنے ساتھ مولوی کا لفظ لگائیں کیونکہ اس سے اسلام کے بدنامی ہوتی ہے۔ اس طرح ہر لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان توہین رسالت کرنے والوں کا مقابلہ کیا اور ان کو انہیں کے حربہ سے مقابلہ کرتے ہوئے انہیں شکستِ فاش دیدی۔

نور القرآن نمبر 2 کی تصنیف

پادری فتح مسیح جو فتح گڑھ ضلع گورداسپور کا رہنے والا تھا اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دو خط لکھے جس میں اس بد باطن نے رسول مقبول ﷺ کو گالیاں دیتے ہوئے امام الطیبین وسید المعصومینؐ پر شرمناک تہمتیں لگائیں۔ ان گالیوں سے بھرے خطوط کا جواب حضور علیہ السلام نے کتاب ”نور القرآن“ حصہ دوم) میں لکھا۔ اس کتاب میں پادریوں کی بدزبانیوں اور گستاخیوں کا جواب الزامی رنگ میں دیا گیا ہے اور انجیل کے بیان کردہ ”یسوع مسیح“ کا فوٹو پیش کیا گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان پادری صاحبان کی طرف سے کی جانے والی گستاخیوں کے جواب میں سختی کا جو استعمال کیا ہے اس سلسلہ میں حضورؑ فرماتے ہیں۔

”پادری عماد الدین کی کتابیں اور پادری ٹھاکر داس کی کتابیں اور صفدر علی کی کتابیں اور امہات المؤمنین اور پادری ریواڑی کا رسالہ جو ہمارے نبی ﷺ کی نہایت درجہ کی توہین اور تکذیب سے پُر ہیں۔ یہ ایسی کتابیں ہیں کہ جو شخص مسلمانوں میں سے ان کو پڑھے گا اگر اس کو صبت اور حلم سے اعلیٰ درجہ کا حصہ نہیں تو بے اختیار جوش میں آجائے گا کیونکہ ان کتابوں میں علمی بیان کی نسبت سخت کلامی بہت ہے جس کو عام مسلمان برداشت نہیں کرسکتے۔ چنانچہ ایک معزز پادری صاحب نے اپنے ایک پرچہ میں جو لکھنؤ سے شائع ہوتا تھا لکھتے ہیں کہ اگر 1857ء کا دوبارہ آنا ممکن ہے تو پادری عماد الدین کی کتابوں سے اس کی تحریک ہوگی۔ اب سوچنے کے لائق ہے کہ پادری عماد الدین کا کیسا خطرناک کلام ہے جس پر ایک معزز مشنری صاحب یہ رائے ظاہر کرتے ہیں اور گزشتہ دنوں میں مَیں نے بھی مسلمانوں میں ایسی تحریروں سے ایک جوش دیکھ کر چند دفعہ ایسی تحریریں شائع کی تھیں جن میں ان سخت کتابوں کا جواب کسی قدر سخت

تھا۔ان تحریروں سے میرا مدعا یہ تھا کہ عوض معاوضہ کی صورت دیکھ کر مسلمانوں کا جوش رک جائے۔سو اگرچہ ان حکمت عملی کی تحریروں سے مسلمانوں کو فائدہ تو ہوا اور وہ ایسے رنگ کا جواب پا کر ٹھنڈے ہو گئے لیکن مشکل یہ ہے کہ اب بھی آئے دن پادری صاحبوں کی طرف سے ایسی تحریریں نکلتی رہتی ہیں جو زود رنج اور تیز طبع مسلمان ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔''

(ضمیمہ رسالہ جہاد روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 30-31)

یہ وہ چند نمونے ہیں جو قارئین کی خدمت میں پیش کئے گئے ہیں کہ کس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے توہین رسالت کرنے والوں کا پیچھا کیا اور انہیں ہر میدان میں شکست دی۔ اگر دیکھا جائے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک ایک کتاب اسلام کے دفاع میں لکھی گئی ہے۔اور آپ نے اپنی زندگی میں کوئی بھی ایسا موقعہ ہاتھ سے نہیں دیا کہ اسلام اور قرآن اور آنحضرت ﷺ کی شان پر کسی نے حملہ کیا ہو تو آپ نے اس کا جواب نہ دیا ہو۔توہین رسالت کرنے والوں سے آپ کے دل میں کس قدر دکھ اور درد پیدا ہوتا تھا اس کو اندازہ کرنے کے لئے یہاں صرف دو اقتباس درج کرتا ہوں۔ایک مقام پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''اس بات کو کون نہیں جانتا کہ ہندوستان اور پنجاب میں کم سے کم 45 برس سے یہ اعتدالیاں شروع ہیں۔ہمارے سید و مولیٰ حضرت خاتم الانبیاء و سید المطہرین افضل الاوّلین و الآخرین محمد مصطفٰی ﷺ کو اس قدر گالیاں دی گئی ہیں اور اس قدر قرآن کریم کو بیجا ٹھٹھے اور ہنسی کا نشانہ بنایا گیا ہے کہ دنیا میں کسی ذلیل سے ذلیل انسان کے لئے بھی کسی شخص نے یہ لفظ استعمال نہیں کئے۔ یہ کتابیں کچھ ایک دو نہیں بلکہ ہزارہا تک نوبت پہنچ گئی ہے اور جو شخص ان کتابوں کے مضمون پر علم رکھ کر اللہ جلّشانہ اور اس کے رسول پاک ؐ کے لئے کچھ بھی غیرت نہیں

رکھتا۔ وہ ایک لعنتی آدمی ہے، نہ مولوی اور ایک پلید حیوان ہے نہ انسان۔

اور یاد رہے کہ ان میں سے بہت سی ایسی کتابیں ہیں جو میرے بلوغ کے ایام سے بھی پہلے کی ہیں اور کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ ان کتابوں کی تالیف کا یہ موجب تھا کہ میں یا کسی اور مسلمان نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گالیاں دی تھیں جس سے مشتعل ہو کر پادری فنڈل اور صفدر علی اور پادری ٹھاکر داس اور عماد الدین اور پادری ریواری نے وہ کتابیں تالیف کیں کہ اگر ان کی گالیاں اور بے ادبیاں جمع کی جائیں تو اس سے سو جز کی کتاب بن سکتی ہے۔ اور ایسا ہی کوئی اس بات کا ثبوت نہیں دے سکتا کہ جس قدر گالیاں اور بے ادبیاں پنڈت دیانند نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں اور دین اسلام کی توہین کی۔ یہ کسی ایک اشتعال کی وجہ سے تھیں جو ہماری طرف سے ہوا تھا۔ ایسا ہی آریوں میں سے لیکھرام وغیرہ جواب تک گندی کتابیں چھاپ رہے ہیں۔ اصل موجب اس کا ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم نے وید کے رشیوں کو گالیاں دی تھیں بلکہ اگر ہم نے کچھ وید کی نسبت براہین میں لکھا تو نہایت تہذیب سے لکھا اور اس وقت لکھا گیا کہ جب دیانند اپنے ستیارتھ پرکاش میں اور کنہیا لعل الکھ دھاری لدھیانوی اپنی کتابوں میں اور اندرمن مراد آبادی اپنی پلید تالیفوں میں ہزارہا گالیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دے چکے تھے اور ان کی کتابیں شائع ہو چکی تھیں اور بعض بدبخت اور آنکھوں کے اندھے مسلمان آریہ بن چکے تھے اور اسلام سے نہایت درجہ ٹھٹھا کیا گیا تھا اور پھر بھی ہم نے نہایت تہذیب کو ہاتھ سے نہ دیا۔ گو ہمارا دل دکھایا گیا اور بہت ہی دکھایا گیا مگر ہم نے اپنی کتاب میں ہرگز ناراستی اور سختی کو اختیار نہ کیا اور جو واقعات دراصل صحیح اور محل پر چسپاں تھے وہی بیان کئے۔ ہم بمقابل آریوں کی گالیوں کے ویدوں کے رشیوں کو کیونکر گالیاں دیتے۔۔۔ اسلام کا طریق گالی دینا نہیں ہے مگر ہمارے مخالفوں نے ناحق بے وجہ اس قدر

گالیوں سے بھری ہوئی کتابیں لکھی ہیں کہ اگر ان کا ایک جگہ ڈھیر لگایا جائے تو اس کی بلندی ہزار فٹ سے کچھ کم نہ ہو۔اور ابھی تک بس کب ہے ہر ایک مہینہ میں ہزاروں رسالے اور کتابیں اور اخبار توہین اور سب وشتم سے بھرے ہوئے نکلتے ہیں۔پس ہمیں ان مولویوں کی حالت پر افسوس تو یہی ہے کہ ایسے مولوی جو کہتے ہیں کہ جو کچھ ہوتا ہے ہوتا رہے۔کچھ مضائقہ نہیں ۔اگر ان کی ماں کو کوئی ایسی گالی دی جاتی جو ہمارے پیارے نبی ﷺ کو دی جاتی ہے۔یا اگر ان کے باپ پر وہ بہتان لگایا جاتا جو سید الرسل محمد مصطفیٰ ﷺ پر لگایا جاتا ہے تو کیا یہ ایسے ہی چپ بیٹھے رہتے۔ہر گز نہیں۔بلکہ فی الفور عدالت تک پہنچتے اور جہاں تک طاقت ہوتی کوشش کرتے کہ تا ایسا دشنام دہ اپنی سزا کو پہنچے۔مگر آنحضرت ﷺ کی عزت ان کے نزدیک کچھ چیز نہیں۔غضب کی بات ہے کہ مخالفین کی طرف سے تو چھ کروڑ کتاب اب تک اسلام کے رد اور توہین میں تالیف ہو چکیں اور سب وشتم کا کچھ انتہا نہ رہا۔اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کچھ مضائقہ نہیں ہونے دو جو کچھ ہوتا ہے۔عنقریب ہے کہ ان گالیوں سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں مگر ان مولویوں کو کچھ پرواہ نہیں۔حیف ہے ایسے اسلام اور مسلمانی پر۔کہ کہتے ہیں کہ کچھ بھی حرج نہیں۔ہزار ہا آدمی ان جھوٹے بہتانوں کو سن کر مرتد ہو گئے مگر ان کے خیال میں ہنوز کسی احسن انتظام کی ضرورت نہیں۔یا الٰہی! یہ لوگ کیوں اندھے ہو گئے۔مجھے کچھ سبب معلوم نہیں ہوتا کیوں بہرے ہو گئے۔مجھے کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔اے قادر خدا۔اے حامی دین مصطفیٰ! تو ان کے دلوں کے جذام کو دور کر۔ان کی آنکھوں کو بینائی بخش کہ تو جو چاہتا ہے کرتا ہے تیرے آگے کوئی بات انہونی نہیں! ہم تیری رحمتوں پر بھروسہ رکھتے ہیں تو کریم اور قادر ہے۔‘‘ (نور القرآن نمبر 2 روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 397-400)

اسی طرح ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں۔

''اس زمانہ میں جو کچھ دین اسلام اور رسول کریم ﷺ کی توہین کی گئی اور جس قدر شریعت ربانی پر حملے ہوئے اور جس طور سے ارتداد اور الحاد کا دروازہ کھلا۔ کیا اس کی نظیر کسی دوسرے زمانہ میں بھی مل سکتی ہے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس ملک ہند میں ایک لاکھ کے قریب لوگوں نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا اور چھ کروڑ اور کسی قدر زیادہ اسلام کے مخالف کتابیں تالیف ہوئیں اور بڑے بڑے شریف خاندان کے لوگ اپنے پاک مذہب کو کھو بیٹھے یہاں تک کہ وہ جو آل رسولؐ کہلاتے تھے وہ عیسائیت کا جامہ پہن کر دشمن رسول بن گئے اور اس قدر بدگوئی اور اہانت اور دشنام دہی کی کتابیں نبی کریم ﷺ کے حق میں چھاپی گئیں اور شائع کی گئیں کہ جن کے سننے سے بدن پر لرزہ پڑتا ہے اور دل رو رو کر یہ گواہی دیتا ہے کہ اگر یہ لوگ ہمارے بچوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے قتل کرتے اور ہمارے جانی اور دلی عزیزوں کو جو دنیا کے عزیز ہیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے اور ہمیں بڑی ذلت سے جان سے مارتے اور ہمارے تمام اموال پر قبضہ کر لیتے تو واللہ ثم واللہ ہمیں رنج نہ ہوتا اور اس قدر کبھی دل نہ دکھتا جو ان گالیوں اور اس توہین سے جو ہمارے رسول کریمؐ کی گئی دکھا۔''

(آئینہ کمالاتِ اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 50-51)

نیز ایک مقام پر فرماتے ہیں

''میرے دل کو کسی چیز نے اتنی تکلیف نہیں دی جتنی ان دشمنوں کے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے استہزا کرنے نے دی ہے۔ خدا کی قسم اگر میرے سارے لڑکے اور اولاد اور پوتے میری آنکھوں کے سامنے قتل کر دئے جائیں اور میرے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دئے جائیں اور میری آنکھیں نکال دی جائیں اور مجھے میرے تمام مرادوں اور معین و مددگاروں سے محروم کر دیا جائے تو تب بھی یہ تمام امور مجھ پر اُن کے آپؐ سے استہزا سے زیادہ گراں نہیں۔''

(آئینہ کمالات اسلام ترجمہ عربی عبارت روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 15)

قارئین! یہ وہ درد تھا جو توہین رسالت کرنے والوں سے آپؑ کو پہنچتا اور آپؑ نے ایسے لوگوں کی توہین کا جواب قرآن کریم کے اسلوب اور رسول کریم ﷺ کی سنّت کے مطابق دیا اور ہر میدان میں انہیں چیلنج کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے توہین کرنے والوں کا مقابلہ کر کے انہیں ہر میدان میں شکست فاش دیکر مسلمانوں کو سمجھا دیا کہ آئندہ جب بھی کوئی بد باطن دریدہ دہن اور عقل کا اندھا ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کے خلاف زبان درازی کرے تو کیسے جواب دیا جانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے نظام خلافت قائم فرما کر قیامت تک کے لئے اسلام کے گرد ایک حصار قائم کردی ہے اس لئے جب بھی کوئی اسلام پر حملہ آور ہوتا ہے تو خلفاء احمدیت اِسی قرآنی اصول پر قائم رہتے ہوئے توہین رسالت کرنے والوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور ساری جماعت کو انہیں اسلوب پر قائم رہتے ہوئے دفاعِ اسلام کی تلقین کرتے ہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس طریق سے توہین رسالت کرنے والوں کا مقابلہ کیا، اور غیروں کا بھی آپ کی عظیم الشان کامیابیوں کا ذکر کرنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہی وہ اصول اور اسلوب ہیں جن کے ذریعہ اسلام اپنے مخالفین کا مقابلہ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور یہی وہ اسلوب ہیں جن پر چل کر اسلام دیگر ادیان پر غلبہ حاصل کرسکتا ہے۔

الحاج حضرت حکیم مولوی نورالدین بھیروی خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توہین رسالت پر حملوں کا جواب

الحاج حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب رضؓ بھیرہ کے رہنے والے تھے اس لئے آپ کے نام کے ساتھ بھیروی آتا ہے۔ چھوٹی عمر ہی سے آپ کو دینی تعلیم کا بے حد شوق تھا آپ ہمیشہ ذی علم اساتذا کی تلاش میں رہتے۔ علم کے حصول کے لئے آپ نے دور دراز کے سفر بھی اختیار کئے اس کی بدولت آپ کا شمار بڑے عالموں میں ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی آپ حاذق حکیم بھی تھے۔ آپ کو بھی اسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ رابطہ کس طرح سے ہوا اس کا ایک واقعہ یوں بیان ہوا ہے کہ آپ جب جموں میں ملازمت کرتے تھے تو ایک شخص جناب شیخ رکن الدین صاحب نے (جو خود بھی جموں ہی میں کسی جگہ ملازمت کرتے تھے) آپ کو بتایا کہ گورداسپور کے ایک گاؤں قادیان میں ایک شخص مرزا غلام احمد نے اسلام کی حمایت میں رسالے اور کتب لکھی ہیں۔ اس پر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے جو خود بھی اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ سے دلی پیار رکھتے تھے حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کو خط لکھ کر کتابیں منگوائیں اور ان کا مطالعہ کیا۔ انہیں دنوں میں کشمیر ہی کے ایک تعلیم یافتہ مسلمان افسر کے ساتھ ختم نبوت کے عنوان پر ایک مباحثہ بھی ہوا۔ اسی دوران حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اشتہار آپ کو ملا جس میں آپ نے دعویٰ ماموریت کے بعد نشان نمائی کی عالمگیر دعوت دی تھی اور یہ اشتہار آپ نے ایشیا، یورپ اور امریکہ کے تمام مذہبی عمائدین اور منکرین کو بھیجا تھا۔

اس اشتہار کے ملنے پر ہی آپ جموں سے قادیان کے لئے روانہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے

آپ کو وہ بصیرت عطا فرمائی تھی کہ پہلی نظر ہی میں آپ نے اس فرستادہ کو پہچان لیا کہ یہ وہی وجود ہے جس کی انتظار میں لاکھوں انسان اس دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔ پھر آپؓ پر ایسے فدا ہوئے کہ اپنا سب کچھ آپؑ پر قربان کر دیا۔

جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دل اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر فدا تھا آپ کے دل سے بھی اسی طرح فدائیت کی چشمے پھوٹتے تھے۔توہین رسالت کرنے والوں سے جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دل چھلنی ہوتا تھا اسی طرح آپ بھی بے تاب ہو جاتے تھے۔آپ کی ایک دعا اس بات کی نشاندہی کرتی ہے۔آپ نے یہ دعا کی کہ۔

”الٰہی اسلام پر بڑا تبر چل رہا ہے مسلمان اول تو سست ہیں۔ پھر دین سے بے خبر ہیں۔ اسلام و قرآن اور نبی کریم ﷺ سے بے خبر ہیں۔تو ان میں ایسا آدمی پیدا کر جس میں قوت جاذبہ ہو وہ کاہل دست نہ ہو۔ ہمت بلند رکھتا ہو، باوجود ان باتوں کے وہ کمال استقلال رکھتا ہو۔ دعاؤں کا مانگنے والا ہو، تیری تمام رضاؤں یا اکثر کو پورا کیا ہو۔ قرآن وحدیث سے باخبر ہو پھر اس کو ایک جماعت بخش اور وہ جماعت ایسی ہو جو نفاق سے پاک ہو، تباغض ان میں نہ ہو۔اس جماعت کے لوگوں میں بھی جذب، ہمت اور استقلال ہو، قرآن وحدیث سے واقف ہوں اور ان پر عامل ہوں اور دعاؤں کے مانگنے والے ہوں۔ ابتلاء تو ضرور آویں گے، ابتلاؤں میں ان کو ثابت قدمی عنایت فرما اور ان کو ایسے ابتلاء نہ آویں جو ان کی طاقت سے باہر ہوں۔ آمین“ (تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 444)

اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ اس دور میں اسلام پر عیسائیوں اور آریوں کی طرف سے شدید حملے ہو رہے تھے۔اور علمائے اسلام اس بات کی ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ ان حملوں کے جواب کے لئے مسلمانوں کی ایک مشترکہ انجمن ہونی چاہئے۔جس کے ذریعہ اسلامی

لٹریچر شائع کیا جائے اور وا کو اندرونِ ملک اور بیرون ملک بھیجا جائے۔ اس غرض کے لئے مولوی محمد حسین بٹالوی کی تجویز پر ایک انجمن اشاعت اسلام کے نام سے قائم کی گئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس میں شمولیت اختیار کی اور ایک رقم اس غرض کے لئے مختص کر دی۔ اگرچہ یہ انجمن قائم نہ رہ سکی۔ اس بات کی ضرورت تو تھی کہ اسلام پر ہونے والوں حملوں کے جواب کے لئے کوئی نہ کوئی انجمن ضرور قائم ہونی چاہئے۔ اسی غرض کے پیش نظر ایک اور انجمن لاہور میں قائم ہوئی جس کا ''انجمن حمایت اسلام'' نام رکھا گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس انجمن کی بھی بھرپور مالی اور علمی مدد فرمائی اعانت مالی کے ساتھ ساتھ مضامین بھی لکھے۔ اور اس کا صرف مقصد یہی تھا کہ کوئی دشمن اسلام، بانی اسلام آنحضرت ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی نہ کرے۔ اور اسلام کی صحیح اور حقیقی تصویر بھی دنیا والوں کے سامنے پیش ہو سکے۔ چنانچہ مولوی حسن علی صاحب مونگھیری جن کا اسلام کے مشہور مبلغین میں شمار ہوتا ہے انہوں نے 1893ء کے جلسہ انجمن حمایت اسلام میں حضورؓ کی شمولیت پر اور آپ کی تقریر کو سراہتے ہوئے ذکر کیا کہ مجھ کو فخر ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اتنے بڑے عالم اور مفسر کو دیکھا اور اہل اسلام کو جائے فخر ہے کہ ہمارے درمیان اس زمانہ میں ایک ایسا عالم موجود ہے۔ (تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 137)

عیسائیت کی جواب میں ''فصل الخطاب'' کی تصنیف

سن 1886ء کی بات ہے کہ ایک حافظ قرآن عیسائیت سے متأثر ہو کر اسلام کو خیر آباد کہنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس بات کا علم جب آپؓ کو ہوا تو آپ کا دل تڑپ گیا اور فوری حافظ صاحب سے رابطہ کیا اور اسے بپتسمہ لینے سے روک دیا اور ان سے کہا کہ وہ اس پادری صاحب سے ان کی بات کروائیں جنہوں نے انہیں متأثر کیا ہے چنانچہ حافظ صاحب نے آپؓ

کی ملاقات پادری تھامس ٹاول سے کروائی جو کہ ایک انگریز تھا۔آپؓ اس پادری کے سامنے شیر خدا بن کر کھڑے ہو گئے اور اسے کہا کہ اس نے اسلام پر جو بھی اعتراض کرنا ہے کرے میں اس کا جواب دونگا۔ اسپر اس پادری نے آپؓ سے لکھ کر سوال کئے جس کا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ کر ہی جواب دیا جو چار جلدوں پر مشتمل تھا۔آپ کا دیا ہوا یہی جواب بعد میں ''فصل الخطاب'' کے نام سے شائع ہوا۔ جب حافظ صاحب نے ان جوابات کو پڑھا تو عیسائیت کی ساری کلی ان پر کھل گئی اس پر وہ اور ان کے بہت سے ساتھی ارتداد سے بچ گئے اور سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔ اس کتاب میں خاص طور پر اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ اسی کتاب میں آپ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

''آنحضرت ﷺ کو دشمنوں اسلام اور مخالفوں نے اکثر یہ طعن کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا دین بزور شمشیر شائع ہوا ہے اور تلوار ہی کے زور سے قائم رہا۔ جن مؤرخین عیسائیوں نے آنحضرت ﷺ کا تذکرہ یعنی لائف لکھی ہے آپ ﷺ پر طعن کرنا انہوں نے اپنا شعار کرلیا ہے اور ان کے طعن کی وجہ فقط یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ نے اپنے تئیں اور اپنے رفقاء کو حملوں سے بچایا۔۔۔قوانین اسلام کے موافق ہر قسم کی آزادی مذہبی اور مذہب والوں کو بخشی گئی جو سلطنت اسلام کے مطیع و محکوم تھے۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (البقرہ 257) دین میں کوئی جبر نہیں یہ آیت کھلی دلیل اس امر کی ہے کہ اسلام میں اور اہل مذاہب کو آزادی بخشنے اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم ہے۔'' (فصل الخطاب صفحہ 98۔99)

اسی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری نے لکھا۔

''اس عمدہ کتاب میں پر جوش تحریر کے ساتھ اکثر نئی تحقیق کا دریا موجزن ہے۔ اسلام کی خوبی کو مختصر طور پر خوب دکھایا گیا ہے اور غالباً عیسائیوں کے کل اعتراضوں کے جواب الزامی

اور تحقیقی خوش اسلوبی سے دئے ہیں اور نبوت سرور انبیاء اور ضرورت قرآن مجید کو عمدہ طرز سے ثابت کیا ہے۔“ (تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 116)

تصدیق براہین احمدیہ کی تصنیف واشاعت

جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ اسلام پر اگر ایک طرف عیسائی حملہ آور تھے تو دوسری طرف آریوں کی کچلیوں سے بھی اسلام کے خلاف زہر اگلا جا رہا تھے ایک طرف جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کا مقابلہ کر رہے تھے وہیں آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی تصدیق براہین احمدیہ کی تحریک فرمائی۔ آپ نے فرمایا

”آج ہمارے مخالف ہمارے مقابلہ پر ایک جان کی طرح ہو رہے ہیں اور اسلام کو صدمہ پہنچانے کے لئے بہت زور لگا رہے ہیں میرے نزدیک آج جو شخص میدان میں آتا ہے اور اعلائے کلمۃ الاسلام کے لئے فکر میں ہے وہ پیغمبروں کا کام کرتا ہے۔“

(مکتوبات احمد جلد 2 صفحہ 43)

انجمن دیانند کھنڈن سبھا دہلی کی معاونت

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں دہلی اور اس کے ارد گرد آریہ سماج والوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کر دیا۔ اس وقت جماعت احمدیہ کے نامور ممبر حضرت میر قاسم علی صاحب نے ان دشمنان اسلام کا تحریری اور تقریری دفاع کرنے کی غرض سے اپنے آپ کو وقف کر دیا اور وہاں ایک انجمن ”دیانند مت کھنڈن سبھا“ کے نام سے قائم فرمائی۔ اس انجمن نے آریوں کی رہزیلی کچلیوں کو توڑنے کا زبردست کام کیا جس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے اس انجمن کے لئے اپنی جیب سے یکصد روپے عنایت فرمائے۔ (تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 302)

کتاب نورالدین کی تصنیف

عبدالغفور نامی ایک شخص نے جس نے اسلام کو خیر آباد کہہ کر آریہ دھرم اختیار کرتے ہوئے اپنا نام ''دھرم پال'' رکھ لیا تھا اس نے اسلام کے خلاف ایک کتاب ''ترکِ اسلام'' کے نام سے لکھی۔ اسلام پر اعتراضات کرتے ہوئے اس کتاب میں اس نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ نعوذ باللہ اسلام دنیا کا سب سے بُرا مذہب ہے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ایک کتاب لکھی جس کا نام آپ نے ''نورالدین'' تجویز فرمایا، اس میں اعتراضات کے جواجات کے ساتھ ساتھ اسلام کی خوبیاں بھی بیان کی گئی ہیں۔

حضرت مولوی صاحبؓ نے خوابوں اور رؤیا کی بنا پر اس کی خوب تشہیر فرمائی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کے خلاف اٹھنے والا فتنہ دب گیا اور دھرم پال پر اس کتاب کا اتنا اثر ہوا کہ وہ پھر سے مسلمان ہو گیا اور اسلام کی تعریف کرنے لگا اور اس نے اپنی کتاب جو اس نے اسلام کے خلاف لکھی تھی وہ بھی اپنے ہاتھ سے جلا دی۔

(تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 164-165)

مسیحی لیکچروں کے جواب میں اسلامی لیکچرز

سن 1909ء کے آخر میں عیسائیوں نے فورمین کالج میں مسلمانوں کے خلاف تقریروں کا سلسلہ شروع کیا اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے 5 نومبر 1909ء کو یہ اعلان فرمایا کہ ہم بھی لاہور میں اسلامی لیکچروں کا سلسلہ شروع کریں گے۔ چنانچہ 29 دسمبر 1909ء تا یکم جنوری 1910ء چار روز احمدیہ بلڈنگ لاہور میں جوابی لیکچرز ہوئے جس میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ کے نجات کے موضوع پر مدلل لیکچرز بھی شامل ہیں۔

(تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 305)

الغرض حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ساری زندگی اسلام کی خدمت میں صرف کی اور جب بھی اسلام پر کسی نے حملہ کیا آپ نے اس کا فوری جواب دیا اور جب بھی مخالفین اسلام نے اسلام اور حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی شان پر گستاخانہ حملے کئے آپؓ نے ان کا منہ توڑ جواب دیا اور اسی طریق کو اختیار کیا جس کی قرآن کریم ھدایت کرتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس طریق کو اختیار کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی آپ کے خدمتِ اسلام کے اس جذبہ کی بنا پر بے انتہا محبت تھی آپ کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک جگہ بیان فرماتے ہیں۔

''سب سے پہلے میں اپنے ایک روحانی بھائی کے ذکر کرنے کے لئے دل میں جوش پاتا ہوں جن کا نام ان کے نورِ اخلاص کی طرح نور دین ہے۔ میں ان کی بعض دینی خدمتوں کو جو اپنے مال حلال کے خرچ سے اعلاء کلمہ اسلام کیلئے وہ کر رہے ہیں ہمیشہ حسرت کی نظر سے دیکھتا ہوں کہ کاش وہ خدمتیں مجھ سے بھی ادا ہو سکیں۔ ان کے دل میں جو تائید دین کے لئے جوش بھرا ہے اس کے تصور سے قدرت الٰہی کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے کہ وہ کیسے اپنے بندوں کو اپنی طرف کھینچ لاتا ہے۔'' (فتح اسلام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 35)

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ناموسِ رسالت کے لئے کاوشیں۔

اس بات سے تو ہر کوئی واقف ہے کہ یہ دور ہی ایسا تھا کہ اسلام پر چوطرفہ حملے ہو رہے تھے جہاں عیسائی اسلام پر حملہ آور تھے وہاں ہندوؤں نے بھی اسلام پر اپنے حملے تیز کر دئے تھے۔ اور یہ کوشش کی جارہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کو دنیا سے ختم کر دیا جائے اسی لئے مخالفوں نے یہ طریق اختیار کر لیا تھا کہ اسلام کو بدنام کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ پر اور آپ کی ازواجِ مبارکہ پر توہین آمیز شدید حملے کئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ پیش خبری دی تھی کہ تیری ہی ذریت اور نسل سے میں تجھے ایک بیٹا عطا کروں گا جو اسلام کی خدمت پر معمور ہو کر ساری دنیا میں اسلام کو پھیلائے گا جسے اللہ تعالیٰ نے مصلح موعود کے نام سے بھی یاد کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت پر متمکن فرمایا۔ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توہین رسالت کرنے والوں کو دندان شکن جواب دئے آپ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح اسلام اور اپنے پیارے آقا حضرت محمد مصطفٰے ﷺ پر ہونے والے حملوں کا بھرپور دفاع کیا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"دیکھو ہندوستان میں آج کل اسلام پر خطرناک وقت آیا ہوا ہے۔ دشمن چاہتا ہے وہ اسلام کو مٹا دے اور توحید کو مٹا کر شرک کی بنیاد رکھ دے اور اسلام کی جگہ ہندو مذہب قائم کر دے۔ وہ بت پرست اقوام جن کی گھٹی میں شرک ملا ہوا ہے آج وہ خدائے واحد کی توحید کو

مٹانے کے درپے ہیں۔۔۔۔پس میں آج ہر اس شخص سے جس کے دل میں اسلام کا درد ہے ہر اس شخص سے جو اسلام کی ترقی اور عظمت کا خواہاں ہے ہر اس شخص سے جس نے اقرار کیا کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھے گا یہ بات بڑے درد سے کہتا ہوں کہ اس کا فرض ہے کہ اس نازک وقت میں بیدار ہو جائے۔'' (خطبات محمود جلد 11 صفحہ 69-70)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام پر مسلمانوں اور عیسائیوں کے حملوں اور بد زبانیوں کے پیش نظر تمام مسلمانوں اور اپنی جماعت کے افراد کو ان کا جواب دینے کی طرف توجہ دلائی اور مسلمانان ہند کو تین باتوں پر عمل کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

1۔دشمن کے مقابلہ کے وقت ہم آپس میں متحد ہو جائیں اور ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔

2۔مسلمان اپنے ماحول کے حالات سے باخبر رہیں اور جس جگہ وہ ہندوؤں کے حملہ کا دفاع نہیں کرسکتے وہ ہمیں اطلاع دیں۔ہم اپنے آدمی بھیج دیں گے۔

3۔جہاں جہاں آریوں اور عیسائیوں کا زور ہو وہاں مسلمان تبلیغی جلسے کرکے ہمارے واعظ بلوائیں۔

اس اعلان کے بعد مسلمانوں نے اپنے جلسوں میں احمدی وا ⍂ کو بلانا شروع کیا اور احمدی وا ⍂ بھی بلا تامل ہر جگہ پہنچ جاتے جہاں انہیں بلایا جاتا اس طرح پورے ہندوستان میں ایک شور برپا ہو گیا۔اسی بات کا ذکر کرتے ہوئے خواجہ حسن نظامی نے اپنی کتاب ''مسلمان مہارانا'' میں لکھا

''اگرچہ میں قادیانی عقیدہ کا نہیں ہوں نہ کسی قسم کا میلان میرے دل میں قادیانی جماعت کی طرف ہے۔لیکن میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ قادیانی جماعت اسلام کے

حریفوں کے مقابلہ میں بہت مؤثر اور پرزور کام کر رہی ہے۔‘‘

(الفضل 31 مئی 1927ء تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 574)

رنگیلا رسول اور رسالہ ورتمان میں حضرت رسول کریم ﷺ کی تضحیک پر جماعت احمدیہ دفاع

سن 1927ء کی بات ہے کہ ایک شخص ’’راجپال‘‘ نے ’’رنگیلا رسول‘‘ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں ہمارے پیارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات پر شدید قسم کے غلیظ حملے کئے گئے دلخراش اور اشتعال انگیز باتیں لکھی گئی تھیں۔ اسی طرح ایک اور آریہ ’’دیوی شرن شرما‘‘ نے ہندو رسالہ ’’ورتمان‘‘ میں ’’سیر دوزخ‘‘ کے عنوان سے افسانوی رنگ میں ایک مضمون لکھا جو کہ آنحضرت ﷺ کی ذات کو نشانہ بناتے ہوئے لکھا گیا تھا اس میں بھی آنحضرت ﷺ کے بارے میں توہین آمیز اور دل آزار باتیں لکھی گئی تھیں اور اہل بیت کے نام بھی بگاڑ کر لکھے گئے تھے۔ اس سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہو گیا۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پوسٹر شائع کیا اور یہ پوسٹر ایک ہی رات میں پورے ہندوستان میں چسپاں کر دیا گیا۔ اس کا عنوان تھا ’’رسول کریم کی محبت کا دعویٰ کرنے والے کیا اب بھی بیدار نہ ہونگے‘‘ اس اشتہار میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحریر فرمایا۔

’’ کیا اس سے زیادہ اسلام کے لئے کوئی مصیبت کا دن آسکتا ہے؟ کیا اس سے زیادہ ہماری بیکسی کوئی اور صورت اختیار کر سکتی ہے؟ کیا ہمارے ہمسایوں کو یہ معلوم نہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ فداہ نفسی و اہلی کی اپنی ساری جان اور سارے دل سے پیار کرتے ہیں اور

ہمارے جسم کا ذرہ ذرہ اس پاکبازوں کے سردار کی جوتیوں کی خاک پر بھی فدا ہے اگر وہ اس امر سے واقف ہیں تو پھر اس قسم کی تحریرات سے اس کے اور کیا غرض ہو سکتی ہے کہ ہمارے دلوں کو زخمی کیا جائے اور ہمارے سینوں کو چھیدا جائے اور ہماری ذلت اور بے بسی کو نہایت بھیانک صورت میں ہماری آنکھوں کے سامنے لایا جائے اور ہم پر ظاہر کیا جائے کہ مسلمانوں کے احساسات کی ان لوگوں کو اس قدر بھی پرواہ نہیں جس قدر کہ ایک امیر کبیر کو ایک ٹوٹی ہوئی جوتی کی ہوتی ہے لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا مسلمانوں کو ستانے کے لئے ان لوگوں کو کوئی اور راستہ نہیں ملتا۔ ہماری جانیں حاضر ہیں۔ ہماری اولادوں کی جانیں حاضر ہیں۔ جس قدر چاہیں ہمیں دکھ دے لیں لیکن خدا را نبیوں کے سردار کی ہتک کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو تباہ نہ کریں کہ اس پر حملہ کرنے والوں سے ہم کبھی صلح نہیں کر سکتے ہمارے طرف سے بار بار کہا گیا ہے اور میں پھر دوبارہ ان لوگوں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہماری جنگل کے درندوں اور بن کے سانپوں سے صلح ہو سکتی ہے لیکن ان لوگوں سے ہرگز صلح نہیں ہو سکتی جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے والے ہیں۔ بیشک وہ قانون کی پناہ میں جو کچھ چاہے کر لیں اور پنجاب ہائیکورٹ کے تازہ فیصلہ کی آڑ میں جس قدر چاہیں ہمارے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے لیں۔ لیکن وہ یاد رکھیں کہ گورنمنٹ کے قانون سے بالا اور قانون بھی ہے اور وہ خدا کا بنایا ہوا قانون فطرت ہے وہ اپنی طاقت کی بنا پر گورنمنٹ کے قانون کی زد سے بچ سکتے ہیں لیکن قانون قدرت کی زد سے نہیں بچ سکتے اور قانون قدرت کا یہ اٹل اصل پورا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس کی ذات سے ہمیں محبت ہوتی ہے اس کو برا بھلا کہنے کے بعد کوئی شخص ہم سے محبت اور صلح کی توقع نہیں رکھ سکتا۔‘‘

(تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 597)

اس پوسٹر کے شائع ہو جانے پر پورے ملک میں مسلمانوں میں رسول کریم ﷺ کے

تئیں ایک جزبہ اور جوش پیدا ہو گیا اور حکومت کو بڑی کوشش سے امن قائم کرنا پڑا اس پر حکومت نے ''ورتمان'' کا وہ پرچہ ضبط کیا اور اس کے ایڈیٹر اور مضمون نگار پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا۔ اسی طرح ''رنگیلا رسول'' کے مصنف راجپال پر بھی مقدمہ چلایا گیا اور اسے زیر دفعہ 153۔الف تعزیرات ہند چھ ماہ قید بامشقت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا چھ ماہ قید مزید کی سزا ہوئی۔لیکن راجپال نے اس کے خلاف ہائیکورٹ میں اپیل دائر کی اس پر ہائیکورٹ کے جج کنور دلیپ سنگھ نے یہ کہتے ہوئے اسے بری کر دیا کہ

میری رائے میں دفعہ 153۔الف اس قدر وسیع معانی کے لئے نہیں بنایا گیا تھا۔میرے خیال میں اس دفعہ کے وضع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو کسی ایسی قوم پر حملہ کرنے سے روکا جائے جو موجود ہو نہ کہ اس سے گزشتہ مذہبی رہنماؤں کے خلاف اعتراضات اور حملوں کو روکنا مقصود تھا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں اس امر پر اظہار افسوس کرتا ہوں کہ ایسی دفعہ کی تعزیرات میں کمی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ مقدمہ 153۔الف کی زد میں آتا ہے اس لئے میں نظر ثانی کو بادل ناخواستہ منظور کرتا ہوں اور مرافعہ گزار کو بری کرتا ہوں۔

ہائیکورٹ کے اس فیصلہ پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ورتمان کے مضمون نگار کو سزا دلوانے کی پوری کوشش کی اور ساتھ ہی یہ بھی کوشش کی کہ اس دفعہ 153۔الف میں جو کمی ہے اسے دور کیا جائے۔ چنانچہ یہ مقدمہ چیف جسٹس نے ایک جج کے سپرد کر دیا۔لیکن حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکومت کو تار کے ذریعہ اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ یہ مقدمہ ایک سے زیادہ ججوں کے سامنے پیش ہونا چاہئے۔تاکہ دفعہ 153۔الف سے متعلق جسٹس دلیپ سنگھ کے فیصلہ کی تحقیق ہو جائے۔ چنانچہ حکومت نے اس مطالبہ کو منظور کرتے ہوئے ڈویژن بنچ کے سپرد کر دیا۔جس نے 16 اگست 1927ء کو فیصلہ سنایا کہ مذہبی پیشواؤں کے

خلاف بدزبانی 153۔الف کی زد میں آتی ہے اور بانی اسلام کو اسلام سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا اس وجہ سے ڈویژن بنچ نے ورتمان کے مضمون نگار کو ایک سال قید بامشقت اور پانچ سو روپیہ جرمانہ اور ایڈیٹر کو چھ ماہ قید سخت اور اڑھائی سو روپیہ جرمانہ کی سزادی۔

ہائیکورٹ کے سابقہ فیصلہ پر اخبار مسلم آؤٹ لک کے ایڈیٹر سید دلاور شاہ صاحب بخاری نے 14 جون 1927ء کو ''مستعفی ہو جاؤ'' کے عنوان سے ایک اداریہ لکھا جس میں ہائیکورٹ کے اس فیصلہ سے اختلاف کیا گیا تھا جس پر اخبار کے ایڈیٹر اور اس کے مالک وطابع (مولوی نورالحق) صاحب کے نام توہین عدالت ہائیکورٹ کی طرف سے نوٹس بھیجا گیا۔آپ پر مقدمہ چلا جماعت کے تعاون سے یہ مقدمہ چوہدری ظفراللہ خان صاحب ؓ نے لڑا مضبوط دلائل پیش کرنے کے باوجود ہر دو ملزمان کو قید اور جرمانہ کی سزا دیکر انہیں جیل بھیج دیا گیا۔

رنگیلا رسول کے مصنف راجپال کو 6 اپریل 1926ء میں لاہور میں ایک مسلمان نوجوان علم الدین نے قتل کر دیا جس پر آریہ دھرم والوں اور آریہ اخبارات نے مسلمانوں اور اسلام پر یہ الزام لگانا شروع کر دیا کہ اسلام میں جواب دینے کی طاقت نہیں۔اس قتل کے بعد ملکی فضا مکدر ہو گئی۔اس پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میدان میں اتر کر اپنے خطبات اور تقاریر کے ذریعہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم ایک دوسرے کے بزرگان کی عزت واحترام کریں اس سے ہی دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد 5)

جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیشوایانِ مذاہب کی عزت اور تکریم کو قائم رکھنے کے لئے موجودہ قانون میں اضافہ کرنے کی طرف توجہ دلائی تھی۔حضرت مصلح موعود ؓ نے بھی قانون کی دفعہ 153۔الف کے ناقص اور نامکمل ہونے کی

طرف حکومت وقت کو توجہ دلاتے ہوئے 1927ء میں لکھا کہ

''1۔موجودہ قانون صرف اس شخص کو مجرم گردانتا ہے جو فسادات کی نیت سے کوئی مضمون لکھے۔براہ راست توہین انبیاء کو جرم نہیں قرار دیتا۔

2۔اس قانون کے تحت صرف حکومت ہی مقدمہ چلا سکتی ہے۔

3اس قانون میں یہ اصلاح کرنا ضروری ہے کہ جوابی کتاب لکھنے والے پر اس وقت تک قانونی کاروائی نہ کی جائے جب تک کہ اصل مؤلف پر مقدمہ نہ چلایا جائے بشرطیکہ اس نے گندہ دہنی سے کام لیا ہو۔

4۔یہ قانون صوبائی ہے لہذا اصل قانون یہ ہونا چاہئے کہ جب ایک گندی کتاب کو ایک صوبائی حکومت ضبط کرلے تو باقی صوبائی حکومتیں بھی قانوناً پابند ہوں کہ وہ اپنے صوبہ میں اس کتاب کی طباعت یا اشاعت بند کردیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس قانون پر عمل درآمد گورنمنٹ آف انڈیا کے اختیار میں ہو جو کسی صوبہ کی حکومت کے توجہ دلانے پر ایک عام حکم جاری کردے جس کا سب صوبوں پر اثر ہو۔''

(الفضل 19 اگست 1927 تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ 610-611)

حضرت مصلح موعودؓ کی اس کوشش کے نتیجہ میں حکومت نے اس امر کی طرف توجہ کی اور جب یہ معاملہ اسمبلی میں پیش ہوا تو ایک نئی دفعہ کا اضافہ منظور کرلیا گیا جس کے نتیجہ میں پیشوایان مذاہب کی عزت کے تحفظ کا قانون پہلے سے بہت زیادہ معین صورت اختیار کر گیا۔اس طرح تمام مذاہب کے پیشواؤں کی عزت کے تحفظ کے لئے حضرت مصلح موعودؓ کی کوششیں برآئیں۔

اس کے ساتھ ہی حضرت مصلح موعودؓ نے سن 1927ء میں جب رنگیلا رسول کتاب کی اشاعت ہوئی تو تحفظ ناموس رسالت کی خاطر سیرت النبی ﷺ کے عنوان پر جلسوں کا آغاز

فرمایا آپؓ نے اس پر اس قدر زور دیا کہ یہ جلسے عالمگیر جلسوں کی صورت اختیار کر گئے اور آج تک بھی جاری ہیں۔ ان جلسوں کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

"لوگوں کو آپؐ پر حملہ کرنے کی جرأت اسی لئے ہوتی ہے کہ وہ آپؐ کی زندگی کے صحیح حالات سے ناواقف ہیں یا اسی لئے کہ وہ سمجھتے ہیں دوسرے لوگ ناواقف ہیں اور اس کا ایک ہی علاج ہے جو یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی سوانح پر اس کثرت سے اور اس قدر زور کے ساتھ لیکچر دئے جائیں کہ ہندوستان کا بچہ بچہ آپ کے حالات زندگی اور آپؐ کی پاکیزگی سے آگاہ ہو جائے۔ اور کسی کو آپؐ کے متعلق زبان درازی کرنے کی جرأت نہ رہے، جب کوئی حملہ کرتا ہے یہی سمجھ کر کہ دفاع کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ واقف کے سامنے اس لئے کوئی حملہ نہیں کرتا کہ وہ دفاع کر دیگا۔ پس سارے ہندوستان کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو رسول کریم ﷺ کی پاکیزہ زندگی سے واقف کرنا ہمارا فرض ہے اور اس کے لئے بہترین طریق یہی ہے کہ رسول کریم ﷺ کی زندگی کے اہم شعبوں کو لے لیا جائے۔ اور ہر سال خاص انتظام کے تحت سارے ہندوستان میں ایک ہی دن ان پر روشنی ڈالی جائے۔ تا کہ سارے ملک میں شور مچ جائے اور غافل لوگ بیدار ہو جائیں۔" (تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 29-30)

اس کے علاوہ آپؓ نے 1939ء میں پیشوایانِ مذاہب کے جلسوں کا بھی آغاز فرمایا اور تمام مذاہب والوں ایک کو ایسا پلیٹ فارم مہیا کیا جہاں سے ہر مذہب والا اپنے اپنے مذہب کے پیشواؤں کی سیرت لوگوں کے سامنے پیش کر سکے۔ اس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کے مذہب کے پیشوا کی عزت لوگوں کے دلوں میں قائم ہونا شروع ہوئی اور آج تک بھی جماعت احمدیہ ناموسِ رسالت انبیاء کے قائم کرنے لئے اس سلسلہ کو جاری رکھے ہوئے ہے اور یہ کام ناموسِ

رسالت انبیاء کے قائم رکھنے کا ایک زبردست ذریعہ ہے۔

کتاب ”ستیارتھ پرکاش“ کا جواب

اس کتاب کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب براہین احمدیہ کی اشاعت سے قبل آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی نے یہ کتاب شائع کی تھی۔ اس کتاب میں تمام مذاہب کو نشانہ بناتے ہوئے ہندو مذہب کی برتری کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اسی کتاب کے چودھویں ادھیائے (حصہ) میں اسلام، قرآن کریم اور رسول پاک ﷺ پر شدید حملے کئے گئے تھے۔ اس کتاب کی اشاعت پر ایک عرصہ گزر جانے پر بھی کسی کو اس کتاب کا جواب لکھنے کی توفیق حاصل نہیں ہوئی۔ یہ توفیق بھی اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ تو عطا کی۔ اس کتاب کا جواب تیار کرنے کے لئے سنسکرت کا جاننا بہت ضروری تھا۔ اس زبان کو سیکھنے کے لئے مولوی ناصرالدین عبداللہ صاحب بنارس تشریف لے گئے اور وہاں کسی ادارہ سے اس زبان کے سیکھنے کی کوشش کرنے لگے۔ چونکہ اس زبان کو سکھانے والے سب ادارے ہندو تھے کوئی بھی تیار نہ ہوا ہر ایک کا یہ مطالبہ تھا کہ پہلے آپ ہندو ہو جائیں تو پھر آپ کو یہ زبان سکھائی جائے گی۔ بہت کوشش کے بعد آپ کو ایک ایسے پنڈت ملے جنہوں نے یہ شرط رکھی کہ آپ مجھے عربی سکھائیں گے تو میں تمہیں سنسکرت پڑھا دوں گا۔ آپ نے یہ شرط منظور کرلی۔ پنڈت صاحب نے تو کچھ عرصہ پڑھنے کے بعد عربی سیکھنی چھوڑ دی لیکن آپ پڑھتے رہے اور دو یا تین سال میں آپ نے کلکتہ یونیورسٹی سے سنسکرت میں ڈگری حاصل کرلی۔ آپ نے اپنی تعلیم کے دوران ہی ستیارتھ پرکاش کے چودھویں ادھیائے کا جواب ”آسمانی پرکاش“ کے نام سے لکھا جس میں ہر اعتراض کا حقیقی اور الزامی جواب دیا گیا تھا۔ یہ کتاب آپ نے بنارس سے ہی شائع کروائی اور وہاں کے بڑے بڑے پنڈتوں کے ہاتھوں میں تھما کر تحفظ ناموسِ رسالت کا

فریضہ سرانجام دیا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن 1944ء میں اس کتاب کا مکمل جواب تیار کر کے شائع کرنے کی تحریک فرمائی اور اس کے لئے تین افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جس میں مکرم مولوی ناصر الدین عبد اللہ صاحب، مکرم مہاشہ محمد عمر صاحب اور مکرم مہاشہ فضل حسین صاحب شامل تھے۔ یہ تینوں نوجوان ہندی اور سنسکرت زبان کے ماہر تھے۔ یہ جواب تیار کرتے اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی ایڈیٹنگ فرمایا کرتے تھے۔ بہت حد تک اس کتاب کا جواب تیار ہو چکا تھا لیکن تقسیم ملک کے باعث یہ جواب شائع نہ ہو سکا۔ اگرچہ اس کتاب پر سندھ حکومت نے پابندی عائد کر دی اور یہ فیصلہ کیا کہ ستیارتھ پرکاش کی کوئی کتاب اس وقت تک شائع نہ کی جائے جب تک کہ اس میں سے چودھواں ادھیائے حذف نہ کیا جائے۔ چونکہ اس کتاب میں دیگر مذاہب پر بھی نازیبہ حملے کئے گئے تھے اس پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

”نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ وہی حصہ ستیارتھ پرکاش کا ضبط نہ ہونا چاہئے تھا جو اسلام کے خلاف ہے بلکہ وہ حصہ بھی ضبط ہونا چاہئے تھا جو عیسائیت کے خلاف ہے، جو ہندو مذہب کے خلاف ہے، جو جین مذہب کے خلاف ہے، جو سکھ مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ ستیارتھ پرکاش میں ان مذاہب کی طرف بھی وہ باتیں منسوب کی گئی ہیں جو ان میں نہیں پائی جاتیں یا جو خود آریہ سماج کے مسلّمات میں بھی ہیں۔ اگر دل دکھنا ضبطی کی دلیل ہے تو کیا سکھ کا دل نہیں دکھتا؟ کیا عیسائیوں کے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچتی؟ جس طرح مسلمانوں کا دل دکھتا ہے اسی طرح سکھوں کا دل بھی دکھتا ہے۔ اسی طرح عیسائیوں کا دل بھی دکھتا ہے۔ پس گورنمنٹ کو چاہئے کہ اگر ضبط کرنا تھا تو ایسے سب بابوں کو ضبط کرتی جو دوسرے مذاہب کے بارے میں ہیں

اوران دو باتوں پر ان کی بنیاد رکھتی۔ محض دکھنے پر بنیاد نہ رکھتی۔''

(تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 239-240)

اسی طرح سن 1956ء میں ہندوستان میں ایک کتاب شائع ہوئی جو''مذہبی راہنماؤں کی سوانح عمریاں'' کے عنوان سے تھی۔ دراصل یہ کتاب کافی عرصہ پہلے امریکہ میں شائع ہوئی تھی جس میں رسول کریم ﷺ کی ہتک کی گئی تھی۔ اس کتاب کی اشاعت پر ہندوستان کے مسلمانوں میں جوش پیدا ہو گیا مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا اس کتاب کا مترجم ایک ہندو تھا اس لئے ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے حکومت نے اگرچہ اس کتاب پر پابندی عائد کردی لیکن حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلہ میں فرمایا اس کتاب پر صرف پابندی لگ جانے پر ہمیں بیٹھ نہیں جانا چاہئے اس سے مخالف یہ خیال کریں گے کہ چونکہ مسلمانوں کے پاس ان اعتراضات کا جواب دینے کی طاقت نہیں ہے اس لئے اس پر پابندی لگوائی گئی ہے۔ اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس کا جواب لکھا جائے اور اس جواب کو انگریزی زبان میں بھی امریکہ میں شائع کیا جائے اور ہندوستان میں بھی اس کی اشاعت ہو۔ پہلے انہیں مباحثہ کا چیلنج کیا جائے اگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہوں تو انہیں مباہلہ کا چیلنج کیا جائے۔ اسی طرح آپؓ نے فرمایا کہ اس کتاب کا جواب حقیقی اور الزامی دونوں رنگ میں دیا جائے اور اس میں ہندو مذہب کے پول بھی کھولے جائیں تا کہ انہیں بھی یہ معلوم ہو کہ اگر وہ ہماری طرف اینٹ پھینکیں گے تو انہیں بھی پتھر کھانے ہونگے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

''ہندوستان بے شک آزاد ہو گیا ہے مگر اب بھی وہ یورپ کی طرف میلان رکھتا ہے۔ اگر یورپ اور امریکہ میں شور مچ گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر حملہ کرنے والوں کو احمدیوں نے خوب

لتاڑا ہے اورانہیں مباحثہ اور مباہلہ کا چیلنج دیا ہے تو ہندوستان کے اخبارات بھی شور مچانے لگ جائیں گے اور وہ بھی وہی باتیں شائع کرنے لگ جائیں گے جو یورپ اور امریکہ کے اخبارات میں شائع ہو رہی ہوں گی۔ اور اس سے ہندوؤں کے کان کھڑے ہو جائیں گے اور وہ سمجھ لیں گے کہ احمدی پیچھا نہیں چھوڑا کرتے۔ اگر ان کے رسول پر حملہ کیا گیا تو اس وقت تک حملہ کرنے والوں کو نہیں چھوڑتے جب تک انہیں گھر نہ پہنچا لیں۔ اس طرح آئندہ کے لئے رسول کریم ﷺ کی ہتک کرنے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے میں احتیاط سے کام لیں گے۔''

(تو ریخ احمدیت جلد 19 صفحہ 216)

جولائی اگست 1950ء میں ٹبورہ کے ایک رومن کیتھولک پادری نے اسلام اور آنحضرت ﷺ کے خلاف ایک رسالہ "KIONGOZI" شائع ہوا جس میں اسلام اور رسول مقبول ﷺ کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا تھا۔ اس رسالہ کا جواب مبلغ اسلام مکرم مولانا جلال الدین صاحب قمر اور مکرم امری عبیدی صاحب نے راتوں رات تیار کر کے شائع کر دیا جس میں پادریوں کے الزامات کا مختصر جواب دیا گیا تھا اور انہیں مناظرہ کی دعوت دی گئی تھی اس کی اشاعت پر عیسائیوں میں کھلبلی مچ گئی اور مسلمانوں کی طرف سے خوشی اور مسرت کے خطوط آنے شروع ہو گئے۔ اس موقع پر زنجبار کے مشہور عالم شیخ عبد اللہ صالح نے مولونا جلال الدین صاحب قمر کو لکھا۔

اگرچہ میں احمدیوں کی بعض باتوں سے اتفاق نہیں رکھتا لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدسوں کے سامنے اس بات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ احمدیوں کے اندر حفاظت اسلام کے لئے جو غیرت ہے وہ مجھے بے حد محبوب ہے، احمدی قطعاً اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے کہ اسلام کے خلاف کچھ لکھا یا کہا جائے اور جب تک اس کا شافی جواب دے کر دشمن اسلام کو خاموش نہ

کردیں دم نہیں لیتے۔ (تاریخ احمدیت جلد 6 صفحہ 257)

سن 1957ء کی بات ہے کہ جنوبی بھارت میں ندیب فوٹو پبلیشر کمپنی حیدرآباد دکن کی طرف سے آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے بعض اصحاب کی فرضی تصاویر شائع کی گئیں اس شرمناک حرکت پر مکرم ناظر صاحب دعوت و تبلیغ قادیان نے فوری نوٹس لیا اور کمپنی کی اس حرکت پر سخت احتجاج کرتے ہوئے لکھا۔

''اس قسم کا فرضی فوٹو آنحضرت ﷺ کا شائع کرنا اور پھر اس کے لئے نذرانہ طلب کرنا بہت معیوب، قابل اعتراض اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگانے کا باعث ہے اور ہم اس کی اشاعت پر سخت نفرت اور دکھ کا اظہار کرتے ہیں۔''

(تاریخ احمدیت جلد 19 صفحہ 733-734)

الغرض حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا بیان نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام اور رسول کریم ﷺ پر کسی بھی مخالف اسلام نے حملہ کیا ہو تو اس کا خلیفۃ المسیح کی راہنمائی میں جواب نہ دیا گیا ہو۔ رسول پاک ﷺ اور اسلام پر ہونے والے ہر حملہ کے موقعہ پر تمام جماعتی اخبارات اس کا جواب دینے اور ناموس رسالت کی حفاظت کے لئے کوشاں ہو جاتے اور مخالفین اسلام کو ان کا چہرہ دکھا کر اسلام اور رسول کریم ﷺ کا حسین چہرہ دنیا والوں کے سامنے پیش کرتے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

''میرے دل میں ایک آگ ہے، ایک جلن ہے، ایک تپش ہے جو مجھے آٹھوں پہر بے قرار رکھتی ہے۔ میں اسلام کو اس کی ذلت کے مقام سے اٹھا کر عزت کے مقام تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ میں پھر محمد رسول اللہ ﷺ کے نام کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچانا چاہتا ہوں۔ میں

پھر قرآن کریم کی حکومت کو دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہوں ۔میں نہیں جانتا کہ یہ کام میری زندگی میں ہوگا یا میرے بعد ۔لیکن میں یہ جانتا ہوں اسلام کی بلند ترین عمارت میں اپنے ہاتھ سے ایک اینٹ لگانا چاہتا ہوں یا اتنی اینٹیں لگانا چاہتا ہوں جتنی انٹیں لگانے کی خدا مجھے توفیق دیدے ۔میں اس عظیم الشان عمارت کو مکمل کرنا چاہتا ہوں یا اس عمارت کو اتنا اونچا لے جانا چاہتا ہوں جتنا اونچا لے جانے کی اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے ۔اور میرے جسم کا ہر ذرہ اور میری روح کی ہر طاقت اس کام میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے خرچ ہوگی اور دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی میرے اس ارادہ میں حائل نہیں ہوگی ۔'' (انوار العلوم جلد 19 صفحہ 388)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی ناموسِ رسالت کی حفاظت کے لئے کاوشیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی اصل غرض جو ہمارے پیارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے وہ دجال کو قتل کرنا اور صلیب کو توڑنا ہے تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اسلام کے خلاف جن کی طرف سے اصل فتنہ برپا کیا گیا وہ عیسائی مذہب ہے۔ اور ان کے مذہب کی اصل بنیاد اس عقیدہ پر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر مر گئے اور آدمؑ کے خون میں چلے آتے گناہ کا کفارہ دے گئے۔ تین دن بعد زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے اور خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہیں۔ اسی بات کو لیکر پادری مسلمانوں سے کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ تو وفات پا چکے اور مسیح زندہ آسمان پر ہے بتاؤ کون بڑا، زندہ یا مردہ؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم اور احادیث و تاریخ سے اس بات کو ثابت کیا کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ صلیب سے زندہ اترے اور اپنی طبعی موت سے وفات پائے اور کشمیر کے محلہ خانیار سرینگر میں دفن ہیں۔ اس پر قرآن کریم کی شہادتوں اور تاریخی شہادتوں اسی طرح تورات و انجیل کے حوالوں سے بھری کتب جب منظر عام پر آئیں تو پادریوں کے لئے ان کا جواب دینا مشکل ہو گیا۔ وہ عیسائی جو کسی زمانہ میں بائیبل کو ہاتھ میں لیکر مسلمانوں کو آگے لگائے پھرتے تھے اب وہ زمانہ آیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا کے سامنے وہ دلائل رکھے جن کے سامنے کھڑے ہونے کی کسی پادری میں سکت نہ رہی، احمدیت کے مجاہدوں نے قرآن کریم کو ہاتھ میں لیکر پادریوں کو میدان مقابلہ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ پھر یہی آواز عیسائیت کے گڑھ میں بھی گونجی جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کو قائم کیا اور آپؐ کی ذات پر حملہ کرنے

والوں کو خاموش کر دیا۔

سن 1978ء کی بات ہے عیسائیت کے گڑھ لندن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دور خلافت میں بین الاقوامی کسر صلیب کانفرنس کے انعقاد کا اعلان ہوا۔ یہ کانفرنس کامن ویلتھ انسٹی ٹیوٹ آف لندن کے آڈیٹوریم میں 2-3-4 جون 1978ء کو بعنوان ''مسیحؑ کی صلیبی موت سے نجات'' منعقد ہوئی۔ اس تاریخی کانفرنس میں احمدی سکالرز کے علاوہ عیسائی، ہندو سکالرز بھی شامل ہوئے۔ اس کانفرنس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے بڑے پیارے انداز میں اسلام کی حقانیت ثابت کرتے ہوئے حضرت مسیحؑ کی صلیبی موت سے نجات اور کفن مسیح پر مذہبی اور تاریخی رنگ میں روشنی ڈالی۔ آپ نے اس کانفرنس میں تمام دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

''میں آپ کو محمد ﷺ کی پیروی کے لئے بلاتا ہوں۔ وہ راہیں جن پر چل کر آپؐ نے اپنے رب کو پایا اور جس کے نتیجہ میں آپؐ کو دونوں جہان کی نعمتیں ملیں ان پر آج بھی آپ کے قدموں کے نشان موجود ہیں۔ ان مقوش پا کی پیروی کریں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ خدا کی محبت جیتنے والے ہونگے اور آپ اس کی وہ آواز سننے والے ہوں گے جو آپ کو تسلی دے گی۔ ''جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو'' اس فانی دنیا کی غیر حقیقی خوشیوں اور مسرتوں کا مقابلہ خدا کی محبت سے نہیں کیا جاسکتا۔ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ خدا کی محبت کے حصول کے لئے کوشاں ہوں۔ وہ دروازہ صدیوں سے لاکھوں دستک دینے والوں کے لئے کھولا جاتا رہا ہے۔ آپ کیوں مایوس ہوتے ہیں کہ یہ آپ کے لئے کھولا نہ جائے گا۔ آگے آئیں اور مسیح موعود کے جانشین کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کریں کیونکہ اسلام میں ہی آپ کی اور آپ کی آنے والی نسلوں کی بھلائی ہے۔ اگر آپ اس آواز پر دھیان نہ دیں گے تو ایک خطرناک

تباہی آپ کی منتظر ہے۔ وہی تباہی جس کے متعلق آج سے گیارہ سال قبل میں نے آپ کو خبردار کیا تھا۔'' (ضمیمہ خالد جون 1978ء صفحہ 32)

سن 1972ء کی بات ہے کہ ڈنمارک کے ایک پادری نے اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کی تو حضورؒ نے اسے بھی چیلنج دیا اور مقابلہ کی دعوت دی لیکن وہ بھی آپ کے مقابلہ پر نہ آیا۔ عیسائی حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں اس کے مقابل پر جب ہم انجیل کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں وہاں مسیح کے بارے میں ایک لفظ ''ابن آدم'' جا بجا لکھا ہوا ملتا ہے جس کے معنی ہیں آدم کا بیٹا صاف بات ہے کہ ایک طرف تو بائیبل مسیح کو آدم کا بیٹا کہتی ہے تو پھر وہ خدا کا بیٹا کس طرح بن سکتا ہے؟ اسی بات کو سمجھاتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ

''پس عیسائیوں کو بھی حضرت مسیحؑ کا ابن آدم ہونا تو ماننا پڑ گیا۔''

اس طرح مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہنے سے عیسائی آپؐ کی محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو برتری ثابت کرنے کی بات کر کے ہتک کرتے تھے اس کا زبردست جواب دیتے ہوئے بائیبل ہی کے حوالہ سے مسیحؑ کو ابن آدم ثابت کیا اور محمد ﷺ کی مسیحؑ پر برتری ثابت کی۔

اسی طرح آپ نے جماعت میں مختلف تحریکات فرما کر جس میں دعاؤں کی تحریک خاص ہے مخالفین اسلام کا مقابلہ کرنے کی تلقین فرمائی۔ اور آپ نے ایک مرتبہ فرمایا۔ ''غلبہ اسلام کے لئے ہم پیدا کئے گئے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے اگر ہمارے جسموں کا قیمہ بنا دیا جاتا ہے تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں اور دنیا کو ایک نہایت بھیانک ہلاکت سے بچانے کی خاطر ہم اپنے پر ہر قسم کا دکھ اور ظلم سہنے کے لئے تیار ہیں۔'' (خطبات ناصر جلد 5 صفحہ 425)

پس دیکھا جائے تو آپؒ کا دور خلافت بھی ناموسِ رسالت کی حفاظت کرنے میں گزرا اور آگے بھی یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے دورِ خلافت میں ناموسِ رسالت پر حملوں کا دفاع

پاکستان میں جب توہین رسالت کا قانون پاس ہوا جو کہ عشق محمد مصطفےٰ ﷺ کے نام پر کیا گیا تھا اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے 18 جولائی 1886ء کو ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے اس قانون کے بارے میں عوام الناس کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ قرآن کریم کی رو سے اس قانون کی کیا حیثیت ہے اور اس کے پس پردہ کون سے عوامل کارفرما ہیں اس خطبہ میں آپ نے حکومت کو یہ سمجھانے کی بھی کوشش کی کہ اگر اس قسم کا قانون بنانا ہی ہے تو تمام مذاہب کے رہنماؤں کی عزت کا قانون پہلے پاس ہونا چاہئے۔ اور ساتھ ہی آپ نے یہ بھی بات بیان فرمائی کی اسی غرض سے جماعت احمدیہ پیشوایان مذاہب کے جلسوں کا انعقاد کرتی ہے اور تا ہر کوئی ایک دوسرے کے پیشواؤں کی عزت کرنا سیکھے۔ نیز قرآن کریم کے حوالہ سے یہ بات بھی سمجھائی کہ ہتک رسول کا مضمون اللہ تعالیٰ کی ہتک سے شروع ہوتا ہے۔ اور قرآن کریم کسی بھی نبی سے کی گئی گستاخی کی سزا کا حق اس دنیا میں کسی کو نہیں دیتا بلکہ گستاخی کرنے والے کو سزا دینے کا حق اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار میں رکھا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہی آپؐ کے ساتھ کی گئی گستاخیوں کا ذکر فرمایا جس کا قرآن کریم اور احادیث میں ذکر گزرا ہے۔ اور ان کے ساتھ ہمارے پیارے آقا نے کیا سلوک کیا اسے بھی بیان فرمایا۔

اس کے ساتھ آپ نے قوم کو یہ بات بھی سمجھائی کہ اگر آپ لوگ ایسی گستاخیاں کرنے والوں کو از خود سزائیں دو گے تو اس کے نتیجہ میں دنیا کا امن اٹھ جائے گا۔ اور اس طرف بھی

اشارہ فرمایا کہ دراصل یہ قانون احمدیوں کو اس دائرہ میں لا کر انہیں سزا دینے کے لئے بنایا گیا ہے۔(اور پھر بعد کے حالات نے یہ بات ثابت بھی کردی۔) اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انگریز حکومت کے دور میں عیسائیوں اور آریوں نے اسلام اور بانئ اسلام پر جو گستاخانہ حملے کئے وہ ناقابل برداشت تھے جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود سے حکومت سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ ایسے حملے کرنے والوں کے خلاف کوئی قانون بنائے جس میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی سزا بھی مقرر ہو لیکن اسلام کے نام پر پاکستان میں جو قتل کی سزا مقرر کی گئی ہے یہ اسلامی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دور میں کی جانے والی گستاخیوں کا بھی ذکر فرمایا جو مسٹر ڈوئی نے کیں جو پنڈت لیکھرام نے کیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں سے ان کو کس طرح پکڑا یہ سب کے سامنے ہے۔

اسی طرح 29 جولائی 1994ء کو حضورؒ نے جلسہ سالانہ یوکے کے اختتامی اجلاس میں جو خطاب فرمایا اس میں آپ نے فرمایا۔

''بہت سے ظالموں نے قرآن کریم کی حقیقی تعلیم سے منہ پھیر کر از منہ وسطی کے بعض فقہاء اور بعض حدیثیں جمع کرنے والوں کی ایسی حدیثوں پر بنا کرتے ہوئے جن کی کوئی اصل نہیں ہے اور جو قرآن کریم کے مضمون سے واضح طور پر ٹکرانے والی ہیں۔ایسے مفتی پیدا ہوئے جن مفتیوں نے اپنی عقل وفہم کے مطابق بظاہر اسلام کی خدمت کی مگر ایسا بھیانک تصور اسلام کا پیش کیا کہ اس تصور کی رو سے اسلام دنیا پر فتح یاب نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ تصویر انسانی فطرت کے خلاف ہے اور قرآن کا دعویٰ ہے کہ قرآنی تعلیمات فطرت کے مطابق ہیں۔فطرت پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور فطرت ہی کی تعلیم ہے جو اسلام نے دی ہے۔پس ہر وہ تعلیم جس سے فطرت مناسبت نہیں رکھتی۔ہر وہ تعلیم جو اسلام کی سچی فطرت کے معاند اور مخالف ہے وہ کسی صورت

میں بھی اسلام کی سچی تعلیم نہیں کہلا سکتی ۔ یہ ایک ایسا دائمی ، بنیادی ، قطعی اصول ہے جس میں آپ کوئی تبدیلی نہیں دیکھیں گے ۔

اسلام کی جو تصویر ان لوگوں نے پیش کی ہے وہ نہ صرف یہ کہ بھیانک ہے بلکہ ان کا عمل اس تصویر کو خود جھٹلا رہا ہے ۔ اسلام کے نام پر جبر اور ظلم اور زبردستی اور کسی گستاخی کی خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو انسانی سزا کا کوئی تصور پیش نہیں کیا گیا۔ لیکن ان مفتیوں نے اور آج بھی جو آج کے مفتیوں کی لگامیں تھامے ہوئے ہیں انہوں نے کھلم کھلا یہ فتوے دیئے ہیں کہ کفر کی سزا قتل ہے ۔ اس کے سوا اور کوئی سزا نہیں اور جہاں جہاں گستاخی کے حوالے سے قتل کے فتوے دیئے ہیں وہاں یہ استنباط قائم کیا ہے کہ چونکہ گستاخی رسول کرنے والا کافر ہو جاتا ہے اور کفر کی سزا قتل کے سوا کچھ نہیں اس لئے لازماً ایسے شخص کو قتل کیا جائے گا۔''

(الفضل انٹرنیشنل 19 اگست 1994ء)

آپؒ نے اس خطاب میں ملاؤں کے اس سلسلہ میں نظریات کو پیش کرتے ہوئے یہ بات بھی بیان فرمائی کہ تمام علماء اسلام اس مسئلہ پر متفق نہیں ہیں بلکہ اختلاف رکھتے ہیں (جیسا کہ اس کتاب میں بھی اس بات کو ثابت کیا گیا ہے)

رسوائے زمانہ سلمان رشدی کی کتاب Satanic Verses پر تبصرہ اور کتاب کا پسِ منظر

رسوائے زمانہ سلمان رشدی نے ایک ناول کی صورت میں ایک کتاب لکھی جس کا نام اس نے Satanic Verses رکھا۔ یہ کتاب نہایت ہی غلیظ، بیہودہ اور اخلاقیات سے گری ہوئی زبان میں لکھی گئی تھی۔ حضور انور رحمہ اللہ نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے کئی خطبات ارشاد فرمائے جو ایک سیریز کی صورت میں ہیں۔ جس میں آپ نے مسلمانوں اور افرادِ جماعت کی راہنمائی فرمائی۔ پھر یہ خطبات کتابی صورت میں الگ سے بھی شائع کئے گئے۔ آپؒ نے بیان فرمایا کہ اس کتاب کی اشاعت کے پس پردہ اسلام کے خلاف ایک سازش کارفرما ہے صرف اس کا رنگ تبدیل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں بھی ایسی ہی روایات اور احادیث کا سہارا لیا گیا تھا جن کی کوئی بھی سند موجود نہیں۔ اس کا ایک ہی مقصد ہے کہ اسلام اور رسول کریم ﷺ کی ہتک کی جائے اس کام کے لئے عیسائی مستشرقین نے اس بار ایک مسلمان کو استعمال کیا ہے جس کا اسلام سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

اس کتاب کی اشاعت پر پوری اسلامی دنیا میں سخت غم وغصہ کی فضاء پیدا ہوگئی۔ اسی دوران ایران سے آیت اللہ خمینی نے رشدی کے خلاف قتل کا فتویٰ جاری کردیا۔ ہر ملک میں سلمان رشدی کے خلاف جلوس نکالے جانے لگے۔ ہندوستان کے مختلف شہروں میں بھی جلوس نکالے گئے ایک جلوس ممبئی میں بھی نکلا جسے روکنے کے لئے پولیس نے گولی چلائی جس سے آٹھ مسلمان شہید ہوئے۔ ان شہید ہونے والے مسلمانوں کو ذکر بھی حضور نے اپنے ایک خطاب میں کیا اور فرمایا کہ علماء رسول کریم ﷺ سے محبت کا واسطہ دیکر مسلمانوں کو ابھارتے ہیں اور

انہیں گلی کوچوں میں نکالتے ہیں اور جب عشق محمد ﷺ میں مسلمان شہید ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے پسماندگان کا کوئی والی وارث نہیں ہوتا۔حضورؒ نے فرمایا جماعت احمدیہ رسول کریم ﷺ سے محبت کی بناء پر شہید ہونے والوں کے پسماندگان کو اکیلا نہیں چھوڑے گی۔اس پر حضور انورؒ نے ارشاد فرمایا کہ شہید ہونے والے لوگوں کے پسماندگان کا پتہ کیا جائے کہ وہ کس حال میں ہیں۔خاکسار ان دنوں ممبئی ہی میں موجود تھا وہاں ان خاندانوں کو تلاش کیا گیا ان میں سے چار خاندان ایسے تھے کہ جو مدد کے مستحق تھے۔حضور انورؒ کی خدمت میں رپورٹ پیش ہونے پر حضور نے فوری مدد کے طور پر رقم بھجوانے کا انتظام فرمایا جو ان خاندانوں کو دی گئی اس کے بعد ایک عرصہ تک جب تک کہ یہ لوگ اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہو گئے ان کے لئے مخصوص وظیفہ مقرر کیا گیا۔

حضور انورؒ نے مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسے مواقع پر مسلمانوں کی طرف سے جس قسم کا ردعمل ظاہر کیا جاتا ہے وہ غیر اسلامی ہے مسلمانوں کو ایسے وقت میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور اس پر ردعمل اس صورت میں ظاہر ہونا چاہئے جو صحیح اور درست طریق ہے کہ ہم رسول کریم ﷺ کی سیرت کے ہر پہلو کو دنیا والوں کر سامنے رکھیں اور آپؐ کی حسین تعلیم کو دنیا والوں کو بتائیں تا ہر شخص رسول کریم ﷺ کی اصل اور حقیقی تعلیم سے واقف ہو سکے۔اور ایسی غلط روایات کی بیخ کنی کی جائے جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔اسی طرح اس کتاب کا جواب تیار کیا جانا چاہئے پھر اسے ہر شخص تک پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔اس کے علاوہ آپ نے فرمایا کی ہمیں چاہئے کہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ پر کثرت سے درود بھیجیں۔ اسی طرح آپؒ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے اس غلط ردعمل سے جو اختیار کیا گیا ہے اس کتاب کو مزید شہرت حاصل ہوئی ہے۔حضور انور نے جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

''پس میں احمدیوں کو اب یہ تلقین کرتا ہوں کہ صورت حال کے تجزیہ کے نتیجہ میں وہ ایسی مؤثر اور دیر پا کاروائی کریں جو آئندہ نسلوں تک پھیل جائے۔ اگلی صدی، اُس سے اگلی صدی۔ اُس سے اگلی صدی۔ اب یہ ایک صدی کا معاملہ نہیں ہے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کا سارا زمانہ غلام ہے اپنے پہلے زمانے کے بھی وہ بادشاہ تھے اور آئندہ زمانوں کے بھی وہی بادشاہ ہیں اس لئے ہمیشہ کے لئے جماعت احمدیہ ایسی کوشش میں وقف ہو جائے جس کے نتیجہ میں دشمن کے ہر ناپاک حملے کو ناکام بنایا جائے۔ پس میں جماعت کی ان نسلوں کو خصوصیت سے مخاطب ہوں جو ان ملکوں میں پیدا ہوئے ہیں ۔۔۔۔۔ جہاں جہاں بھی احمدی خدا کے فضل سے موجود ہیں اور مقامی طور پر ایسی پرورش انہوں نے پائی ہے اور ایسی تعلیم حاصل کی ہے کہ اس ملک کے اہل زبان شمار کئے جا سکتے ہیں۔ ان کو محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے وقف ہو جانا چاہئے اور اس نیت سے ادب اور کلام پر دسترس حاصل کرنی چاہئے اور قادر الکلام بننا چاہئے کہ خود انہی کے ہتھیاروں سے انہی کے انداز سے ہم ان کے متعلق جوابی کاروائی کریں اور اسلام کا دفاع کریں گے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے تقدس کی حفاظت کریں گے۔''

اسی طرح حضور انور نے اس کتاب کا مکمل جائزہ لینے کے لئے ایک بورڈ بھی قائم کرنے کا اعلان فرمایا۔ اس کتاب کا جواب بھی شائع کیا گیا جسے مکرم ارشد احمدی صاحب نے تیار کیا تھا۔

(پورے مضمون کے لئے دیکھیں خطبات طاہر جلد 8 صفحہ 111 تا 132)

اسی طرح حضور انورؒ نے جو خطبہ 3 مارچ 1989ء میں ارشاد فرمایا اس میں آپ نے جمات اور مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ گستاخی کرنے والے کو سزا دینے کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے کسی انسان کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ از خود بدلہ لے۔ دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ اسلام اس بات کی اجازت

دیتا ہے کہ مخالف اسلام نے جس طریق سے اسلام یا رسول پاک ﷺ پر حملہ کیا ہے اسی طریق سے ہم بھی جواب دیں سلمان رشدی نے چونکہ قلم سے حملہ کیا ہے اس لئے اس کا جواب بھی قلم ہی سے دیا جانا چاہیئے۔اس لئے علماء کو چاہیئے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کر کے تجزیہ کریں اوران ناپاک حملوں کا جواب عقل وحکمت سے دیں۔اس کام کے لئے حضور انور نے احمدی علماء اوراثر ورسوخ رکھنے والے افراد کو بھی توجہ دلائی کہ وہ بھی اپنے اپنے طور پر اس معاملہ میں اسلامی تعلیم کو لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کریں۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایک طرف تو مملکت پاکستان کو کلمہ اور اسلام کے نام پر بنایا گیا تھا اور دوسری طرف اسی پاکستان میں اسلام اور کلمہ کی جابجا بے حرمتی کی جاتی ہے۔احمدیوں کے کلمہ لکھنے اور پڑھنے پر پابندی ہے مساجد اور گھروں سے کلمہ مٹایا جاتا ہے کبھی مساجد سے قرآن کریم کو نکال کر جلایا اور نالیوں میں پھینکا جاتا ہے اور بے حرمتی کی جاتی ہے اور دوسری طرف احمدی ہیں کہ کلمہ، قرآن اور اسلام کی حفاظت کی خاطر ہتھکڑیاں لگواتے ہوئے جیلوں میں جاتے ہیں۔وہ مظالم جو دور اولیٰ میں کئے گئے اب وہ سب پاکستان میں احمدیوں کے ساتھ روا ہیں اور احمدی ہی ہیں جو غیر متزلزل ایمان اور یقین کے ساتھ ان تمام مظالم کو برداشت کر رہے ہیں جو اسلام اور ناموس رسالت کے نام پر کئے جا رہے ہیں حالانکہ ناموس رسالت کے حقیقی اور سچے محافظ ہم ہیں۔حضور انورؒ نے ایک مرتبہ فرمایا

”ایک بات بہر حال آخری اور یقینی ہے کہ جماعت احمدیہ کلمہ کی حفاظت میں جان دے گی اور ہرگز کسی قیمت پر اس بات کو قبول نہیں کرے گی۔آمر ہو یا غیر آمر، ایک دنیا کی طاقت ہو یا ساری دنیا کی طاقتیں ہوں، ہرگز کوئی احمدی کسی آمر کی کوئی ایسی بات قبول نہیں کرے گا جو دین کے اصولوں پر حملہ آور ہو رہی ہو اور کلمہ طیبہ جو دین کی جان ہے، اصول تو دوسری باتیں ہیں یہ تو

وہ مرکزی حصہ ہے جس سے سارے اصول نکلتے ہیں۔وہ بیج کی جڑ ہے جس سے آگے جڑیں پھوٹتی ہیں۔اس لئے اس بات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی احمدی کلمہ طیبہ کو چھوڑ دیگا یا کلمہ طیبہ کو مٹانے دیگا ان ظالموں کے ہاتھوں۔اگر کوئی حکومت بدکردار خود مٹاتی ہے تو دیکھیں اس حکومت کے ساتھ پھر خدا کیا سلوک کرتا ہے لیکن حکومت کے علاوہ جو لوگ ہیں خواہ احمدی کتنے ہی اس راہ میں مارے جائیں ان کو نہیں ہاتھ ڈالنے دیں گے۔''

(خطبات طاہر جلد 3 صفحہ 704)

نیز ایک اور جگہ فرمایا:۔

''اگر خدا نے کسی قوم کو شہادت کی سعادت عطا کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے تو ہم اس کی ہر رضا پر راضی رہیں گے لیکن میں جماعت احمدیہ پاکستان کو یاد دلاتا ہوں کہ اگر یہ شہادت ان کے مقدر میں لکھی جا چکی ہے تو پہلے سے زیادہ عزم اور حوصلے کے ساتھ اس بات کا عہد کریں کہ جس طرح ان نوجوانوں نے اپنے عہد کو پورا کیا اور خدا کی خاطر اپنے پیارے بیوی اور بچوں سے منہ موڑا،موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کو دیکھا اور اسے خدا کے نام پر قبول کرنے کے لئے تیار ہوئے اور یہ فیصلہ کیا کہ کلمہ شہادت کی عزت اور ناموس پر حرف نہیں آنے دیں گے خواہ ان کی گردنیں تختہ دار پر لٹکا دی جائیں اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنے بیوی اور بچوں کی بیوگی اور یتیمی کو قبول کرلیں گے لیکن یہ نہیں قبول کریں گے کہ خدا کی عبادت گاہوں کو دنیا کے ذلیل انسان اپنے گندے پاؤں تلے روندیں اور ان کی عصمت کے ساتھ کھیلیں۔انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہر حال میں ہر قیمت پر ہر قربانی دیتے ہوئے ہم کلمہ طیبہ کی حفاظت کریں گے۔پس انہوں نے اپنی راہیں متعین کرلیں فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰی نَحۡبَهٗ (الاحزاب 24) کے فیصلے کو پورا کردیا۔اے پیچھے رہنے والو! کیا تم ان راہوں سے پیچھے ہٹ جاؤ گے؟اے پیچھے رہنے والو!

کیا تم ان آگے بڑھنے والوں کو ہمیشہ کے لئے خالی چھوڑ دو گے؟ آج تم پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ان خدا کی خاطر مصیبتیں برداشت کرنے والوں کے ساتھ وفا کا تقاضا ہے، محمد ﷺ اور قرآن اور خدا کے ساتھ وفا کا تقاضا ہے کہ ان راہوں سے نہیں پیچھے ہٹنا ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹنا آگے بڑھنا ہے۔اگر چالیس لاکھ احمدی کی لاشیں پاکستان کی گلیوں میں کتے گھسیٹتے پھریں تب بھی میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ خدا کے نام کے کلمے اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام کے کلمے کو آنچ نہیں آنے دینی۔پس آگے بڑھو اور یقین رکھو کہ آخر غلبہ تمہارا ہے آخر فتح تمہاری ہے کیونکہ خدا کے نام پر مرنے کے لئے تیار رہنے والوں کو کبھی موت مار نہیں سکتی، کوئی دشمن ان پر فتح یاب نہیں ہوسکا۔اپنی دعاؤں میں التزام اختیار کرو۔‘‘

(خطبات طاہر جلد 5 صفحہ 169-170)

پس جب بھی اور جہاں بھی ناموسِ رسالت پر کوئی حملہ ہوا آپؒ نے اس کا پوری طاقت سے دفاع کیا۔چاہے کوئی کتاب لکھی گئی ہو، یا زبان استعمال کی گئی ہو، خواہ مساجد پر حملے کر کے اسے گرایا گیا ہو، یا کلمہ مٹایا گیا ہو، یا دہشت گردی کو اسلام کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔آپؒ نے اپنی جماعت کو ہر میدان میں اتر کر ناموسِ رسالت کی حفاظت کے لئے آگے بڑھنے کی تلقین فرمائی۔اور جماعت نے بھی ہر میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دئے۔اور ہر موقعہ پر ناموس رسالت کا پُرزور دفاع کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے مبارک دورِ خلافت میں ناموسِ رسالت کے حملوں کا دفاع

اسلام کے دشمنوں کا ہمیشہ سے یہ طریق رہا ہے کہ وہ مختلف پیرایہ میں اسلام اور رسول پاک ﷺ پر حملے کرتے رہے ہیں۔ زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کے حملوں کا طریق بھی بدلتا رہا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کے دور میں اسلام اور رسول مقبول ﷺ کی توہین کا ایک نیا طریق سامنے آیا وہ اس طرح کہ ڈنمارک کے اخبارات میں آنحضرت ﷺ کے حوالے سے بارہ توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کی گئی۔ ان خاکوں کا شائع ہونا تھا کہ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ساری دنیا میں پھیل گئی اور مسلمانوں نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا مسلم ممالک میں فسادات پھوٹ پڑے ہر ملک میں ڈنمارک کی ایمبیسیوں پر حملے ہونے لگے املاک جلائی گئیں جلوس نکالے گئے۔ اسی طرح ڈنمارک کی بنی ہوئی چیزوں کا بائیکاٹ کیا گیا۔ لیکن کسی نے بھی وہ راہ اختیار نہ کی جس سے اسلام کی صحیح اور حقیقی تعلیم دنیا والوں تک پہنچتی۔ مسلمانوں کے اس رویہ سے اسلام کو اور نقصان پہنچا اور یہ پیغام دنیا والوں کو ملا کہ اسلام دہشت گردی کا مذہب ہے۔ اسلام دشمن طاقتیں یہی بات دنیا والوں کے سامنے پیش کرنا چاہتی تھیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اسلام کا اصلی چہرہ دنیا والوں کے سامنے پیش کیا جاتا جو کہ رسول مقبول ﷺ کی حسین سیرت کو پیش کر کے دکھایا جا سکتا تھا یہ وہ موقعہ تھا کہ اسلام کی صبر کی تعلیم پر عمل کیا جاتا اور دشمنِ اسلام کو آنحضرت ﷺ کی تعلیمات و قرآن کریم کی تعلیمات کو پیش کر کے رسول کریم ﷺ کی زندگی کے واقعات پیش کئے جاتے کہ آپ ﷺ نے دشمنوں کے ایسے سلوک پر کیا نمونہ پیش کیا۔ لیکن افسوس کہ ایسا کرنے کی جماعت احمدیہ کے سوا کسی اور کو توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ حضور

انور ایدہ اللہ نے اپنے خطبات کے ذریعہ ایسے موقعہ پر ناموس رسالت پر حملوں کے دفاع کے طریق سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ

''ہمارا ردعمل ہمیشہ ایسا ہوتا ہے اور ہونا چاہئے جس سے آنحضرت ﷺ کی تعلیم اور اسوہ نکھر کر سامنے آئے۔ قرآن کریم کی تعلیم نکھر کر سامنے آئے۔ آنحضرت ﷺ کی ذات پر ناپاک حملے دیکھ کر بجائے تخریبی کاروائیاں کرنے کے اللہ تعالیٰ کے حضور جھکتے ہوئے اس سے مدد مانگنے والے ہم بنتے ہیں''

اس کے بعد آپ نے عبداللہ آتھم اور پنڈت لیکھرام کی مثالیں بیان فرمائیں کہ یہ کس طرح اسلام اور رسول پاک ﷺ پر حملے کیا کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پہلے تو ان لوگوں کو سمجھایا کہ وہ ایسی حرکتوں سے باز آجائیں لیکن جب وہ اپنی شوخی میں بہت بڑھ گئے تو آپ نے ان کی بدزبانیوں کے مقابلہ پر اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے اس سے مدد چاہی اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو عبرت کا نشان بناتے ہوئے پکڑا۔ حضور انور نے فرمایا کہ یہ وہ اسلوب ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں سمجھائے ہیں۔

حضور انور ایدہ اللہ نے یہ بات بھی بیان فرمائی کہ اس موقعہ پر بھی ہمارا ردعمل اسی طرح کا ہے جماعت کسی ایجیٹیشن میں حصہ نہیں لیتی البتہ ہمارے ایک مبلغ نے اس اخبار کے لئے جس میں یہ کارٹون شائع کئے گئے تھے ایک تفصیلی مضمون لکھا اور اسے بھیجا اور کارٹون کی اشاعت پر احتجاج کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کے بارے میں لکھا کہ ہم جلوس وغیرہ میں حصہ نہیں لیتے لیکن ہم قلم کے جہاد میں یقین رکھتے ہیں۔ اور اسے بتایا کہ ضمیر کی آزادی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کسی کی دلآزاری کی جائے۔ چنانچہ اخبار نے یہ مضمون شائع بھی کیا جس کا مثبت درعمل ظاہر ہوا۔ اس کے ساتھ ہی حضور انور نے یہ بھی ھدایت فرمائی کہ مضامین لکھنے والے

رسول کریم ﷺ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کریں تا کہ عوام الناس رسول پاک ﷺ کی اصل سیرت سے روشناس ہوسکیں۔(دیکھیں خطبات مسرور جلد 4 صفحہ 75 تا 88)

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے 24 فروری 2006ء کے اپنے خطبہ میں بھی مسلمانوں اور افراد جماعت کو ان کارٹونوں کے سلسلہ میں ھدایات فرمائیں۔آپ نے فرمایا کہ مسلمان مما لک کی طرف سے انفرادی بھی اور اجتماعی بھی ردعمل آرہا ہے اور یہ مما لک یہ بات کہہ رہے ہیں کہ مغربی مما لک پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ معافی مانگیں اور اس بات پر بھی زور ڈالا جائے کہ ایک ایسا قانون پاس کیا جائے۔تا کہ آزادئ صحافت اور آزادئ ضمیر کے نام پر انبیاء تک نہ پہنچا جائے۔کیونکہ اگر اس سے باز نہ آئے تو دنیا میں امن کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔آپ نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسلامی مما لک کو اتنی مضبوطی دے اور اس کی توفیق بھی عطا کرے۔اس کے ساتھ ہی ایک ایرانی اخبار کے غیر اسلامی ردعمل کا بھی ذکر فرمایا جس میں اس نے کہا ہے کہ ہم جنگ عظیم دوم کے موقعہ پر یہود پر ہوئے مظالم پر کارٹونوں کا اخبارات میں مقابلہ کروائیں گے۔جس پر کارٹون شائع کرنے والے اخبار نے اسے برامناتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم اس میں حصہ نہیں لیں گے۔حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ اپنی غلطی کا اقرار کرتے اور یہ کہتے کہ ہم ایسا کوئی کام نہیں کریں گے جس سے دنیا میں فساد کی فضاء قائم ہوتی ہے اور ہمیں چاہئے کہ ہم کسی بھی نبی اور بانیء مذہب کے بارے میں ایسا کام نہ کریں۔نیز حضور انور ایدہ اللہ نے فرمایا کہ ہمیں ایسا کوئی بھی کام نہیں کرنا چاہئے جس سے غیروں کو حضور اکرم ﷺ کی ذات پر توہین آمیز حملے کرنے کا موقعہ مل سکے۔آپ نے فرمایا کہ ایسے موقعہ پر ہمیں جری اللہ کے پیچھے کھڑا ہونا ضروری ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

”یہ زمانہ کیسا مبارک زمانہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان پُرآشوب دنوں میں محض اپنے فضل

سے آنحضرت ﷺ کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے یہ مبارک ارادہ فرمایا کہ غیب سے اسلام کی نصرت کا انتظام فرمایا اور ایک سلسلہ کو قائم کیا۔ میں ان لوگوں سے پوچھنا چاہتا ہوں جو اپنے دل میں اسلام کے لئے ایک درد رکھتے ہیں اور اس کی عزت اور وقعت ان کے دلوں میں ہے وہ بتائیں کہ کیا کوئی زمانہ اس سے بڑھ کر اسلام پر گزرا ہے جس میں اس قدر سبّ وشتم اور توہین آنحضرت ﷺ کی کی گئی ہو۔ اور قرآن شریف کی ہتک ہوئی ہو؟ پھر مجھے مسلمانوں کی حالت پر سخت افسوس اور دلی رنج ہوتا ہے اور بعض وقت میں اس درد سے بے قرار ہو جاتا ہوں کہ ان میں اتنی حس بھی باقی نہ رہی کہ اس بے عزتی کو محسوس کر لیں۔ کیا آنحضرت ﷺ کی کچھ بھی عزت اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھی جو اس قدر سبّ وشتم پر بھی وہ کوئی آسمانی سلسلہ قائم نہ کرتا اور ان مخالفین اسلام کے منہ بند کر کے آپ کی عظمت اور پاکیزگی کو دنیا میں پھیلاتا۔ جب کہ خود اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجتے ہیں کہ اس توہین کے وقت میں اس صلوٰۃ کا اظہار کس قدر ضروری ہے اور اس کا ظہور اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے کی صورت میں کیا ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 8-9)

جماعت احمدیہ ڈنمارک نے لوکل سطح پر بھی اپنا ردعمل ظاہر کیا۔ مکرم نعمت اللہ بشارت صاحب نے ایک احمدی دوست مکرم خرم جمیل صاحب کی معاونت سے ڈینش زبان میں ایک مضمون تیار کر کے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بغرض راہنمائی بھجوایا۔ حضور کی ہدایت پر یہ احتجاجی مضمون اشاعت کے لئے اخبار کو بھیجا گیا جو یولینڈ پوسٹن میں 13 اکتوبر 2005ء کے صفحہ 7 پر شائع ہوا۔ اس کے علاوہ مورخہ 21 نومبر 2005ء کو جماعت احمدیہ ڈنمارک کے دورکنی وفد نے وزیر مملکت برائے پناہ گزین، غیر ملکی اور امیگریشن Miss Rikke Hveisht سے ملاقات کر کے جماعت کے مؤقف سے آگاہ کیا۔ اسی

طرح ڈینش جرنلسٹ یونین کی میٹنگ میں بھی جماعت احمدیہ کے وفد نے شرکت کر کے اپنا مؤقف ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

''ڈنمارک کا قانون آزادئ ضمیر کی اجازت دیتا ہے مگر اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ دوسروں کے مذہبی راہنماؤں اور قابل تکریم ہستیوں کی ہتک کی جائے۔ اس معاشرہ میں جہاں مسلمان اور عیسائی اکٹھے رہ رہے ہیں وہاں ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو امن قائم نہیں ہوسکتا نیز اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انہیں بتایا کہ اسلام آزادئ ضمیر کی اجازت دیتا ہے مگر اس سے کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔''

اس کے علاوہ 2 دسمبر کو TV2 کے نمائندگان نے مشن ہاؤس آ کر مکرم نعمت اللہ بشارت صاحب کا انٹرویو لیا جس میں خاکوں کی اشاعت پر پُرزور احتجاج کیا گیا۔ جبکہ 9 جنوری 2006ء کو جماعت احمدیہ کی طرف سے ایک پریس ریلیز بھی جاری کی گئی۔

(دیکھیں الفضل انٹرنیشنل 21 اپریل 2006ء)

ڈینش کارٹونوں کی ایک بار پھر اشاعت اور جماعت احمدیہ کا احتجاج

سن 2008ء میں ایک بار پھر ڈینش اخبارات میں آنحضرت ﷺ کے خاکے طبع ہوئے جس سے ایک بار پھر احمدیوں کے دل چھلنی ہو گئے۔ اس کی دوبارہ اشاعت پر بہانا یہ بنایا گیا کہ ہم بدلہ لے رہے ہیں کہ پولیس نے تین آدمیوں کو گرفتار کیا ہے جو ایک کارٹون بنانے والے کو مارنا چاہتے تھے۔ اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے 15 فروری 2008ء کو خطبہ ارشاد فرمایا۔

آپ نے فرمایا ہمارا فرض تھا کہ ہم ان کو سمجھاتے سو ہم نے انہیں سمجھایا لیکن یہ ہمارے دل دکھانے سے باز نہیں آتے اب ہمارا کام ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکیں اور پہلے سے

بڑھ کراس رسول کے پاک اسوہ کو قائم کرنے کی اور اپنی زندگیوں پر لاگو کرنے کی کوشش کریں۔ اور پہلے سے بڑھ کر ہم رسول پاک ﷺ پر درود بھیجیں۔ اللہ تعالیٰ سب قدرتوں کا مالک ہے وہ خود اپنی قدرت دکھائے گا۔ نیز آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اقتباس پیش فرمایا کہ

''مسلمان وہ قوم ہے جو اپنے بنی کریمؐ کی عزت کے لئے جان دیتے ہیں اور وہ اس بے عزتی سے مرنا بہتر سمجھتے ہیں کہ ایسے شخص سے دلی صفائی کریں اور ان کے دوست بن جائیں جن کا کام دن رات یہ ہے کہ وہ ان کے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتے ہیں اور اپنے رسالوں اور کتابوں اور اشتہارات میں نہایت توہین سے ان کا نام لیتے ہیں اور نہایت گندے الفاظ میں ان کو یاد کرتے ہیں۔ آپ یاد رکھیں کہ ایسے لوگ اپنی قوم کے بھی خیر خواہ نہیں ہیں کیونکہ وہ ان کی راہ میں کانٹے بوتے ہیں۔ اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر ہم جنگل کے سانپوں اور بیابانوں کے درندوں سے صلح کرلیں تو یہ ممکن ہے مگر ہم ایسے لوگوں سے صلح نہیں کرسکتے جو خدا کے پاک نبیوں کی شان میں بدگوئی سے باز نہیں آتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ گالی اور بدزبانی میں ہی فتح ہے مگر ہر ایک فتح آسمان سے آتی ہے۔'' (مضمون جلسہ لاہور منسلکہ چشمہ معرفت صفحہ 14)

(خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 73)

جرمنی میں پوپ کا قرآن کریم، اسلام اور بانیء اسلام کے خلاف ایک لیکچر اور جماعت کی طرف سے اس کا دفاع

ستمبر 2006ء میں روم کے کیتھولک پوپ Joseph Ratzinger نے اپنے دورہ جرمنی کے دوران ریگنس برگ یونیورسٹی میں ایک لیکچر دیا۔ جو مغرب اور اسلام کے درمیان تناؤ

کھچاؤ میں اضافہ کا موجب بنا۔ پوپ نے اسلام کے خلاف جہاں بہت سی باتیں کیں بالخصوص اسلام کے خدا کے تصور کو غلط رنگ میں پیش کیا۔

پوپ نے اپنے لیکچر کے آغاز میں چودھویں صدی عیسوی کے بازنطینی بادشاہ مینوئیل دوم کی ایک فارسی عالم سے گفتگو quote کی ہے کہ محمد کون سی نئی چیز لے آیا ہے۔ دیکھنے والوں کو صرف بدی اور انسانیت سوز امور ہی ملیں گے جیسے کہ اپنے عقائد کو تلوار کے ذریعہ پھیلانے کا حکم وغیرہ۔ اپنی گفتگو کو جاذب نظر بنانے اور اس میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لئے بادشاہ نے اپنی درج شدہ گفتگو میں ان الفاظ کا مزید اضافہ کر دیا کہ ''کسی بھی معقول ذی روح کو کسی بھی عقیدہ کے لئے قائل کرنے کے لئے طاقتور ہاتھ کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی کسی خوفناک ہتھیار کی اور نہ ہی کسی کو موت کی دھمکیوں سے عقیدہ اپنانے کے لئے قائل کیا جاسکتا ہے۔''

اسی طرح پوپ نے اپنے خطاب میں حضرت محمد ﷺ کو یہ الزام دیا کہ ''مذہب کے معاملہ میں جبر جائز نہیں۔ یہ اس وقت کہا گیا جبکہ محمدؐ خود بھی اور اسلام بھی کمزور تھے'' لیکن اپنے خطاب میں کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی۔ (الفضل انٹرنیشنل 20 اکتوبر 2006ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس پر فوری ردعمل ظاہر فرماتے ہوئے 15 ستمبر 2006ء کو ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا

''کل ایک خبر آئی تھی کہ پوپ نے جرمنی میں ایک یونیورسٹی میں لیکچر کے دوران بعض اسلامی تعلیمات کا ذکر کیا اور قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں کسی دوسرے لکھنے والے کے حوالے سے ایسی باتیں کی ہیں جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ ان کا ایک طریق ہے، بڑی ہوشیاری سے دوسرے کا حوالہ دیکر اپنی جان بھی بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور بات بھی کہہ جاتے ہیں۔ پوپ صاحب نے بعض ایسی باتیں کہہ کر قرآن

کریم، اسلام اور بانی اسلام ﷺ کے بارے میں ایک ایسا غلط تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جس سے مسلمانوں میں تو ایک بے چینی پیدا ہوگئی ہوگی، اس سے ان کے اسلام کے خلاف اپنے دلی جذبات کا بھی اظہار ہوجاتا ہے۔ پوپ کا ایسا مقام ہے کہ وہ چاہے کسی حوالے سے بھی بات کہتے، ان کے لئے یہ مناسب نہیں تھا کہ ایسی بات کا اظہار کیا جاتا۔''

(خطبات مسرور جلد 4 صفحہ 459)

حضور انور ایدہ اللہ نے فرمایا کہ پوپ کے اس بیان سے مسلمانوں کے خلاف نفرت میں مزید اضافہ ہوگا۔ اور جو لوگ اسلام کو شدت پسند خیال کرتے ہیں ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف اور نفرت بڑھے گی۔ حضور انور نے اپنے اس خطبہ میں قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کے اسوہ سے اسلام کی حقیقی تعلیم پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم تمام انبیاء کی عزت کرتے ہیں اور اسلام دین فطرت ہے۔ اسلام میں بالکل بھی جبر کی تعلیم نہیں پائی جاتی۔ اگر اسلام میں جنگوں کا حکم ہے تو وہ صرف دفاعی جنگوں کا حکم ہے۔ یہ سب باتیں آپ نے قرآن کریم کے حوالہ سے پیش کیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے انصاف پسند عیسائی مستشرقین کے حوالے بھی پیش فرما کر یہ ثابت کیا کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا۔

اس کے علاوہ حضور انور نے ایک خط بھی پوپ صاحب کو لکھا جسے مکرم محمد شریف عودہ صاحب کے ہاتھوں ان تک پہنچایا گیا۔ حضور انور نے اس امر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

''ہمیں تو اس زمانہ کے امام نے اسلام کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے اور دشمن کا منہ دلائل سے بند کرنے کا فریضہ سونپا ہے اور اپنی اپنی بساط اور کوشش کے مطابق ہر احمدی اس کام کو سرانجام دے رہا ہے۔ اور جہاں اسلام پر دشمنان اسلام کو حملہ آور دیکھتا ہے وہاں احمدی ہے جو دفاع بھی کرتا ہے اور منہ توڑ جواب بھی دیتا ہے۔ دنیا کو سمجھاتا بھی ہے۔ اور یہ حضرت مسیح

موعود کے ذریعہ سے ہی ملی ہوئی علم و معرفت ہے جس کو ہم استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہر احمدی بغیر کسی احساس کمتری کے بڑے بڑے لیڈروں اور مذہبی سربراہوں کو بھی اسلام کا پیغام پہنچا رہا ہے۔ دوسرے اگر لیڈروں کو ملنے جاتے ہیں تو مدد لینے جاتے ہیں یا دنیاوی مفادات لینے جاتے ہیں کبھی اسلام کا پیغام پہنچانے کی جرأت نہیں کرتے۔‘‘

(خطبات مسرور جلد 9 صفحہ 609)

اس کے ساتھ ہی حضور انور نے اس ملاقات کی تفصیل بھی بیان فرمائی۔

ہالینڈ میں توہینِ رسالت کی ناپاک حرکت کا جواب

ڈنمارک کے بعد ہالینڈ کے ایک ممبر پارلیمنٹ نے اسلام، بانی اسلام اور قرآن کریم کے خلاف ہرزہ سرائی شروع کردی۔ اس کی اس بے ہودہ گوئی پر حضور انور ایدہ اللہ نے 23 فروری 2007ء کے خطبہ جمعہ میں اس کا دفاع کیا۔ آپ نے اس بات کا ذکر فرمایا کہ جہاں بھی اسلام اور بانی اسلام پر حملے ہوتے ہیں جماعت احمدیہ اس کا دفاع کرتی ہے اور میں نے ہر ملک کے احمدیوں کو یہ ہدایت کی ہے کہ جہاں بھی اسلام پر حملہ کیا جائے وہاں اس کا جواب دیا جائے۔ آپ نے مغرب والوں کو اللہ کے پیاروں کے خلاف بے ہودہ گوئیوں سے باز آنے کی نصیحت فرمائی۔ اور فرمایا کہ اگر تم لوگ اپنی بقا چاہتے ہو تو اللہ کے پیارے نبی کی ذات پر حملوں سے اپنے آپ کو روک لو۔ اسی طرح آپ نے 24 اگست 2007ء کو یوروپ کے دورہ کے دوران ہالینڈ میں بھی ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور ہالینڈ والوں کو متنبہ فرمایا کہ

’’آج کل جو یہ طوفان اور زلزلے دنیا میں آرہے ہیں، پانی کے طوفان ہیں، کہیں ہواؤں کے طوفان ہیں، کہیں زلزلے آرہے ہیں۔ یہ وارننگ ہیں کہ حد سے زیادہ بڑھنے والے اس کی لپیٹ میں بھی آسکتے ہیں، کوئی دنیا کا ملک محفوظ نہیں، کوئی دنیا کا شخص محفوظ نہیں۔ ہالینڈ تو ویسے

بھی ایسا ملک ہے جس کا اکثر حصہ سمندر سے نکالا ہوا ہے، طوفان تو بلندیوں اور پہاڑوں کو بھی نہیں چھوڑتے، یہ تو برابر کی جگہ ہے بلکہ بعض جگہ نیچی بھی ہے۔'' اس طرح آپ نے اس ملک کے باشندوں کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے ان طوفانوں کو اپنے پر وارد کرنے کا موجب نہ ہوں۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے افراد جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

پس ہر احمدی کا فرض بنتا ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں اتمام حجت کرنے کے لئے کمر بستہ ہو جائے۔ اسلام کی صحیح تصویر دنیا کو دکھائیں۔ عیسائیوں کو بھی، یہودیوں کو بھی، لامذہبوں کو بھی اور مسلمانوں کو بھی جو تمام نشانات دیکھنے کے باوجود مسیح موعود کا انکار کر رہے ہیں انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی، پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے۔''

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 268 مطبوعہ لندن)

''فتنہ'' نام سے ولڈرز کی فلم کی ناپاک جسارت اور اس کا جواب

ہالینڈ کے ممبر پارلیمنٹ غیرت ولڈرز نے اسلام اور قرآن کریم کے خلاف ایک فلم ''فتنہ'' کے نام سے 27 مارچ 2008ء کو جاری کی جس میں آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم کے بارے میں نہایت درجہ نامناسب اور توہین آمیز الفاظ استعمال کئے گئے تھے۔ اور یہ لکھا کہ قرآن کریم دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے اس کا آدھا حصہ پھاڑ کر (نعوذ باللہ) الگ کر دینا چاہئے۔ اس کے دفاع کے طور پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے 29 فروری 2008ء کو ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے اس فلم کے ذریعہ کی جانے والی شرارت کا

ذکر فرمایا ہے اس فلم کا مقصد صرف یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں یہ دکھایا جائے کہ اسلام دہشت گردی کو فروغ دیتا ہے اور قرآن کریم کی جس آیت کا حوالہ پیش کرتا ہے وہ جنگ کے بارے میں ہے لیکن اگلی بات بیان نہیں کرتا کہ جب جنگ ختم ہو جائے تو قیدیوں کو احسان کرتے ہوئے یا فدیہ لیکر انہیں آزاد کر دو۔

اس کے ساتھ ساتھ جماعت نے بھی ہالینڈ میں دیگر ممبر پارلیمنٹ کو خط لکھے اور انہیں مل کر حضور انور ایدہ اللہ کا پیس کانفرنس کا ایڈریس بھی دیا گیا۔ اس سے وہاں کی فضاء کافی حد تک صاف ہو گئی۔ اس کے بعد حضور انور نے 28 مارچ 2008ء کے خطبہ میں فرمایا۔

''ہالینڈ کی جماعت کو اس شخص ولڈرز (Wilders) ایم پی، پر یہ بات واضح کر دینی چاہئے کہ بے شک ہم قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لیتے اور نہ ہی کبھی ہم قانون اپنے ہاتھ میں لیکر تم سے بدلہ لیں گے۔ لیکن ہم اس خدا کو ماننے والے ہیں جو حد سے بڑھے ہوؤں کو پکڑتا ہے۔ اگر اپنی مذموم حرکتوں سے باز نہ آئے تو اس کی پکڑ کے نیچے آسکتے ہو۔ پس خدا کا خوف کرتے ہوئے اپنی حالت کو بدل لو۔ بے شک ہم تو خدا کے ماننے والے ہیں، اس خدا کے ماننے والے ہیں جو رفیق ہے اور اس صفت کے تحت وہ مہربانی کرنے والا بھی ہے، ہمدردی کرنے والا بھی ہے، رحم کرنے والا بھی ہے، نقصان سے بچانے والا بھی ہے اور امن سے رکھنے والا بھی ہے۔ اور اللہ کی صفات میں رنگین ہونے کی کوشش کرتے ہوئے ہم تمہاری ہمدردی اور تمہیں بچانے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ اپنی حالت بدلو۔ یہ ایک آخری کوشش ہے اس کے بعد اَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰہِلِیۡنَ کے حکم کے تحت ہم معاملہ خدا پر چھوڑتے ہیں اور وہ اپنے نبی ﷺ کے دین کی عزت و توقیر قائم کرنا جانتا ہے اور خوب جانتا ہے۔'' (خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 137)

اسی طرح ہالینڈ میں ایک کتاب Women Embracing Islam کے ذریعہ

ہوئی جو کہ مختلف مقالوں کا مجموعہ ہے اس کا بھی حضور انور نے دفاع کرتے ہوئے 7 مارچ 2008ء کو خطبہ ارشاد فرمایا اور اس کتاب کے اصل مقاصد کو بیان کیا۔ اس کتاب میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ امریکن اور افریقن مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی بھی اسلام میں دلچسپی ظاہر ہو رہی ہے یہ بات بیان کر کے بتانا یہ چاہتے ہیں کہ اس کا اصل مقصد سیاسی ہے۔ حضور انور نے فرمایا۔

''بہرحال یہ بہت ہی سوچی سمجھی سکیم کے تحت اسلام پر حملے ہیں۔ ایک آدھ بات میں نے بیان کر دی ہے۔ کیونکہ یہ مختلف پیپرز ہیں، مقالے ہیں اور مقالوں کا مجموعہ ہے۔ اسلام کے بارے میں بیچ بیچ میں بعض اچھی باتیں بھی ظاہر کی گئی ہیں۔ لیکن جو بھی صورت حال ہو جب اس طرح اسلام کی طرف توجہ دلانے والے نتائج سامنے آئیں گے تو اسلام مخالف طاقتوں کا ایک منظم کوشش کے لئے جمع ہونا ضروری ہے اور ضروری تھا، جو وہ ہو گئیں،''

(خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 99)

امریکہ میں قرآن کریم کو جلانے کی مذموم کوشش پر جماعت احمدیہ کا ردّعمل

امریکہ میں ایک چرچ کے پادری نے سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے یہ مذموم کوشش کی اور بہانہ یہ بنایا کہ قرآن کریم چونکہ دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے اس لئے اس کو جلایا جانا چاہئے۔ اس پر حضور انور ایدہ اللہ نے 20 اگست 2010ء کو خطبہ ارشاد فرمایا اور پادری کی اس حرکت کے خلاف قدم اٹھنے کی ھدایت فرمائی جماعتی کوشش سے اس کی پہلی کوشش تو ناکام ہوئی لیکن بعد میں اس نے یہ مذموم حرکت کر ہی دی۔ جس پر حضور نے اس سلسلہ میں 25 مارچ

2011ء کو پھر خطبہ ارشاد فرمایا اور آپ نے امریکہ کی جماعت کو یہ ھدایت فرمائی کہ امریکہ میں جگہ جگہ قرآن کریم کی نمائشیں بڑے بڑے ہال کرایہ پر لیکر ان میں لگائی جائیں اور سیمینار کئے جائیں اور قرآن کریم کی خوبصورت تعلیم کے تراجم کے پوسٹر اور بینرز تیار کروا کر مختلف جگہوں پر لگائے جائیں۔ اس طرح قرآن کریم کی خوبصورت تعلیم سے لوگوں کو روشناس کروایا جائے اور یہ کوشش کی جائے کہ اس کی میڈیا کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ کوریج ہو۔ نیز حضور انور نے فرمایا۔

''پس ہمارا کام یہ ہے کہ جب بھی ہم اسلام، آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم پر دشمنوں کے غلیظ حملوں کو دیکھیں تو سب سے پہلے اپنے عملوں کو صحیح اسلامی تعلیم کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں، پھر معاشرے میں اس خوبصورت تعلیم کا پرچار کریں اور اس کے لئے جو ذرائع بھی میسر ہیں انہیں استعمال کیا جائے۔'' (خطبات مسرور جلد 9 صفحہ 147)

امریکہ میں اسلام اور محمدؐ کے خلاف بنائی جانے والی فلم پر دفاع

سن 2012ء کی بات ہے کہ ایک امریکن عیسائی نکولا بسیلے نے قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ پر ایک فلم بنائی جس میں قرآن کریم کی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا تھا۔ اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے لگا تار دو خطبات ارشاد فرمائے آپ نے 21 ستمبر 2012ء کے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

''آج کل مسلم دنیا میں، اسلامی ممالک میں بھی اور مختلف ممالک میں رہنے والے مسلمانوں میں بھی اسلام دشمن عناصر کے انتہائی گھٹیا، گھناؤنے اور ظالمانہ فعل پر غم وغصہ کی لہر دوڑی ہوئی ہے۔ اس غم وغصہ کے اظہار میں مسلمان یقیناً حق بجانب ہیں۔ مسلمان تو، چاہے وہ اس بات کا صحیح ادراک رکھتا ہے یا نہیں کہ آنحضرت ﷺ کا حقیقی مقام کیا ہے، آپ ﷺ

کی عزت وناموس کیلئے مرنے کٹنے پر تیار ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔اس عظیم محسن انسانیت کے بارے میں ایسی اہانت سے بھری ہوئی فلم پر یقیناً ایک مسلمان کا دل خون ہونا چاہئے تھا اور ہوا اور سب سے بڑھ کر احمدی مسلمان کو تکلیف پہنچی کہ ہم آنحضرت ﷺ کے عاشق صادق اور غلام صادق کے ماننے والوں میں سے ہیں۔جس نے ہمیں آنحضرت ﷺ کے عظیم مقام کا ادراک عطا فرمایا۔پس ہمارے دل اس فعل سے چھلنی ہیں۔ہمارے جگر کٹ رہے ہیں۔ہم خدا کے حضور سجدہ ریز ہیں کہ ان ظالموں سے بدل لے۔اُنہیں وہ عبرت کا نشان بنا جو رہتی دنیا تک مثال بن جائے۔ہمیں تو زمانے کے امام نے عشق رسول ﷺ کا اس طرح ادراک عطا فرمایا ہے کہ جنگل کے سانپوں اور جانوروں سے صلح ہو سکتی ہے لیکن ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ،حضرت خاتم الانبیاءؐ کی توہین کرنے والے اور اُس پر ضد کرتے چلے جانے والے سے ہم صلح نہیں کر سکتے۔'' (الفضل انٹرنیشنل 12 اکتوبر 2012ء)

حضور انور نے مخالفوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگ یہ یاد رکھو کہ جس رسول کی تم لوگ ہتک کرنے کی کوشش کر رہے ہو آخر اسی نے غالب آنا ہے۔حضور نے فرمایا کہ یہ وہ رسول ہے جس پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس لئے اس موقعہ پر ہمارا یہ ردعمل ہونا چاہئے کہ ہم بھی کثرت سے رسول کریم ﷺ پر درود بھیجیں۔آپ نے مسلمانوں کے غلط رد عمل پر انہیں بھی نصیحت فرمائی کہ اپنے ہی ملک کی املاک کو جلانا اور جائیدادوں کو برباد کرنے کا عمل درست نہیں۔فرمایا کہ یہ بات درست ہے کہ بعض ردعمل غلط ہیں لیکن معصوم نبیوں کا استہزاء کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔فلم بنانے والوں کو خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا۔

''پس یہ غلاظت کر کے انہوں نے یقیناً خدا تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دی ہے اور دیتے

چلے جا رہے ہیں۔ اسی طرح اس فلم کے سپانسر کرنے والے بھی خدا تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ ان میں وہ ایک عیسائی پادری بھی شامل ہے جو مختلف وقتوں میں امریکہ میں اپنی سستی شہرت کے لئے قرآن وغیرہ جلانے کی بھی کوشش کرتا رہا ہے۔ اَللّٰھُمَّ مَزِّقْھُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ وَ سَحِّقْھُمْ تَسْحِیْقًا۔'' اس میں آپ نے مسلم وکلاء کو یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ سارے اکٹھے ہو کر اس کے خلاف پٹیشن داخل کریں۔

اس خطبہ کے بعد آپ نے 28 ستمبر 2012ء کو دوسرا خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے فرمایا کہ اس فلم کی وجہ سے اور مسلمانوں احتجاج کی وجہ سے پوری دنیا میں شور برپا ہوا تو میڈیا کے نمائندے اس سلسلہ میں جماعت کا مؤقف جاننے کے لئے آئے حضور نے فرمایا کہ آپ ﷺ کا اُسوہ ہر مسلمان کے لئے قابل تقلید ہے۔ مسلمانوں کا ردعمل جو غم و غصہ کا ہے وہ ایک لحاظ سے تو ٹھیک ہے کہ پیدا ہونا چاہئے تھا، گو بعض کا اظہار غلط طور پر ہو رہا ہے۔ ہمارے دلوں میں آنحضرت ﷺ کا جو مقام ہے دنیا دار کی نظر اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس لئے دنیا دار کو یہ احساس ہی نہیں ہے کہ کس حد تک اور کس قدر ہمیں ان باتوں سے صدمہ پہنچا ہے۔ ایسی حرکتیں دنیا کا امن برباد کرتی ہیں۔ حضور نے فرمایا ہمارے دل میں آنحضرت ﷺ کی جس قدر محبت ہے اس کا تو آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ کیا کبھی کوئی شخص کسی کے باپ کو گالی دے وہ اسے برداشت کرے گا؟ آنحضرت ﷺ کا مقام تو ان کے نزدیک اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ حضور انور نے ایک تو جماعت کو کثرت سے درود پڑھنے کی طرف توجہ دلائی دوسرے آپ نے فرمایا کہ اس خطبہ کی کاپیاں ہر زبان میں ترجمہ کر کے تقسیم کی جائیں۔ اسی طرح لائف آف محمد سب لائبریریوں میں رکھوائی جائیں۔ اسی طرح سیمینار اور جلسے منعقد کئے جائیں جن میں غیروں کو بھی بلایا جائے۔ اسی طرح امن اور احترامِ مذہب کے عنوان سے لیف لیٹ تیار

کر کے اسے تقسیم کیا جائے کیونکہ اسلام تمام انبیاء کی عزت کرنے کی تعلیم دیتا ہے اس لئے ایک احمدی کا فرض ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کو ادا کرے۔ اسی فلم ہی کے تعلق سے ایک تیسرا خطبہ بھی ارشاد فرمایا۔ آپ نے اس خطبہ میں 24 مستشرقین کے ایسے حوالے پیش کئے جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی سیرت حسنہ سے متاثر ہو کر بیان کئے ہیں۔ حضور انور نے اپنے پہلے خطبہ کے حوالہ سے یہ بات بھی بیان فرمائی کہ میں نے وکلاء سے کہا تھا کہ وہ سب مل بیٹھ کر اس بات پر غور کریں کہ اس سلسلہ میں کیا کیا جا سکتا ہے حضور نے فرمایا دوسرے مسلم وکلاء کیا کرتے ہیں اس بات کا تو علم نہیں لیکن پاکستان کے احمدی وکلاء نے اس پر کچھ کام شروع کیا ہے اور بہت سے فیصلے مختلف عدالتوں کے انہوں نے جمع کئے ہیں اور مجھے بھیجے ہیں جنہیں میں نے دوسرے ممالک کے وکلاء کو بھی غور کرنے کے لئے بھیجا ہے وہاں سے بھی رائے آجائے گی اور جو بھی رائے قائم ہو گی پھر اس پر کوئی عملی کاروائی کرنی ہوگی۔

(الفضل انٹرنیشنل 26 اکتوبر 2012ء)

اسی طرح حضور نے فرمایا کہ سلمان رشدی کی کتاب کا جو جواب ارشد احمدی صاحب نے تیار کیا تھا اور شائع کی گئی تھی اب اس میں بھی ایک باب کا اضافہ کر کے اور بعض ترامیم کے ساتھ اسے بھی دوبارہ شائع کرنے کا ارشاد فرمایا۔ اسی طرح ایک موقعہ پر آپ نے اخبارات میں مضامین لکھ کر توہین رسالت کا جواب دینے کی طرف توجہ دلائی۔ الغرض یہ مضمون تو ایسا ہے کہ جس قدر بھی بیان کیا جائے وہ کم ہے کوئی ایک موقعہ بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا کہ کسی نے قرآن کی توہین کی ہو کسی نے رسول پاک ﷺ کی توہین کی ہو تو حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فوری طور پر اس کا دفاع نہ کیا ہو۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

”آج تک ہم دیکھ رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم پر مخالفین اسلام نہایت

گھٹیا اور رقیق حملے کرتے اور الزام لگاتے ہیں لیکن اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور آج بھی مسلمانوں میں ایک گروہ ہے اور بڑی تعداد میں ہے جو آپ کی لائی ہوئی شریعت کو اصل حالت میں اپنی زندگیوں پر لاگو کر رہا ہے یا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت تک کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اور آپ کی لائی ہوئی شریعت زندہ ہے اور زندہ رہے گی۔ انشاء اللہ۔ اور دشمنان اسلام کی کوششیں اور دھمکیاں نہ پہلے اسلام کا کچھ بگاڑ سکی تھیں نہ اب بگاڑ سکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں اس کے لئے کافی ہوں۔ اپنے بندوں کو ان کے شر کے بد انجام سے ہمیشہ بچاؤں گا۔''

(خطبات مسرور جلد 7 صفحہ 40)

پس توہین رسالت کرنے والوں کا جواب قرآنی تعلیم کی روشنی میں اور حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کے ارشادات کی روشنی میں اور خلفائے احمدیت کی راہنمائی میں جس طرح جماعت احمدیہ دے رہی ہے وہی حقیقی اسلامی تعلیم ہے۔ اسلام کسی پر بھی جبر کرنے کی تعلیم نہیں دیتا اور نہ ہی اسلام میں توہین رسالت کرنے والے کے لئے قتل کی سزا مقرر ہے اسلام آشتی اور امن کا دین ہے، یہ اپنی حسین تعلیمات کی بنیاد پر ساری دنیا میں غالب آئے گا اور اسلام کے غلبہ کو کوئی طاغوطی طاقت نہیں روک سکتی۔